اشاعۃ السنۃ النبویۃ

علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ

نمبر یکم لغایت دوازدہم — جلد ہفدہم

بابت ۱۳۱۱ ہجری مقدس مطابق ۱۸۹۴ء

شرح قیمت

یہ رسالہ عموماً عہ رسالانہ قیمت پر دیا جاتا ہے۔ خاص (روسا اہل اسلام) بنظر اعانت للوعہ عنایت فرماتے ہیں بعض اشخاص سے جنکی آمدنی للعہ ماہوار سے زیادہ نہیں رعایتاً عہ لئے جاتے ہیں۔ جنکی آمدنی عہ رسے زیادہ نہیں ہے ر ۲ ماہوار بھی آمدنی نہیں رکھتے بر بضاعت علمی رکھتے ہیں اور رسالہ کی اشاعت کرتے ہیں۔ اون کو بلاقیمت دیا جاتا ہے۔ خط وکتابت وارسال زر مہتمم کے پورے نام سے بٹالہ ضلع گورداسپور کے پتہ سے ہونی چاہیئے۔ اور ارسال زر بذریعہ منی آرڈر۔ ابوسعید محمد حسین مہتمم اشاعۃ السنۃ

بشارت وہدایت

اس جلد اشاعت میں جو دو مضمون (عصمت انبیاء وخطبہ وضمن اثبات نبوت) درج ہوئے ہیں۔ وہ اللہ تعالےٰ کے محض فضل وانعام سے ایسے لکھے گئے ہیں کہ اون کو بغور وتکرار ملاحظہ کرنے اور اعتقاد وعمل کو انکے موافق بنانیسے خواص علماء وعوام صلحاء کو ایمان کی قوت اور عبادت کی حلاوت حاصل ہونیکی امید قوی ہے۔ انمیں اسرار قرآنیہ وبرکات روحانیہ ودلایل عقلیہ وقصص صحیحہ ورقاق سنیہ ایسے درج ہوئے ہیں جن پر اعتقاد وعمل ایمان کی تازگی وقوت واخلاق وعبادات کی درستی وصحت کا موجب ہوسکتا ہے۔ ومعہذا ان میں انبیاء کے دشمنوں اور مخالفوں اور اسلام کے نادان دوستوں سے مجادلہ اور اون کے خیالات باطلہ واعتراضات حاطلہ کا مقابلہ اس خوبی وخوش اسلوبی سے ہوا ہے کہ وہ آیت وجادلھم بالتی ھی احسن کا پورا مصداق ہے ناظرین توجہ سے ان مضامین کو پڑہیں گے تو امید ہے کہ رسالہ کی دیر سے نکلنے کی شکایت کو بھول جائینگے انشاء اللہ تعالےٰ۔

مرزا غلام احمد کے جواب وخطاب میں ایک نئی طرز صواب کا مژدہ ۰ ۰

ہم تو مرزا جی کو رسالہ المبشر جلد ۱۶ میں چھوڑ دینے کا شرطیہ وعدہ دیچکے تھے کہ وہ آیندہ ہمکو مخاطب نہ کریں تو ہم بھی انکو مخاطب نہ کرینگے۔ مگر وہ ہمکو نہیں چھوڑتے۔ حال میں انہوں نے چار رسائل انجام آتھم وغیرہ شایع کئے ہیں جنمیں ہم کو اور تمام ذی علماء کو مخاطب کرکے بدگوئی ودشنام دہی کو آخری حد تک پہنچا دیا ہے۔ ان رسائل کے جواب ومرزا جی کے آیندہ خطاب میں خدا تعالےٰ نے ہمکو ایسے نئی ملایمانہ طرز صواب کا القا کیا ہے۔ جس سے مرزا جی آیندہ گالیاں دینا چھوڑ دینگے۔ اور اگر وہ نہ چھوڑینگے تو انکی صادق طالب حق اتباع جو صرف دہوکہ میں آکر اونکے پیر وحامی بنے ہوئے ہیں اونکو چھوڑ دینگے۔ اور اشاعۃ السنہ کو پیرو کار ومددگار بن جائینگے اور اسکی سابق سخت گیری کی درگو واقعہ میں وہ جایز اور واجبی تھی مگر اونکو پسند نہ تھی) شکایت وہ دل سے محو کر دینگے انشاء اللہ وتبارک چار سال تو ہمارا مرزا جی سے واجبی سختی سے مقابلہ رہا اب نرمی ودرملایمانہ کلمہ بھی ناظرین سنیں اور اسکا عمدہ نتیجہ دیکھیں۔ بحول اللہ وقوتہ ٭

فہرست مطالب

جلد ہذا

مطبع اسلامیہ پریس لاہور میں چھپا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

عصمت انبیاء

اور

عیسائیوں کا اون پر ظلم و افتراء

یہ مسئلہ (عصمت انبیاء) اسوقت کے مسلمانان ہندوستان میں اتفاق کے ساتھ مسلم ہے کسی [illegible] تفصیل سے بحث کرنے کی اسلئے ضرورت ہوئی کہ عیسائیوں نے اس مسئلہ میں ظلم و افترا اختیار کر رکھا ہے۔ کہ تمام انبیاء کو گنہگار اور صرف حضرت مسیح کو عصمت شعار قرار دیا ہے۔ اور اپنے اس قول کاسد و زعم فاسد پر ان آیات قرآن و احادیث سے استشہاد کیا ہے جنمیں بعض انبیاء کے نسیان و خطاؤں کا ذکر کیا ہے۔ یا اونہوں نے کسر نفسی و فروتنی سے اپنے افعال خلاف اولی کو گناہ یا اپنے حسنات کو سیئات کہا ہے۔

وازاں جملہ ایک توحیدی عیسائی مسٹر اکبر مسیح مختار عدالت باندہ نے تو یہ غضب ڈہایا ہے کہ حضرت مسیح کو تو ایک غلط و خود تجویزی معنے عصمت میں تمام انبیاء بلکہ ملائکہ سے بڑہا چڑہا کر باوجود قایل نہ ہونے الوہیت مسیح کے خدائی کے درجہ سے جا ملایا ہے۔ اور باقی حضرات انبیاء کو قدیم عیسائیوں کی تقلید سے گنہگار قرار دیکر یہ بھی جتایا ہے کہ صاحب اشاعت السنۃ بھی کسی نبی یا فرشتہ کو معصوم نہیں جانتا۔

انکو اس مضمون کی تحریرات ایک عیسائی رسالہ کشف الحقایق بمبئی بابت ماہ مارچ ۱۸۹۶ء لغایت اکتوبر ۱۸۹۶ء میں شایع ہوئے ہیں۔ جس سے بجائے کشف اس مسئلہ اور اسکے متعلق خیالات حقہ کا اخفاء والتباس عمل میں آیا ہے۔

اس ظلم وافترا والتباس واخفاء پر عیسائیوں کو جرأت کرنے کی ایک وجہ بھی ہوئی اور ایک قسم کی اون کو سند ونظیر مل گئی۔ کہ بدقسمتی سے بعض گمراہ فرقے مسلمانوں کے کسی قدر عیسائیوں کے ہم صفیر ہوئے ہیں۔ عام انبیاء کو گنہگار کہنے میں خارجی اُنکے ساتھ ہیں اور صرف حضرت مسیح کو سہو وخطا سے معصوم کہتے ہیں۔ رافضی انکی نظیر ہیں جو انبیاء کے علاوہ اہلبیت کو بھی سہو وخطاء سے معصوم کہتے ہیں۔ عیسائیوں نے ان دونوں مذہبوں میں اپنی کتربیونت کرکے ایک تیسرا مذہب مرکب رفض وخروج سے پیدا کیا۔ حضرت مسیح کے سوائے تمام نبیوں کو گنہگار بنایا۔ اور باقی نبیوں کو چھوڑکر صرف حضرت مسیح کو خطاونسیان وغیرہ سے معصوم قرار دیا۔ اور اس ترکیب وتلفیق مذہبین سے مسلمانوں کو دھوکا دینا چاہا اگرکسی نے انبیاء [illegible] پر اعتراض کیا [illegible] خارجیوں کا مذہب وقول پیش کردیا۔ اور اگر منجملہ تمام انبیاء صرف حضرت مسیح کو معصوم سمجھنے پر تعجب کرکے اعتراض کیا۔ تو رافضیوں کا قول سُنادیا۔ گو درحقیقت وہ اس مذہب مرکب وملفق میں نہ خارجیوں کے پورے موافق ہیں۔ کیونکہ وہ مسیح کو گنہگار نہیں سمجھتے۔ اور نہ رافضیوں کے پورے موافق کیونکہ وہ حضرت مسیح کے سوا اور پیغمبروں کو معصوم نہیں جانتے۔

اس ظلم وافترا والتباس واخفاء سے عیسائیوں کی غرض یہ ہے کہ وہ یہ کہکر کہ حضرت آدم سے لے کر آنحضرت صلعم تک جتنے نبی آئے وہ سب گنہگار تھے نیکوکار وعصمت شعار صرف حضرت مسیح تھے۔ ولہذا شفیع اور منجی صرف وہی ہوسکتے ہیں نہ کوئی اور نبی۔ اہل اسلام کو دین اسلام سے اور دیگر اہل ادیان کو اونکے ادیان سے ہٹادیں۔ اور ان کو عیسائی بنادیں۔

اسی غرض سے مسٹر اکبر مسیح نے اس خاکسار خادم المسلمین کو بحث عصمت مسیح میں اپنا مخاطب کیا۔ اور درصورت ثابت ہو جانے عصمت مسیح کے عیسائیت کیطرف مدعو کیا ہے۔ چنانچہ اس غرض کا اظہار اُنہوں نے اپنے خط ۱۱۔ اکتوبر ۱۸۹۵ء میں کیا ہے جو کشف نمبر ۳ جلد ۲ میں بصفحہ ۴۶ وغیرہ درج ہوا ہے۔

لہذا ضرورت پیش آئی کہ اس مسئلہ کی حقیقت عیسائیوں اور اُن ناواقف مسلمانوں پر جو اُن تحریرات کو دیکھ کر دھوکہ کھا چکے ہیں کھولی جائے۔ اور اس سے اُن پر منکشف ہو کہ عصمت انبیار کی حقیقت اور صحیح معنے کیا ہیں اور ان معنے کر سبھی انبیا معصوم ہیں اور ان معنے عصمت انبیار کے تسلیم کرنے میں اسوقت کے کسی مسلمان ہندوستان کو کلام نہیں ہے۔ اور جن آیات و احادیث سے مسٹر اکبر مسیح و دیگر عیسائی دوسرے نبیوں کا گنہگار ہونا نکالتے ہیں۔ اُنسے انکا گنہگار ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ اور حضرت مسیح کو معنے صحیح عصمت سے کوئی خصوصیت نہیں [illegible] ہے جہاں خصوصیت و ترجیح کی طرف نظر کیجاتی ہے اور قرآن مجید و موجودہ انجیل کی شہادت لیجاتی ہے تو حضرت سید الاولین والآخرین ختم المرسلین کو حضرت مسیح پر ترجیح ثابت ہوتی ہے۔ و بس۔

ایک امر اس مضمون کے لکھنے کا باعث و محرک یہ بھی ہے کہ عنقریب ہم مضمون اثبات نبوت جو ۱۸۸۱ء وغیرہ سے ناتمام چلا آتا ہے پورا کرنا چاہتے ہیں۔ اس مضمون میں اس بحث عصمت انبیار کی سخت ضرورت ہے۔ لہذا اس بحث کو ہم یہاں پوری کرینگے تو گویا ایک بڑی جزء مضمون اثبات نبوت سے فارغ ہو جائینگے و باللہ التوفیق۔

اس مسئلہ کی تحقیق و تفصیل پرانی اسلامی کتب عقائد و کلام (فقہ اکبر امام الائمہ حضرت امام ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ۔ شرح مواقف و شرح مقاصد و کتب تفاسیر (تفسیر کبیر وغیرہ) میں بخوبی ہو چکی ہے۔ اسمقام میں ہم اُن ہی کتابوں کا خلاصہ مطالب بیان کرنا کافی سمجھتے ہیں تاکہ ناظرین کشف الحقائق کو جو تحریرات مسٹر اکبر مسیح کو دیکھ کر

وہو کا کھا چکے ہیں معلوم ہو کہ اس مسئلہ میں جو صاحب اشاعت السنۃ کا خیال و مقال ہے وہ قدیم اہل اسلام کا خیال ہے۔ اور اسمیں رد مقالات عیسائیوں کے لئے صاحب اشاعت السنۃ کو از خود کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ جو کچھ عیسائیوں وغیرہ مخالفین نے عصمت انبیاء کے برخلاف کہا ہے اوس کو اہل اسلام قدیم رد کر چکے ہیں۔

قبل از بیان اقوال موافقین و مخالفین ورد اقوال و دلائل مخالفین ایک تمہید ضروری ہے جسمیں حقیقت و معنے صحیح عصمت کا بیان ہو اور اہل تحقیق نکتہ رس پر اس تمہید سے منکشف ہو کہ صحیح معنے عصمت کے وہی ہیں جو ہم اہل اسلام بیان کرتے ہیں نہ وہ جو عیسائی گھڑتے اور حضرت مسیح کی نسبت اسکا ادعا کرتے ہیں۔

شرح مواقف میں ہے۔ کہ چھٹا مقصد کتاب حقیقت عصمت کے بیان میں ہے،

المقصد السادس فی حقیقۃ العصمۃ و هی عندنا علی ما یقتضیه اصلنا من استناد الاشیاء کلها الی الفاعل المختار ابتداءً ان لا یخلق الله فیهم ذنبا و هی عند الحکماء بناء علی ما ذهبوا الیه من القول بالایجاب واعتبار استعداد القوابل ملکۃ تمنع الفجور و تحصل هذه الصفۃ ابتداء بالعلم بمثالب المعاصی و مناقب الطاعات فانه الزاجر عن المعصیۃ و الداعی الی الطاعۃ و تتأکد و یترسخ هذه الصفۃ بتتابع الوحی الیهم بالاوامر الداعیۃ الی ما ینبغی و النواهی	وہ ہم اہل اسلام کے نزدیک جو تمام چیزوں کے فاعل بالاختیار کے سی سرزد ہونیکے قائل ہیں یہ ہے کہ خدا تعالیٰ ان میں گناہ پیدا نہ کرے [illegible] اور حکماء و فلاسفہ کے نزدیک جو اشیاء کا فاعل سے سرزد ہونا بحسب استعداد و تقاضا محل ضروری غیر اختیاری سمجھتے ہیں عصمت کی حقیقت یہ ہے۔ کہ معصوم میں ایک قدرتی طاقت ہوتی ہے۔ جو نافرمانی سے روکتی ہے یہ صفت ابتدا میں تو گناہ کی برائی اور فرمانبرداری کی تعریف سُنکر ایک حالت سی ہوتی ہے۔ مگر وہ وحی کی (جو امر نہی لاتی ہے)

الزاجرة عما لا ينبغى والاعتراض على ما
يصدر عنهم من الصغاير سهواً او عمداً
عند من يجوز تعمدها ومن ترك الاولى
والافضل فان الصفات النفسانية
تكون فى ابتداء حصولها احوالاً اى
غير راسخة ثم تصير ملكات اى راسخة
فى محلها بالتدريج وقال قوم العصمة
تكون خاصية فى نفس الشخص او فى بدنه
يمتنع بسببها صدور الذنب عنه ويكذبه
اى هذا القول انه لو كان صدور الذنب
كذلك اى ممتنعاً لما استحق المدح بذلك
اى بترك الذنب بهذا المدح ولا ثواب
بترك ما هو ممتنع لانه ليس مقدوراً داخلا
تحت الاختيار۔
وايضاً فالاجماع منعقد على انهم
اى الانبياء مكلفون بترك الذنوب
مثابون بالطاعة ولو كان الذنب
ممتنعاً لما كان الامر كذلك اذ لا تكليف
بترك الممتنع ولا ثواب عليه
وايضاً قوله انما انا بشر مثلكم
يوحى الىّ يدل على مماثلتهم لسائر

پے درپے آنے سے اور جو ان حضرات سے
بھول چوک ہوجائے یا بقول بعض عمداً
چھوٹے گناہ سرزد ہوں یا امور افضل و اولے
ترک ہوجائیں۔ اُسپر اعتراض وارد ہونے
سے پختہ و مستحکم طاقت ہوجاتی ہے۔
ایک قوم (یعنے حکماء) حقیقت عصمت
یہ بیان کرتے ہیں کہ وہ کسی شخص کی ذات
یا بدن میں ایک ایسی طاقت ہے جسکی وجہ
سے وہ گناہ پر قادر ہی نہیں ہوتا۔ اور صدور
گناہ اس سے محال و ناممکن ہوتا ہے۔ جیسی
ہیجڑے یا مخنث کا ہمبستری عورت پر قادر
[illegible] بتلا رہا ہے کہ اگر
معصوم سے گناہ کا سرزد ہونا محال ہوتا
اور وہ اُسپر قادر ہی نہ ہوتا تو وہ گناہ کو ترک
کرنے کے سبب تعریف کا مستحق نہ ہوتا۔ کیونکہ
جو امر کسی کی قدرت میں داخل نہیں ہوتا اُسکا
ترک کرنا اُسکے لئے موجب تعریف نہیں ہوتا
حالانکہ انبیاء علیہم السلام باتفاق اہل ملل
ترک گناہ پر مستحق تعریف و اجر ہیں اور اس امر
سے وہ مامور و مکلف ہیں۔ و نیز یہ قول خداوندی
کہ اے رسول تو کہدے کہ میں تمہاری مثل بشر ہوں

الناس فیما یرجع الی البشریۃ والامتیاز
بالوحی لاغیر فلا یمتنع صدور الذنب
عن سائر البشر + (شرح مواقف
صـ ۶۹۸ مطبع لکھنو)

فرق صرف یہ ہی کہ میری طرف وحی ہوتی رہتی ہی
کہ انبیا بشری امور (خطا و نسیان وغیرہ) میں اور لوگونکی
مانند ہیں۔ انکو امتیاز صرف وحی الہی سے ہے تو امور بشری
میں لہذا کسی بشر سے گناہ سرزد ہونا محال نہیں ہی+

اور شرح فقہ اکبر میں ہے لوگوں نے حقیقت عصمت کے بیان میں اختلاف کیا ہی
بعض لوگوں (حکماء وغیرہ گمراہ مراد ہیں) کا قول ہے کہ وہ محض فضل خداوندی ہے جس میں

اختلف الناس فی کیفیت العصمۃ
فقال بعضہم ھی محض فضل اللہ تعالے
بحیث لا اختیار للعبد فیہ و ذلک اما
بخلقہم علی طبع یخالف غیرہم بحیث لا
یمیلون الی المعصیۃ ولا ینفرون عن
الطاعۃ کطبع الملائکۃ او بصرف ھمتہم
عن السیئات وجذبہم الی الطاعات
جبرا من اللہ بعد ان اودع فی
طبائعہم مافی طبائع البشر وقال
بعضہم العصمۃ فضل من اللہ
ولطفہ ولاکن علی وجہ یبقی اختیارہ
بعد العصمۃ فی الاقدام علی
الطاعۃ والامتناع عن المعصیۃ۔
والیہ مال الشیخ ابو المنصور
الماتریدی حیث قال العصمۃ لاتزیل

بندہ کا کچھ دخل و اختیار نہیں ہے۔ اون کے
نزدیک اوسکی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ
خدا نے انکی طبیعت ہی عام لوگوں کے برخلاف
ایسی بنائی ہے کہ وہ گناہ کی طرف رغبت اور
طاعت سے نفرت ہی نہیں کرتے۔ جیسے
ملائکہ کی طبیعت ہی (دوسری صورت) یہ
ہے کہ انکی طبیعت تو عام لوگوں کی طرح گناہ کی
طرف میلان کرتی ہے۔ مگر خدا تعالے انکو جبرا
بغیر انکے اختیار کے گناہ سے روک لیتا ہے۔
ایک قوم (اہل سنت مسلمان) کہتے ہیں کہ عصمت
بیشک خدا کا فضل و لطف ہے مگر نہ مجبور
کرکے۔ بلکہ ایسے طور پر کہ بعد اوس فضل و لطف
کے بندونکا اختیار بھی رہے کہ وہ اپنے ارادہ
و مرضی سے طاعت کی طرف متوجہ ہوئے اور
گناہ سے رک جائیں۔ اسی قول کی طرف

المحنة ای الابتلاء والامتحان یعنی لا تجبره علی الطاعة ولا تعجزه عن المعصیة بل ھی لطف من الله یحمله علی فعل الخیر ویزجره عن الشر مع بقاء الاختیار (شرح فقہ اکبر ص۷۴ طبع دہلی)

شیخ ابوالمنصور ماتریدی مائل ہوئے ہیں چنانچہ وہ فرما گئے ہیں کہ عصمت امتحان و آزمائش کو دور نہیں کرتی یعنی وہ طاعت پر مجبور اور گناہ سے عاجز نہیں کرتی بلکہ وہ ایسا لطف و فضل خداوندی ہے کہ وہ خیر کی رغبت اور برائی سے نفرت دلاتا ہے۔ باوجودیکہ انکا اختیار باقی رہتا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کتاب حجۃ اللہ البالغہ* میں فرماتے ہیں۔ عصمت کے

والعصمة لها اسباب ثلثة ان یخلق الانسان نقیا عن الشهوات الرذیلة سمحا لا سیما فیما یرجع الی محافظات الحدود الشرعیة وان یوحی الیه حسن الحسن وقبح القبیح ومآل هما وان یحول الله بینه وبینما یرید من الشهوات الرذیلة (حجۃ اللہ البالغہ صفحہ ۸۷)

تین ذریعہ و وسیلہ ہیں (یعنے جن تینوں سے نہ کسی ایک سے عصمت حاصل ہوتی ہے) ایک یہ کہ انسان کی فطرت ہی رذیل خواہشوں سے صاف ہو اگر کوئی ایسی خواہش پیدا ہو تو وہ حوصلہ کرے اور سنبھل جائے خاصکر ان امور میں جو محافظت حدود شرعیہ کے متعلق ہو۔ دوسری وحی الٰہی جس سے اُسکو حسن و قبح معلوم ہو تیسری توفیق الٰہی و فضل غیبی جو بُری خواہشوں میں جو بمقتضائے بشریت پیدا ہوں آڑ ہو جاوے

اس بیان حقیقت عصمت کو جو عقل سلیم اور قرآن کریم سے مستند ہے۔ اہل اسلام تو مان لینگے اور اس سے وہ یہ سمجھ جائیں گے۔ کہ نبیوں کے معصوم ہونے کے صحیح معنے یہی ہیں کہ وہ خدا کی تائید غیبی سے اور اس فضل وہبی کی مدد سے (جسکو وحی کہا جاتا ہے) دیدہ دانستہ گناہ کے مرتکب نہیں ہوتے تھے۔ اور اگر اون کے دل میں گناہ کا خیال یا خطرہ وارد ہوتا تھا۔ تو وہ خدا کے فضل اور وحی کی مدد سے اس خطرہ کو دور کرکے اس گناہ

* یہ ایک نادر کتاب ہے۔ مسائل پر خوب عقلی بحث کی ہے۔ اس کا مکمل اردو ترجمہ اسلامیہ پریس میں طبع ہو رہا ہے جو پانسو صفحہ کلاں سے زیادہ ہوگا۔ قیمت عہ درخواستیں مہتمم مطبع کے پاس بھیجی جائیں

سے رُک جاتے تھے۔ اور یہ خطور و خیال گناہ اون کی عصمت کے مخالف نہ تھا۔ بلکہ اس خطرہ کا واقعہ ہونا اور اُن حضرات کا اوسکو مٹا دینا عین موید و محقق معنے عصمت ہوتا تھا۔ اور اگر اون سے بتقاضائے بشریت بھول چوک ہو جاتی تھی تو وہ اُسپر فوراً آگاہ کیے جاتے تھے۔ اس بھول پر نہ خود قایم رہتے تھے اور نہ اُن کے پیرو اوس بھول میں انکی پیروی کرتے تھے۔ اور جو مخلوق اس قسم کا دل یا بناوٹ و طبیعت رکھتے ہیں کہ گناہ کا اسمیں خطور ہی نہ ہو اور طاعت انکے لئے ایک فطرتی و قدرتی و غیر اختیاری امر ہو (جیسے ملائکہ) وہ اس اصطلاح علماء کے روسے معصوم کھلانے کے مستحق نہیں۔ گو عرف عام میں اُن کو اُن کی ظاہری و غیر اختیاری فرمانبرداری کی نظر سے جو فرمانبرداری نبی معصوم کی صورت میں مشابہ ہے معصوم کہا جاتا ہے۔

عیسائی بھی عقل و انصاف سے کچھ کام لیں اور اپنے اصول مسلمہ کیطرف فہم و انصاف سے رجوع کریں۔ تو انکو بھی یہ حقیقت و معنے عصمت ماننے پڑیں۔

تثلیثی عیسائیوں کو بھی ماننا پڑا ہے* کہ حضرت عیسیٰ مسیح باوجود خدا ہونے کے ایک انسان تھے۔ اور تمام انسانوں کی مانند لوازم بشریت (کھانا۔ پینا۔ سونا۔ تھکنا۔ بول براز کرنا۔ عاجز ہونا۔ دماغی اور ذہنی قوے و طاقتوں میں اَور انسانوں کی طرح اکتساب و ترقی کرنا وغیرہ) انمیں موجود تھے۔ اور ان لوازم بشریت کا یہ لازمہ ہے کہ حضرت مسیح سے بھی صدور خطا ممکن تھا۔ اور اُنکے دل و دماغ میں برائی کا خطور ہوتا ہوگا۔ جسکو اُنہوں نے محض فضل خدا سے رفع کیا۔ اور اگر اُنکے دل و دماغ کی بناوٹ ہی ایسی تھی جسمیں برائی کا خطور ممکن نہ تھا (جیسے ملائکہ کا حال ہے) تو پھر کیوں اُنکو انسانی لوازم کا محل تسلیم کیا جاتا ہے؛

* عیسائیوں کا قول ہے کہ مسیح ہماری مثل چھوٹے سے بڑا ہوا۔ اُسنے قوائے ذہنی و جسمانی میں مثل ہماری ترقی کی جو ہماری مثل سوتا تھا۔ کھاتا تھا۔ تھکتا تھا۔ وہ قوائے دماغی اور بدنی کے لحاظ سے نوع انسانی سے الگ نہ تھا (عیسائیوں کا رسالہ کشف نمبر (۹) جلد (۲) صفحہ ۱۳۱)

توحیدی عیسائی مسٹر اکبر مسیح وغیرہ تو صاف مان چکے ہیں کہ ”مسیح میں عصیان وگناہ کا امکان تھا“۔ اس امکان کی نظر سے صدور خطا و نسیان حضرت مسیح سے بنظر اون کی بشریت کے جائز ہوا۔ بجز فضل الٰہی اور وحی کی مدد و برکت سے اس سے بچ جانا اور در صورت صدور خطا اسکا تدارک (متنبہ کیا جانا) عمل میں آنا ضرور ہوا۔ اور یہی حقیقت عصمت ہے جس کی نظر سے جملہ انبیاء معصوم تسلیم کئے جاتے ہیں۔ اور یہی معنے عصمت کے ہم اپنی تحریرات میں جو کشف نمبر ۷ جلد ۲ صفحہ ۱۰۶ میں مشتہر ہوئی ہیں بیان کر چکے ہیں۔

عیسائی (تثلیثی خواہ توحیدی) جو اس امر ممکن کے مسیح سے نفی کرتے ہیں۔ اور یہ دعوے کرتے ہیں کہ حضرت مسیح سے کوئی خطا سرزد نہیں ہوئی۔ تو وہ باوجودیکہ اس نفی و دعوے میں اپنے اصول و اقوال مسلمہ مذکورہ بالا کا خلاف کرتے ہیں۔ اس دعوے کو کسی دلیل سے مستند نہیں کرتے۔ اور کوئی دلیل عقلی (قرآن یا انجیل سے) یا عقلی ایسی پیش نہیں کرتے جسکو اور اہل عقل تسلیم کرلیں۔ تثلیثی عیسائی تو صرف ایک یہ وہمی و خیالی دلیل پیش کرتے ہیں* کہ مسیح میں جو الوہیت [illegible] کی خطا سے

٭ امکان گناہ اور نافرمانی کا ہر دو (مسیح و آدم) کیلئے ممکن تھا۔ فعل مختار ہر دو تھے۔ دونو معصوم رہ سکتے تھے۔ دونو عاصی ہو سکتے تھے۔ مگر ایک نافرمان ہو گیا دوسرا نہیں ایک کو اللہ نے قربت سے دور کیا۔ اور کہا اِهْبِطَا مِنْهَا۔ ایک کو اپنے تقرب میں لے لیا۔ اور کہا رَافِعُكَ إِلَيَّ۔ (خط مسٹر اکبر مسیح مرقومہ ۷ جنوری ۱۸۹۶ء مندرجہ نمبر ۹ ج ۲ صـ۸۵ کشف) اس اقتباس میں مسٹر اکبر مسیح نے حضرت آدم پر ظلم کیا۔ انکی حالت مابعد کا جسکا آیت ثم اجتباہ ربہ فتاب علیہ وھدے میں ذکر ہے لحاظ کرکے اوس کی نقل کرنے سے اغماض کیا۔

* ایک عیسائی کہتا ہے کہ مسیح کے دل پر گناہ محسوس نہیں ہوا × × اوسکے دل میں گناہ کا جذبہ و ریشہ نہ تھا۔ پس مسیح کے دماغ اور مسیح کے دل میں کونسی چیز تھی۔ جس نے اسکی انسانیت کو گناہوں سے پاک رکھا۔ کیا اسکی عقل نے؟ نہیں۔ کیا اوسکی خاندانی تعلیم اور تربیت نے نہیں؟ کیا فیض الٰہی نے؟ نہیں کیا۔ اسکی بقیہ حاشیہ بر صفحہ (۱۱)

محافظ ہوئی۔ اون کے اس خیالی دلیل پر ایک یہ سخت ولاجواب اعتراض وارد ہوتا ہے۔ ثبت العرش ثم النقش پہلے چھت بناؤ پھر اوسپر نقش و نگار کی ہوس کرو یعنے پہلے حضرت مسیح کا جو بقول تمہارے کھاتا۔ پیتا۔ بول و براز کرتا تھا۔ خدا ہونا ثابت کرو پھر اوسکی خدائی کے محافظ خطا ہونے کا دعوے کرو۔ اور یہ امر نہ آجتک صدہا برس سے ہوا اور نہ آئندہ ہوگا۔ اہل اسلام کو نہ سہی اپنے عیسائی بہائیوں یونی ٹیرین (توحیدی عیسائیوں) مسٹر اکبر مسیح وغیرہ کو ہی مسیح کا خدا ہونا سمجھا دو۔ اور مسٹر اکبر مسیح کے رسالہ تنقیح الوہیت مسیح وغیرہ کا جواب لکھو۔ پھر اس خیالی دلیل کو کسی مسلمان کے سامنے پیش کرو۔

دوسرا اعتراض یہ کہ وہ فرضی خدائی مسیح کی ایک وصف انسانی خطا سے اوسکی محافظ ہوئی۔ باقی اوصاف انسانی کھانے پینے دشمن کے ہاتھ میں پکڑے جانے و بقول نصاریٰ صلیب پر مارے جانے سے (جسکو وہ دل سے نہ چاہتا تھا اور ایلی ایلی لما سبقتنی پکارتا ہوا [illegible] ہو جاتا۔

اسکے جواب میں اگر کہو کہ کھانا۔ پینا۔ وغیرہ صفات انسانی کمال ہیں۔ نہ عیب اور صلیب پر مسیح کا مارا جانا تو عین حکمت اور عدل و رحمت خداوندی کی جہت بخلاف خطاء انسانی کہ وہ عیب موجب مذمت ہے۔ لہذا اس خطاء سے مسیح کی محافظت ضروری تھی۔ نہ کھانے پینے یا صلیب پر مارے جانے سے تو اوسپر دو سخت **اعتراض** وارد ہوتے ہیں۔

بقیہ حاشیہ صفحہ (۱۰) انسانیت میں الوہیت نے حلول کیا تھا۔؟ نہیں۔ اسکی انسانیت کی سطح کے نیچے اسکی الوہیت تھی جس سے وہ گناہوں سے پاک رہا (عیسائیونکا رسالہ کشف نمبر ۹ جلد ۲ صفحہ ۱۳۱) یہاں مؤلف کشف پر یہ امر منکشف ہوا کہ جس حلول الوہیت کے فقرہ سابق میں اُنہوں نے نفی کی تھی۔ فقرہ لاحق اور آخری میں اسیکا اثبات کردیا۔ فرق ہے تو صرف یہ ہے کہ پہلے حلول منفی میں حلول سریانی مراد رکھا ہوگا۔ جیسا کہ گلاب کے پھول میں رنگ کا حلول ہوتا ہے دوسری حلول مثبت میں حلول طریانی جیسا کہ نیچے والی چیز کو اوپر والی کے سطح میں ہوتا ہے۔ اور خدا تعالیٰ کی نسبت جیسا حلول سریانی محال ہے ویسا ہی طریانی محال۔ الحق یہ لوگ معقولات میں دخل تو دیتے ہیں مگر حقیقتاً دخل نہیں رکھتے۔

اوّل یہ کہ اگر کوئی انسان بغیر کھانے پینے کے جئے اور نشوونما پائے تو زیادہ صاحب کمال و صاحب معجز کہلاوے*۔

دوم۔ خطا تو ایسا عیب ہے کہ اگر اُسپر قیام و اصرار نہ ہو۔ اور اوس سے توبہ و رجوع عمل میں آوے تو قابل معافی ہے۔ اور اُسپر کوئی مواخذہ و ملامت نہیں۔ اور گناہوں کی سزا پانا تو سخت عیب ہے۔ جو گناہوں کا عطر اور پھل او رنتیجہ ہے۔ خصوصاً وہ سزا جو اصل گنہگار کو چھوڑکر بجائے اُسکے کسی ناکردہ گناہ کو ملجائے اسمیں حکمت اور عدل و رحمت کی جمعیت متصور نہیں بلکہ سفاہت ہے۔ اور عدل و رحمت دونوں کی مخالفت **عدل** کی مخالفت تو اسلئے ہے کہ اصل گنہگار بلا انتقام و سزا چھوڑا گیا۔ **رحمت** کی مخالفت اسلئے ہے کہ گنہگار کے بدلے ایک بے گناہ و بلاجرم پکڑا گیا۔ اور وہ **مقولہ** صادق آیا کہ ”کرے مونچھوں والا پکڑا جائے ڈاڑھی والا“۔ اس اجمال کی تفصیل دیکھنی ہو تو ہمارا مضمون ”قرآن کی **اخلاقی تعلیم** بمقابلہ انجیل“ اشاعۃ السنہ نمبر ۱ جلد [illegible] اور حضرت مسیح کا گنہگاروں کے بدلے سزا بھگتنا تو اِس ناانصافی و بے رحمی و سختی سے بیان ہوا ہے۔ کہ وہ اُنکی شان نبوت و عصمت کے برخلاف ہے۔ چہ جائے الوہیت بس بکمال تعجب ہے۔ کہ آپکی الوہیت ایسی بری سزا سے انکی محافظ نہ بنی اور صرف ایسے خطا سے جسکی کوئی سزا نہ ہو محافظ ہونے کو دوڑی اور اس مثل عربی کی مصداق ٹھہری فر من المطر وقام تحت المیزاب **توحیدی عیسائی** مسٹر ابر مسیح وغیرہ مسیح کو خدا نہیں کہتے صرف انسان مانتے ہیں۔ اسلئے وہ اس خیالی دلیل عیسائیوں سے ہاتھ نہیں مار سکے۔ بلکہ بجائے کسی دلیل پیش کرنے کے وہ صرف **دعاوی خمسہ** مفصلہ ذیل کے مدعی اور اُسپر مکتفی ہوئے ہیں۔

اوّل عصمت انسان کا فطرتی خاصہ ہے جسکے واسطے انسان بنایا گیا ہے۔ لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم (سورۃ تین) **دوم**۔ یہ عصمت انسان کا

*: جیسے اہل اسلام کے نزدیک حضرت عزیر کا سو برس زندہ رہنا اور اصحاب کہف کا تین سو برس۔

کمال نوعی ہے ان اللہ اراد بہ ان یصیر خلیفۃ فی الارض یبلغ الی کماله النوعی - (تاویل الاحادیث شاہ ولی اللہ صاحب) **سوم** - یہ کمال نوعی اوّل حضرت آدم کو ان کی ابتدا حالت میں حاصل ہوا - تو خدا تعالے نے اونکو اپنا خلیفہ بنایا - اور فرشتوں کو اوسکی طرف سجدہ کرنے کا حکم دیا - اِنِّی جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَہ - فَاِذَا سَوَّیْتُہ وَنَفَخْتُ فِیْہِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَہٗ سَاجِدِیْنَ - اوسوقت تک آدم سے خطا و نسیان کا مرتکب نہوا تھا - **چہارم** - اسکے بعد وہ نافرمان ہوا تو وہ کمال نوعی اس سے چھینا گیا - پھر اوسکی نسل کے تمام انبیاء میں مفقود و مسلوب چلا آیا - **پنجم** آخر وہ کمال نوعی حضرت مسیح کو دیا گیا جو آدم ثانی تھا - اور اوس کمال نوعی پر پہنچنے کے لئے پیدا کیا گیا تھا -

یہ مسٹر اکبر مسیح کی اس کلام کا خلاصہ معہ تشریح ہے جو خط ۷ - جنوری ۱۸۹۶ء میں اونہوں سے [illegible] ہے - اور اس سے پہلے خط ۲۸ - نومبر ۱۸۹۶ء میں (جو کشف نمبر ۵ جلد ۲ کے صفحہ ۴۷ میں درج ہوا ہے) اُنہوں نے مسیح کی عصمت کی یہ غلط اور خود تجویزی معنے بیان کئے ہیں - کہ ان سے نہ خطا ہوئی نہ نسیان نہ وہ کسی ذنب کے مرتکب ہوئے نہ ترک اولے کی ہر ایک لغزش سے وہ پاک تھے -

ان دعاوی خمسہ میں سے دعوے اوّل لغایت سوم ہیں جنہیں وہ قرآن اور قرآن والوں کے اقوال سے مقتبس و متمسک ہوئے ہیں - اسی قرآن کی برکت سے ثابت قدم رہے - اور ٹھیک بولے - مگر دعوے چہارم و پنجم میں (جو عیسائیت پر مبنی اور اس سے ماخوذ تھی) اُسی عیسائیت کی تاثیر سے لغزش کھا گئے - وہ دعوے چہارم و پنجم کے وقت اس امر کو بھول گئے - کہ وہ حضرت آدم کے لئے اس کمال نوعی کا حصول تسلیم کرکے اُن کو خلیفہ بنا چکے اور اُسپر قرآن کی آیت اور شاہ ولی اللہ صاحب کا قول سند لا چکے ہیں پھر اُسکے برخلاف کیونکر کہہ سکتے ہیں - کہ جس کمال نوعی پر پہنچنے کے لئے انسان پیدا کیا گیا تھا

اس کمال تک صرف مسیح پہنچا - اور یہ بات بھی وہ بھول گئے کہ اس کمال نوعی تک حضرت آدم کا پہنچ جانا اور اسوجہ سے خلیفہ و مسجود ملائکہ ہو جانا وہ مان چکے ہیں - اور صرف شجرہ ممنوعہ سے کھا لینے کے سبب اس کمال نوعی کا اُن سے چھینا جانا - او منصب خلافت و پیغمبری سے اُنکا اُتارا جانا نہ بیبل میں مذکور ہے نہ قرآن میں مسطور - پھر وہ کس سند و دلیل سے دعوے پیش کرتے ہیں کہ اس خطا کے سبب جو اُنسے ہوئے وہ کمال نوعی اُن سے چھینا گیا - اور ان کی اسامی پر اُن کی تمام اولاد سے آخر مسیح رفل آپ دھرتی) ہوا -

یہ بات بھی وہ خیال میں نہیں لاسکے کہ شجرہ ممنوعہ سے کھا لینا اُنکے نزدیک ایسا ہی گناہ کبیرہ و جرم سنگین و ناقابل معافی و نالایق ضمانت و شفاعت ہے کہ اوس کے سبب وہ کمال نوعی آدم اور اوسکے تمام ذریات سے نسلاً بعد نسل و بطناً بعد بطن مسلوب چلا آیا - اور اوسکا اثر نسل آدم میں موروث ہو گیا - کوئی بھی نسل آدم سے اسکے اثر بد سے بچ نسکا تو پھر حضرت مسیح جو بقول مسٹر اکبر مسیح [illegible] جدا اوس آبائی ورثہ اور جرم موروث کے اثر جو جد امجد حضرت مسیح یعنے حضرت داؤد تک متوارث چلا آیا تھا کیونکر بچ گئے - اور - خطاء آدم[1] مخطاءت ذریت کے احاطہ میں کیوں شامل نہوئے

اِن اعتراضات و مواخذہ کے جواب میں شاید مسٹر اکبر مسیح یہ کہیں کہ حضرت آدم اور اُنکے ذریات کے اس کمال نوعی سے معزول و محروم و صرف حضرت مسیح کی وارث ہونیکا سر عقلی اور راز فلسفی ہم نہیں جانتے اور نہ بتا سکتے ہیں - ہم صرف نقلی شہادت قرآن اور انجیل سے یہ دعوے کرتے اور اعتقاد رکھتے ہیں - چنانچہ آیات قرآن و احادیث جو مضمون ناطق ہیں ہم اپنے خط ۷ - جنوری ۱۸۹۶ء میں نقل کر چکے ہیں اور آیات انجیل پیش کرنے کو حاضر دتیار ہیں - تو اوسکا جواب یہ ہے کہ قرآن و حدیث میں تو آپ کے اعتقاد کا نام و نشان نہیں - انکا ایک لفظ ایک حرف اسپر شاہد و ناطق نہیں - چنانچہ آپ کو اور ناظرین کو عنقریب ہماری ابحاث آئندہ سے روز روشن کی طرح معلوم ہو جائیگا - رہی انجیل سو جب آپ اُسکو

[1] یہ حدیث نبوی ہے جسپر انجیل بھی شاہد ہے دیکھو صفحہ ۲۹ و صفحہ ۲۳۲

پیش کرینگے۔ ہم اس میں نظر کرینگے۔ اور دیکھینگے کہ وہ آپ کے دعوے کی کہانتک مصداق ہیں
جہانتک ہمنے خود انجیل دیکھی اور پڑہی ہے اوس میں یہی* پایا کہ انجیلی مسیح کی زندگی خطاؤں میں بسر
ہوئی۔ اس کی تعلیم خطاؤں سے پرہے اوس کے معجزات خطاؤں کا مجمع ہیں۔ ومعہذا قرآنی مسیح
ہم اہل اسلام کی نگاہوں میں معصوم ہیں۔ اور اس تعظیم وتکریم سے دیکھے جاتے ہیں جس
تعظیم سے دوسرے انبیاء۔ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ۔ یہہ بات بھی ناظرین
ہماری ابحاث آیندہ سے واضح ہوگی انشاء اللہ تعالےٰ۔

بالجملہ حقیقت ومعنے عصمت کے بیان میں اور مسیح کے لئے اُسکے اثبات اور دوسرے
انبیاء سے اوسکی نفی کرنے میں جو کچھ عیسائیوں نے کہا ہے وہ دعاوی فارغہ وخیالات
عاطلہ ہیں جو خود اون کے اصول ومسلمات اتفاقیہ کے برخلاف ہیں۔ اور حق لائق تلقی
بالقبول وہی ہے جو اہل اسلام نے اختیار کر رکھا ہے۔ اور وہ اوپر بیان ہوا ہے۔

تمہید ختم ہوئی اب ہم اس عصمت کے متعلق خیالات ومقالات اہل
اسلام ومخالفین [illegible] باطل کی
تزئیف وابطال عمل میں لاتے ہیں۔

اختلف الناس فی عصمة الانبیاء
علیهم السلام وضبط الاقوال
فیه ان یقال الاختلاف فی هذا
الباب یرجع الی اقسام اربعة
احدها ما یقع فی باب الاعتقاد
وثانیها ما یقع فی باب التبلیغ
وثالثها فی باب الاحکام والفتیا و

تفسیر کبیر میں ہے۔ لوگوں کا مسئلہ عصمت انبیاء
میں اختلاف ہے۔ اس اختلاف میں ضبط اقوال
یوں ہوسکتا ہے کہ اس اختلاف کا محل چار چیزیں
ہیں۔ ایک تو اعتقاد انبیاء کہ انہیں کفر یا شرک
یا اور برائی آسکتی ہے یا نہیں دوم تبلیغ وحی کہ
انہیں نبی غلطی یا عمداً تصرف کرسکتے ہیں یا نہیں
سوم۔ اپنی رائے سے کوئی حکم یا فتوے دینا کہ انہیں

* صفحہ (۲۳۲) نمبر (۸) جلد ہذا ملاحظہ ہو۔

رابعہا ما یقع فی افعالھم وسیرتہم ۱ امّا اعتقادھم الکفر والضلال فان ذلک غیر جائز عند اکثر الامۃ و قالت الفضلیۃ من الخوارج انھم قد وقعت منھم الذنوب والذنب عندھم کفر وشرک فلا جرم قالوا بوقوع الکفر منھم واجازت الامامیۃ علیہم اظہار الکفر علی سبیل التقیۃ وامّا النوع الثانی وھو ما یتعلق بالتبلیغ فقد اجمعت الامۃ علی کونھم معصومین عن الکذب والتحریف فیما یتعلق بالتبلیغ والا لارتفع الوثوق بالاداء واتفقوا علی ان ذلک کما لا یجوز وقوعہ منھم عمدًا لا یجوز ایضًا سہوًا۔ ومن الناس من جوز ذلک قالوا لان الاحتراز عنہ غیر ممکن۔ وامّا النوع الثالث وھو ما یتعلق بالفتیا فاجمعوا علی انہ لا یجوز خطاءھم فیہ علی سبیل التعمد۔ وامّا علی سبیل السہو فجوزہ بعضھم واباہ اٰخرون۔ وامّا النوع الرابع وھو

غلطی یا کمی زیادتی ہو سکتی ہے یا نہیں۔ چہارم انبیاء کے افعال و خصائل ذاتی۔ قسم اوّل میں تو انبیاء باتفاق اکثر امت معصوم ہیں اُن کے نزدیک اُنکا مرتکب کفر و شرک ہونا جائز و ممکن نہیں ہے۔ صرف ایک طائفہ خوارج جو فضلیہ کہلاتے ہیں قائل ہیں کہ انبیاء سے گناہ سرزد ہوتے ہیں اور گناہ کو وہ کفر جانتے ہیں اس سے لازم آیا کہ وہ انبیاء سے کفر سرزد ہونے کے بھی مجوز ہیں۔ امامیہ (شیعہ) اس امر کو جائز رکھتے ہیں کہ وہ بطور تقیہ کفر کا صرف زبان سے اظہار کریں۔ قسم ثانی کی نسبت بھی یہ اتفاق ہے کہ انبیاء تبلیغ میں عمداً کذب و تحریف کرنے سے معصوم ہیں ایسا نہ ہو تو انکی تبلیغ پر وثوق جاتا رہے۔ اس پر بھی اکثر کا اتفاق ہے کہ وہ سہواً بھی تبلیغ میں تبدیل و تصرف نہیں کرتے بعض لوگ قائل ہیں کہ سہواً تبدل و تغیر ہو جانا ممکن ہے۔ اور اس سے بچنا نا ممکن ہے (مگر اُن لوگوں کا اس سہو کی نسبت یہ بھی خیال و یقین ہے کہ انبیاء علیہم السلام اُس سہو پر قائم نہیں رہتے۔ اور جو ان سے کمی بیشی ہو جاتی ہے اُس پر فوراً آگاہ کیے جاتے ہیں۔ ولہذا انکی تبلیغ پر وثوق دور نہیں ہوتا۔) قسم سوم کی

الذي يقع في افعالهم فقد اختلف الامة فيه على خمسة اقوال احدها قول من جوز عليهم الكبائر على جهة العمد وهو قول الحشوية - والثانى قول من لا يجوز عليهم الكبائر - لكنه يجوز عليهم الصغائر على جهة العمد الا ما ينفر كالكذب والتطفيف وهذا قول اكثر المعتزلة - القول الثالث انه لا يجوزان يأتوا بصغيرة ولا بكبيرة على جهة العمد البتة بل على جهة التاويل وهو قول الجبائى - القول الرابع انه لا يقع منهم الذنب الا على جهة السهو والنسيان لكنهم ماخوذون بما يقع منهم على هذه الجهة وان كان موضوعا عن امتهم لان معرفتهم اقوى ودلائلهم اكثر وانهم يقدرون على التحفظ ما لا يقدر عليه غيرهم - القول الخامس انه لا يقع منهم الذنب لا الكبيرة ولا الصغيرة لا على سبيل القصد ولا على سبيل السهو ولا على سبيل التاويل والخطاء وهو مذهب الرافضة و

نسبت یہی اتفاق ہے کہ وہ عمداً افتوے اور حکم میں غلطی نہیں کرتے سہواً غلطی ہو جانے میں اختلاف ہے بعض قائل و مجوز ہیں بعض منکر (مگر جو قائل ہیں وہ ساتھ اسکے یہ بھی اعتقاد رکھتے ہیں کہ وہ اس سہو و غلطی پر متنبہ کئے جاتے ہیں - اور وہ غلطی حکم شرعی و دستور العمل نہیں بن جاتی) - اب رہا قسم چہارم سو اسمیں پانچ قول ہیں - ایک قول اُن لوگوں کا جو نبیوں کا عمداً مرتکب گناہ کبیرہ (چہ جائے صغیرہ) ہونا جائز رکھتے ہیں - یہ حشویہ کا قول ہے - (حشویہ وہ لوگ ہیں جو قرآن و حدیث کے ظاہری الفاظ سے انکے فہم معانی اور رفقاہت کو چھوڑ کر [illegible] ہیں جیسے [illegible] فضل سے صادق و اہل علم اتباع ائمہ اربعہ و اصحاب صحاح ستہ میں کوئی نہیں ہے) قول دوم اُن لوگوں کا قول ہے جو گناہ کبیرہ (جس پر وعید یا شرعی سزا وارد ہو) کا صدور نبیوں سے جائز نہیں رکھتے صرف صغیرہ کا عمداً اصدار ہونا جائز رکھتے ہیں - اسمیں بھی شرط ہے کہ وہ صغیرہ ایسا نہ ہو جس سے خست ثابت ہو اور نفرت پیدا ہو (جیسے ایک دانہ تول میں کم دینا یا ایک لقمہ چرالینا) یہ قول اکثر معتزلہ کا ہے - قول سوم یہ ہے کہ وہ گناہ کو گناہ سمجھ کر نہ کبیرہ گناہ کرتے ہیں نہ صغیرہ - بلکہ اسمیں وہ تاویل رکھتے ہیں

واختلف الناس فی وقت العصمة على ثلثة اقوال احدها قول من ذهب الی انهم معصومون من وقت مولدهم وهو قول الرافضة وثانيها قول من ذهب الی انهم معصومون وقت بلوغهم ولم يجوزوا منهم ارتكاب الكفر والكبيرة قبل النبوة وهو قول كثير من المعتزلة۔ وثالثها قول من ذهب الی ان ذلك لا يجوز وقت النبوة واما قبل النبوة فجائز وهو قول اكثر اصحابنا وقول ابي الهذيل وابي علي من المعتزلة والمختار عندنا انه لم يصدر عنهم الذنب حال النبوة البتة لا الكبيرة ولا الصغيرة ويدل عليه وجوه الی ان ذكرها وعدها الی الستة دعشر

(تفسیر کبیر جلد اوّل صفحہ ۲۷۵۴ وغیرہ)

جس سے گناہ گناہ نہ ہے۔ یہ قول جبائی (معتزلی) کا ہے۔ قول چہارم یہ ہے کہ اُن سے گناہ عمداً سرزد نہیں ہوتا۔ ہاں سہو ونسیان سے ہو جاتا ہے اسپر بھی انکو مواخذہ ہوتا ہے۔ گو امت کیلئے اسکی معافی ہے۔ کیونکہ انکو دین کی معرفت قوی اور اُنکے پاس دلایل بکثرت ہوتے ہیں جنکے سبب سے وہ خطا سے بچ سکتے ہیں۔ قول پنجم یہ کہ گناہ اُنسے سرزد ہی نہیں ہوتا۔ نہ کبیرہ اور نہ صغیرہ نہ قصداً و عمداً اور نہ سہواً اور نہ تاویل یا خطا سے۔ پھر رافضیوں کا مذہب ہے (یہی مذہب واعتقاد مسٹر اکبر مسیح کا ہے۔ جو حضرت مسیح کی نسبت انہوں نے ظاہر کیا ہے۔ اور باقی تینوں کی نسبت اس سے دریغ وظلم روا رکھا ہے) لوگوں کا عصمت کے وقت میں بھی اختلاف ہے۔ اسمیں ایک قول جو رافضیونکا قول ہے یہ ہے۔ کہ انبیاء تولد ہی کے وقت سے معصوم ہوتے ہیں۔ دوسرا یہ قول جو اکثر معتزلہ کا قول ہے کہ وہ عاقل بالغ ہونے کے وقت سے معصوم ہوتے ہیں اور نبوت سے پہلے بھی کفر اور گناہ کبیرہ کا ارتکاب نہیں کرتے۔ قول سوم جو ہمارے اکثر اشعری لوگوں کا قول ہے۔ اور معتزلہ میں سے ابوہذیل و ابوعلی کا قول ہے۔ کہ انبیاء نبوت کے وقت سے کفر و کبیرہ کے مرتکب نہیں ہوتے۔ قبل نبوت کے ہو سکتے ہیں۔

ہمارے نزدیک مذہب مختار یہ ہے۔ کہ نبوت کے وقت اُنسے گناہ کبیرہ سرزد ہوتے ہیں نہ صغیرہ جسپر بہت سے دلایل شاہد ہیں ۔ اس سے مراد یہ ہے، کہ وہ عمداً ارتکاب گناہ نہیں کرتے صغیرہ ہی کیوں نہ ہو) پھر امام نے اُن دلایل کو شمار کیا۔ اور اُنکا شمار اٹھارہ تک پہنچایا۔ پھر مذاہب مخالفین کا جو انبیاء کو اقسام اربعہ (اعتقاد۔ تبلیغ۔ فتوے وافعال) ہیں گنہگار جانتے ہیں رد کیا اور اُنکے دلایل کا جواب جو اپنے خیالات باطلہ پر وہ لاتے ہیں تفصیل سے جواب دیا۔

ہم اُن دلایل وجوابات کو اپنی ترتیب سے اور اپنے جوابات کے ضمن میں نقل کریں گے انشاء اللہ تعالےٰ

ذیل میں ہم تفسیر کبیر کی تائید اور اپنے بیان کی وجو بطور تفسیر ہمنے زیادہ کہا ہے تصدیق میں اور آئمہ اسلام وعلماء اعلام کے اقوال نقل کرتے ہیں۔

واضح ہو کہ جو تفصیل مذاہب تفسیر کبیر میں بیان ہوئی ہے۔ ایسے ہی شرح مواقف میں بیان ہوئی ہے۔ لہذا اسکی نقل [illegible] بیان سے تکرار واعادہ مطالب متصور ہے۔ ذیل میں ہم وہ اقوال علماء پیش کرتے ہیں جنمیں مزید بیان پایا جاتا ہے۔

حضرت امام الائمہ ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ فقہ اکبر میں فرماتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام

والانبیاء علیہم السلام کلھم معصومون عن الصغایر والکبایر والکفر والقبایح وقد کانت منھم زلات وخطیئات (فقہ اکبر)

سب کے سب کبیرہ وصغیرہ گناہوں اور برائیوں سے پاک ہیں۔ اُنسے کچھ تقصیرات ولغزشیں وقوع میں آئی ہیں۔

اس کی شرح میں ملا علی قاری فرماتے ہیں۔ یہ انکی تقصیرات ولغزشیں اون کے

زلات ای تقصیرات وخطیئات ای عثرات بالنسبۃ ای ما لھم من علی المقامات وسنی الحالات۔ ذکر القاضی ابو زید الدبوسی فی

عالی مقامات اور روشن حالات کی نظر سے تقصیرات ولغزشیں کہلاتی ہیں (یعنے اگر اون سے نیچے درجہ والوں سے وہ کام سرزد ہوں تو وہ تقصیرات ولغزشیں متصور نہ ہوں بلکہ مباحات اور بعضے

اصول الفقه ان افعال النبی صلی الله علیه وسلم عن قصد علی اربعة اقسام واجب ومستحب ومباح وزلة فامّا ما کان یقع من غیر قصد کما یکون من النائم والمخطئ وغیرهما فلا عبرة بها لانها غیر داخلة تحت خطاب ثم الزلة لا یخلو عن القرآن ببیان انها زلة ۰ امّا من الفاعل نفسه کقول موسی حین قتل القبطی هذا من عمل الشیطان وامّا من الله کما قال تعالی فی حق آدم علیه السلام وعصٰی آدم ربه فغوی مع انه قیل کانت زلته قبل نبوته لقوله تعالی ثم اجتباه ربه فتاب علیه وهدی واذا لم یخلو الزلة عن البیان لم یشکل علی احد انها غیر صالح للاقتداء بها فتبقی العبرة للانواع الثلثة وقد ذکر شمس الائمة ایضاً نحوه و

حسب ذیل کہلاویں۔ قاضی ابوزید دبوسی نے اپنی کتاب اصول فقہ میں کہا ہے۔ کہ افعال آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے جو ارادہ سے سرزد ہوئے۔ چار قسم ہیں۔ ایک واجب العمل ہیں دوم مستحب۔ سوم مباح العمل۔ چہارم لغزش اور جو فعل بغیر ارادہ کے ہوئے ہیں جیسے سونیوالا کا فعل یا ارادہ کے برخلاف فعل (مثلاً کسی نے تیر مارا شکار کو لگ گیا کسی انسان کو) سو لائق لحاظ نہیں۔ کیونکہ انکے متعلق کوئی حکم وخطاب الٰہی وارد نہیں۔ پھر وہ لغزش اس سے خالی نہ ہوگی کہ [illegible] ہے (فعل لائق اقتدا نہیں ہے) اسکے ساتھ ہو یہ بیان یا تو خود فاعل لغزش سے ہوگا۔ جیسے حضرت موسے نے جبکہ اُنہوں نے قبطی کو مکا مارا اور اوس سے وہ مرگیا اپنے اس فعل لغزش کی نسبت خود کہدیا تھا۔ کہ یہ شیطان کا کام ہے۔ اور یا وہ بیان خدا تعالے کی طرف سے ہو۔ جیساکہ خدا تعالے نے فعل لغزش آدم کی نسبت فرمادیا کہ آدم سے عدول حکمی ہوئی اور وہ بھٹک گیا۔ اس فعل آدم کی نسبت یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ نبوت سے پہلے تھا۔ کیونکہ اس فعل کے بعد خدا تعالے نے انکو منصب اصطفا

فی شرح العقائد ان الانبیاء معصومون
عن الکذب خصوصاً فیما یتعلق
بامر الشرع وتبلیغ الاحکام وارشاد
الامة۔ اما عمداً فبالاجماع واما
سهواً فعند الاکثرین وفی عصمتهم
عن سائر الذنوب تفصیل۔ وهو
انهم معصومون عن الکفر قبل
الوحی و بعده بالاجماع وکذا
عن تعمد الکبائر عند الجمهور خلافاً
للحشویة واما سهواً فجوزه الاکثرون
واما الصغائر فیجوز عمداً عند
الجمهور خلافاً للجبائی واتباعه و
یجوز سهواً بالاتفاق الا ما یدل علی
الخسة کسرقة لقمة وتطفیف
حبة لکن المحققین اشترطوا
ان ینبهوا علیه فینتهوا عنه
هذا کله بعد الوحی واما قبله
فلا دلیل علی امتناع صدور
الکبیرة خلافاً للمعتزلة ومنع
الشیعة صدور الصغیرة و
الکبیرة قبل الوحی و بعده لکنهم

دچن لینے) کا عطا کرنا بیان فرمایا ہے۔ اور
جبکہ لغزش کا فعل بیان سے خالی نہ ہوا۔ تو
کسی پر یہ شبہ باقی نہیں رہتا کہ وہ فعل لائق
اقتدار نہیں ہے۔ اسصورت میں لائق اعتبار
وہی تینوں پہلے فعل ہے۔ ایسا ہی شمس الائمۃ
نے ذکر کیا ہے۔ اور شرح عقائد میں ہے۔ کہ
انبیاء جھوٹ سے اور خاصکر جو امر شرع اور تبلیغ
احکام اور ارشاد اُمت کے متعلق ہو حالت قصد
میں باتفاق کل معصوم ہیں۔ اور حالت سہو میں
باتفاق اکثر اور باقی گناہوں سے اُن کی عصمت
میں یہ تفصیل ہے کہ وہ کفر سے اور عمداً کبیرہ گناہ
کرنے سے قبل نبوت و بعد ازاں معصوم ہوتے ہیں
اسمیں صرف حشویہ کو خلاف ہے۔ رہے صغائر
سو عمداً اسرزد ہونے۔ جمہور کے نزدیک جائز ہیں
اسمیں جبائی کو خلاف ہے۔ اور سہواً سرزد
ہونے اتفاق سے جائز ہیں۔ مگر ایسے صغیرہ جنسے
خست ثابت ہو جیسے ایک لقمہ کی چوری یا ایک
دانہ کی کمی۔ لاکن محققین شرط کرتے ہیں۔ کہ اس
سہو پر وہ آگاہ کیئے جاویں تاکہ وہ آئندہ اس فعل
سے رُک جاویں۔ یہ سب اختلاف اقوال اُن
گناہونکی نسبت بھی جو نبوت کے بعد سرزد ہوں

اور جو گناہ قبل نبوت سرزد ہوں اون کے صدور کے محال ہونے پر کوئی دلیل نہیں۔	جوز و اظہار الکفر تقیۃ (شرح فقہ اکبر صفحہ ۸۴ طبع دہلی)

اسمیں معتزلہ کو خلاف ہے۔ اور شیعہ نبوت سے پہلے اور پیچھے دونو وقت صدور گناہ کو صغیرہ ہو خواہ کبیرہ تجویز نہیں کرتے لیکن وہ اس امر کو جائز رکھتے ہیں کہ وہ بطور تقیہ اظہار کفر کریں"

ان مذاہب مذکورہ بالا سے ہمارا مذہب مختار بتاسی و پیروی اپنے اسلاف اہل سنت وجماعت یہہ ہے کہ حضرت انبیاء علیہم السلام قدرتی و فطرتی طور پر مکارم اخلاق پر مخلوق و مجبول ہوتے ہیں۔ اور فطرۃً ہی رزائل و فواحش و قبائح سے بری ہوتے ہیں اگر وہ ایسے نہ ہوتے تو اس منصب رسالت سے کیونکر معزز و مامور کئے جاتے۔ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ۔ کلاہ خسروی و بادشاہی ؛ بہر کل کے رسد حاشا و کلّا مگر نبوت سے پہلے انکا مکارم اخلاق کو عمل میں لانا یا بمقتضائے بشریت بھولے چوکے کسی [illegible] کا [illegible] ہو جانا [illegible] نہیں ہے۔ ان فطرتی [illegible]یوں سے وہ اصطلاحاً معصوم نہیں کہلا سکتے۔ اور نہ کسی غلطی یا برائی سے وہ شرعاً ماثوم (گنہگار) کہلا سکتے ہیں۔ کیونکہ حقیقت عصمت میں (جو اوپر بصفحہ ۵ وغیرہ بیان ہوئی ہے) یہہ امر داخل ہے کہ وہ امر و نہی کی ہدائت و موافقت سے اور وحی الٰہی کی مدد و حمایت سے ہوتی ہے اور گناہ کی حقیقت بھی یہ مسلم کل* ہے۔ کہ وہ امر و نہی کے عمداً اخلاف کرنے کا نام ہے۔

اور جس حالت میں نبوت سے پہلے امر و نہی وحی کا وجود ہی نہیں ہوتا تو امر و نہی کی موافقت یا مخالفت یا وحی کی مدد و حمایت کیونکر متصور ہے۔ اور فطرتی و عادی افعال میں کوئی شخص معصوم یا ماثوم کیونکر کہلا سکتا ہے۔ وہ لوگ سخت غلطی کرتے ہیں جو افعال و عادات نبوت سے پہلے کی نظر سے انبیاء کو اصطلاحاً معصوم یا ماثوم بتاتے ہیں ہاں خصائل و اخلاق بعد نبوت محل بحث و لائق لحاظ ہیں۔ سو انکی نظر سے بیشک و بلا ریب

* پولوس کا قول ہے جہاں شریعت نہیں وہاں گناہ نہیں (رومی باب ۴ آیت ۱۵)

حضرات انبیاء معصوم ہیں۔ نہ اُنکے اعتقاد میں کفر و شرک وغیرہ گمراہی پائی جاتی ہے نہ تبلیغ وحی میں وہ عمداً التصرف یا خطا کرتے ہیں۔ نہ فتوے و حکم میں وہ حکم الٰہی کا خلاف کرتے ہیں نہ اپنے افعال وہ عمداً امر موجب گناہ ہوتے ہیں۔ اُنسے کچھ خطا یا غلطی ہو جائے تو وہ اُسپر فوراً آگاہ کئے جاتے ہیں۔ اسی تفصیل کا وہ اجمال ہے جو خاکسار نے اپنے خط ۱۰ جنوری سنہ ۱۸۹۶ء میں کہا ہے۔ اور وہ کشف نمبر ۷ جلد ۲ میں بصفحہ ۱۰۶ مندرج ہو لہے "میں انبیاء و ملائکہ کو عام مسلمانوں کے اعتقاد کے موافق معصوم مانتا ہوں۔ مگر اس معنے کو جو آپ کی مراد ہے۔ بلکہ ان معنے سے کہ وہ عمداً عصیان سے پاک رہتے ہیں۔ اور تبلیغ میں خطا نہیں کرتے۔ اور اگر اُن سے کچھ خطا ہو جائے تو اُسپر وہ فوراً متنبہ کئے جاتے ہیں۔ اور اس میں متبوع غیر نہیں بنائے جاتے"۔ جسکو مسٹر اکبر مسیح نے بخوبی نہیں سمجھا اور ہمارے لفظ "اُنسے کچھ خطا" کو "ایسی کچھ خطا" قرار دیکر خطا کو متعلق تبلیغ کر دیا۔ اور تبلیغ متعلق خطا کو انبیاء و ملائکہ دونوں سے شامل کیا اور پھر ہم پر اپنے خط ۲۹۔ فروری سنہ ۱۸۹۶ء مندرجہ کشف نمبر ۸ جلد ۲ صفحہ [illegible] میں یہ اعتراض کر دیا ہے کہ کیا ملائکہ سے بھی تبلیغ میں خطا ہوتی ہے؟ اور کہا ہے کہ یہ امر اس بیان کے مخالف ہے۔ جو تفسیر عزیزی میں ہے کہ "جمہور علماء دین اجماع دارند۔ بر آنکہ فرشتہ ہا از جمیع گناہان محفوظ و معصوم اند" اور کہا ہے کہ جمیع گناہان میں تو کوئی تفریق عمدی و سہوی و تبلیغ یا غیر تبلیغ کے نہیں ہو سکتی۔ اور پھر بڑے فخر سے کہا ہے کہ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ فرشتگان بھی کسی نہ کسی خطا میں مبتلا ہوتے ہیں۔ تو بھی میرا دعوے ثابت ہے کہ حضرت مسیح کی عصمت اس معنے میں جسکا میں مدعی ہوں قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔ اور اسمیں وہ بےمثل ہیں فرشتے بھی برابری نہیں کر سکتے"۔

مسٹر اکبر مسیح کا یہ اعتراض اس غلط فہمی یا غلط خوانی پر مبنی ہے کہ اُنہوں نے ہمارے لفظ "اُنسے" کو "ایسی" پڑھا یا سمجھا۔ اور خطا کو تبلیغ کے متعلق کر دیا۔ اور پھر اس تبلیغ متعلق

خطا کو فرشتوں اور انبیاء دونو کے متعلق کر دیا۔ اور غلطی در غلطی کا ارتکاب کیا۔

ہماری کلام مذکور کا (جو معنے عصمت کے متعلق منقول ہوا ہے) یہ مفہوم بلکہ منطوق ہے کہ انبیاء عمداً گناہ نہیں کرتے۔ اور تبلیغ وحی میں خطا نہیں کرتے۔ اور اون سے کچھ (یعنے انکے اقوال و افعال میں نہ تبلیغ وحی میں) خطا ہو جائے۔ تو وہ اُسپر فوراً آگاہ کئے جاتے ہیں۔ تاکہ لوگ اس خطا میں انکی پیروی نہ کریں۔ اسمیں نہ خطا کو متعلق تبلیغ کیا گیا ہے۔ اور نہ تبلیغ کو انبیاء اور ملائکہ دونوں سے متعلق کیا گیا ہے۔ بیشک ہم اس امر کے قائل ہیں کہ فرشتوں نے پیدائش و خلافت آدم کے باب میں جو کچھ جناب باری میں عرض کیا تھا۔ اسمیں اُن سے خطا ہوئی (جسکو ہم عنقریب قرآن سے ثابت کرینگے*) مگر اس امر کے قائل نہیں کہ اس قول کی وجہ سے فرشتہ گنہگار ہو گئے۔ یا وہ عرفاً معصوم کہلانیکے مستحق اور لایق نہ رہے۔ لہذا شاہ عبد العزیز کا قول یا کسی اور مسلمان کا اعتقاد دربابِ عصمت ملائکہ ہمارے قول و اعتقاد کے مخالف نہیں۔ مسٹر اکبر مسیح اسقدر موٹی اور کھلی بات نہ سمجھ سکے کہ ہمکو صرف اُن کے جویزی معنے عصمت کی تسلیم سے انکار ہے نہ حقیقت عصمت مسلمہ اہل اسلام سے اور نہ کسی بنی یا ملائکہ پر لفظ عصمت یا معصوم بولنے سے۔ پھر اُنہوں نے کیوں ناحق و بلا وجہ اِس قسم کے اقوال جنمیں انبیاء یا ملائکہ کے حق میں لفظ عصمت بولا گیا ہے نقل کر کے اپنے اوقات کا خون کیا۔ اور ہمارے اوقات کا اون کی جواب نویسی سے خون کرایا۔

ہمنے دو بار خط مورخہ ۱۵- جنوری ۱۸۹۶ء مندرجہ کشف نمبر ۷ جلد ۲- و خط مورخہ ۲۹- جنوری ۱۸۹۶ء مندرجہ کشف نمبر ۸ جلد ۲- اون کو دوستانہ اور ملائمانہ طور سے سمجھایا۔ کہ آپ نے جو آیات و احادیث و اقوال اہل سنّت نقل کئے ہیں۔ وہ میرے عقیدہ کے موافق اور آپ دعوے کے موافق و مثبت نہیں آپ کو انکو واپس لے لیں اور اپنے

* صفحہ ۱۵۵ نمبر (۵) جلد ہذا ملاحظہ ہو۔

دعوے کا کوئی ثبوت پیش کریں۔ مگر انہوں نے اوسکو عجز یا گریز پر محمول کیا۔ ناچار ہم کو انکی تفصیل جواب میں بھی قلم اٹھانا پڑا۔ امید ہے ہمارے اس مضمون کو پڑھ کر وہ سمجھ جائیں گے کہ انہوں نے جو کچھ ہمارے خطاب میں اور اپنے دعوے کے ثبوت میں لکھا تھا وہ سب کا سب غلط فہمی و ناواقفی پر مبنی اور واپس لینے کے لایق تھا۔

مسٹر اکبر مسیح کے رسائل تنقیح الوہیت مسیح وغیرہ ہمنے دیکھے تو وہ ہمکو پسند ہوئے اور ہمنے اُن پر اُن الفاظ سے "ریویو" کیا کہ "مسٹر اکبر مسیح نے انمیں لیاقت وقابلیت وتحقیق وحق پسندی کا کافی ثبوت دیا ہے"۔ اسکے بعد جب ثبوت عصمت خود تجویزی مسیح میں انہوں نے خط ۷ - جنوری ۱۸۹۶ء مندرجہ کشف نمبر ۵ و ۷ جلد ۲ میں اظہار معلومات وخیالات کیا تو ہمکو یقین ہوا کہ انکا وہ جوش وخروش وطمطراق تثلیثی عیسائیوں ہی کے مقابلہ میں تھا۔ اور انکی فہم ولیاقت کا مبلغ ومنتہی عیسائی مذہب ہی ہے۔ اسلام کے غوامض و دقایق تک انکو وصول نہیں ہے۔

ہمارے [illegible] مذاہب کا ابطال کرتے ہیں اور ان کے اولہ کو نقل کرکے انکے جوابات قلم میں لاتے ہیں۔ اسی سے بحکم تتبین الاشیاء باضدادھا مذہب مختار کا حق ولایق قبول ہونا ثابت ہو جائے گا ومعہذا اسکے ثبوت میں جداگانہ دلایل کو بھی پیش کیا جائیگا۔ وباللہ التوفیق

پس واضح ہو کہ جو لوگ حضرات انبیاء کا **اعتقاد میں** گنہگار و مرتکب کفر وشرک ہونا جایز رکھتے ہیں۔ وہ اپنے اس دعوے پر **ایک دلیل** وہ آیت قرآن پیش کرتے ہیں

هُوَ الَّذِی خَلَقَکُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِیَسْکُنَ اِلَیْهَا فَلَمَّا تَغَشّٰهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِیْفًا فَمَرَّتْ بِهٖ فَلَمَّا اَثْقَلَتْ

جسمیں بیان ہے کہ خدا نے تمکو ایک جان سے پیدا کیا ہے پھر اوس کی جنس سے اُسکا جوڑا بنایا جب وہ حاملہ ہوئی تو دونوں نے کہا ہم کو خدا نے چنگا بھلا بچہ عطا کیا تو ہم شکرگذار

دعوا اللہ ربہما لئن اٰتیتنا
صالحاً لنکونن من الشاکرین
فلما اٰتاہما صالحاً جعلا لہٗ
شرکاء فیما اٰتاہما فتعالی اللہ
عما یشرکون

ہونگے۔ اور جب انکو چنگا بھلا بچہ عطا کیا۔ تو
اُنہوں نے شرک کیا۔ یعنے نام اُسکا عبدالحارث
رکھا (یعنے شیطان کا بندہ۔ کیونکہ حارث
شیطان کا نام ہے۔)

اسکا جواب امام رازی نے تفسیر کبیر جلد
اول کے صفحہ ۴۶۱ میں دیا ہے۔ کہ اس آیت کا حضرت آدم کے حق میں ہونا غیر مسلم ہے
اور اس آیت میں کوئی دلیل اسپر پائی نہیں جاتی۔ کہ اس سے آدم علیہ السلام مراد ہیں۔
پھر جلد ۴ میں بصفحہ ۴۸۸ چھ دلایل اسکے برخلاف پیش کئے ہیں۔ اور اُنہوں نے ثابت کر دیا ہے
کہ یہ آیت حضرت آدم کے متعلق ہرگز نہیں ہوسکتی۔ پھر اس آیت کے تین معنے اور بیان کئے
ہیں۔ ازانجملہ ایک معنے یہ ہیں کہ اس آیت سے قریش آل قصی اور انکی اولاد مراد ہیں۔ ایک

والتاویل الثانی بان یکون الخطاب
لقریش الذین کانوا فی عہد رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہم
آل قصی۔ والمراد من قولہ ہو الذی
خلقکم من نفس واحدۃ قصی و
جعل من جنسہا زوجہا عربیۃ
قرشیۃ لیسکن الیہا فلما اٰتاہما
ما طلبا من الولد الصالح السوی
جعلا لہ شرکاء فیما اٰتاہما
حیث سمیا اولادہما الاربعۃ
عبد مناف وعبد العزی و

جان ہے جس سے قریش پیدا ہوئے۔ قصی

مراد ہے اور [illegible] جو اوسکی جنس
قریش سے پیدا ہوا۔ اُسکی عورت مراد ہے اور
اونکی اولاد صالحہ پیدا ہونے پر شرک کرنیسے
یہ مراد ہے۔ کہ اُنہوں نے اپنی چاروں اولاد کے
نام یہ رکھے۔ عبد مناف۔ عبد العزے۔ عبد قصی
عبد اللات۔ پھر اونکی اولاد نے اس فعل میں
انکی پیروی کی۔ تو ان سب کی نظر سے یُشرِکون
کا لفظ جو جمع کا صیغہ ہے بولا گیا۔ اس سے
آدم حوا مراد ہوتے تو یہ لفظ یُشرِکون نہ بولا جاتا
اور اگر کوئی عیسائی یا نادان مسلمان

عبد قصی وعبد اللات وجعل الضمیر فی یشرکون لهما ولا عقابه الذین اقتدوا بهما فی الشرك (تفسیر کبیر صـ ۴۱۹ جلد ۴ م)

یہ اعتراض کرے۔ کہ پہلے معنے دجو اعتراض کے ضمن میں مذکور ہیں بھی اسلامی تفسیروں میں بیان کئے گئے ہیں۔ اور روایات حدیثیہ اسپر شاہد ہیں جنکو بعض نے حسن اور بعض نے صحیح کہا ہے۔ تو اوسکا جواب یہ ہے کہ روایات حدیثیہ میں حضرت آدم کا ذکر نہیں ہے۔ صرف یہ ذکر ہے کہ حضرت حوا کے پاس شیطان کا آیا اور اُنکو ڈرایا ہے۔ کہ تیرے پیٹ میں خدا جانے کیا ہے۔ تجھے صحیح سالم بچہ پیدا ہوا۔ اور وہ زندہ رہا تو اُسکا نام عبد الحارث رکھیو۔ اور اُسے حوا نے ایسا کیا۔ حضرت آدم کا اس فعل میں شریک ہونا اُن روایات حدیثیہ میں مذکور نہیں۔ ان روایات حدیثیہ کے ماننے والے مفسروں کو پھر یہ شبہ پیش آیا۔ کہ اس صورت میں پھر قرآن مجید میں جعلا له شرکاء فیما اتاهما میں صیغہ تثنیہ کیوں

وفیه رای [illegible] علی ان الجاعل شرکاء فیما اتاهما هو حواء دون آدم وقوله جعلا له شرکاء بصیغة التثنیة لا ینافی ذلك لانه قد یسند فعل الواحد الی اثنین بل الی جماعة وهو شائع فی کلام العرب وفی الکتاب العزیز من ذلك الکثیر الطیب قال تعالیٰ فَتَلَقّٰٓی اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ ثم قال فی هذه السورة قالا ربنا ظلمنا انفسنا

[illegible] کہ ان دونوں نے خدا کے لئے شریک مقرر کیا۔ تو اوسکا جواب اُنہوں نے یہ دیا۔ کہ خدا تعالےٰ نے ایسا فرمانا اس محاورہ عرب عربا کے مطابق ہے۔ کہ وہ ایک کے فعل کو دو شخصوں بلکہ کئی اشخاص کی طرف جو آپس میں میل جول و قرب و اتصال رکھتے ہوں منسوب کر دیا کرتے ہیں۔ اس کے نظائر قرآن میں بہت ہیں۔ ازانجملہ یہ قول خداوندی ہے۔ کہ ان دونوں آدم و حوا ہے نے ربنا ظلمنا کہا۔ حالانکہ اس سے پہلے صرف آدم کا ان کلمات کو سیکھنا بیان ہوا ہے۔ د

وقال لاجناح علیهما فیما افتدت
به والمراد به الزوج فقط قاله
الفراء وانما ذکرها لاقترانهما
وقال نسیا حوتهما وانّما
الناسی یوشع دون موسی
وقال یخرج منهما اللؤلؤ والمرجان
وانّما یخرج من احدهما وهو
المالح - وقال یا معشر الجن
والانس الم یاتکم رسل منکم
وانما الرسل من الانس دون
الجن [illegible]
فی الخطاب صح هذا الترکیب
وقال تعالی القیا فی جهنم - و
الخطاب لواحد دون اثنین
وفی الحدیث المرفوع اذا سافرتما
فاذنا واقیما والمراد احدهما
وقال امرء القیس ؎
قفا نبک من ذکری حبیب و منزل ؞
وقد اکثر الشعراء من قولهم خلیلی
والمراد بها الواحد دون اثنین -
(فتح البیان صفحہ ۱۲۹ جلد ۳)

وازانجملہ یہ قول خدا کہ ان دونو (شوہر وزوجہ)
پر گناہ نہیں جو عورت اپنی طلاق کے بدلے
دے - حالانکہ مراد صرف شوہر ہے - کہ اگر وہ بدل
طلاق عورت سے لے لے تو گنہگار نہ ہوگا - یہ
بات فراء نحوی امام نے کہی ہے - وازانجملہ
یہ قول خدا کہ وہ دونو (یوشع و موسے) اپنی
مچھلی بھول گئے - حالانکہ بھولنے والا صرف یوشع
تھا - وازانجملہ یہ قول خدا کہ ان دونو دریائے
شور وفرات سے موتی اور مونگے نکلتے ہیں -
حالانکہ وہ صرف ایک دریائے شور سے نکلتے ہیں
[illegible] گروہ جن وانسان تم میں
سے رسول تمہارے پاس آئے - حالانکہ رسول صرف
انسانوں میں ہوئے ہیں - نہ جنوں سے - لیکن
اس خطاب میں انسان جنوں کے ساتھ شامل
ہوئے - تو یہ کہنا صحیح ہوگیا - وازانجملہ یہ قول
خدا تم دونو (اے ہانکنے والے اور گواہ فرشتو)
تم اس مجرم کو آگ میں ڈالو - حالانکہ اس قول
میں مخاطب ایک ہے نہ دو - اور صحیح حدیث میں
آنحضرت سے مروی ہے - کہ انہوں نے دو
مسافروں کو کہا کہ جب تم سفر کرو تو اذان دو اور تکبیر
کہو اور ہر دو نوں میں سے امام بنجاوے حالانکہ

دو نو میں سے اذان و تکبیر کہنے والا ایک ہوتا ہے۔ نہ دو نو۔ اور امر القیس شاعر جاہلی اپنے شعر میں ایک سے خطاب میں کہتا ہے۔ کہ دونوں کھڑے ہو جاؤ۔ ہم اپنے دوست اور اسکی جگہ کے ذکر سے روئیں۔ اور شاعر بہت جگہ خلیلی (دو دوست) کا لفظ ایک کی جگہ بولتے ہیں۔"

الحاصل اس آیت میں حضرت آدم کے شرک کرنے کا ذکر نہیں ہے۔ اور جس حدیث میں یہ واقعہ آدم کے وقت کا بتایا جاتا ہے۔ اُسمیں بھی آدم کا نام نہیں۔ صرف حوا کے فعل کا بیان ہے۔ لہذا یہ آیت اسپر دلیل نہیں ہو سکتی۔ کہ حضرت آدم نے بیٹے کا نام عبد الحارث رکھا۔ اور شرک کیا۔ اور اس آیت کے ایسے عمدہ محمل بھی نکلتے اور صحیح معنے ہو سکتے ہیں جنسے حضرت آدم کا کوئی تعلق نہیں۔ ولہذا یہ آیت مخالفین کی دلیل نہیں ہو سکتی ہے۔

ایسی ہی وہ آیتیں ہیں جن سے مخالفین اپنے اعتقاد باطل پر استدلال کرتے ہیں اور درحقیقت انکے اعتقاد باطل کے وہ دلائل نہیں ہو سکتے ہیں جو دیکھنے چاہے تفسیر کبیر ملاحظہ کرے۔

تبلیغ میں انبیاء کی خطا تجویز کرنے والے اس آیت سے استدلال کرتے ہیں۔

> وما ارسلنا من قبلك من رسول ولا نبی الا اذا تمنی القی الشیطان فی امنیتہ فینسخ اللہ ما یلقی الشیطان ثم یحکم اللہ ایاتہ واللہ علیم حکیم (الحج - ع - ۷)

جسکے وہ یہ معنے کرتے ہیں۔ کہ ہم نے تجھسے پہلے کوئی رسول و نبی نہیں بھیجا۔ مگر جب اُسنے کچھ پڑہا۔ تو شیطان نے اُسکے پڑہنے میں کچھ ملا دیا۔ پھر خدا نے شیطان کی ملائی ہوئی بات کو مٹا دیا۔ اور اپنی آیات کو (جو نبی پر اُتاریں) محکم کر دیا۔ اللہ جاننے والی حکمت والا ہے۔ اور وہ کہتے ہیں کہ آنحضرت نے ایک دفعہ سورہ نجم پڑہی جب آپ لات و عزیٰ کے ذکر پر پہنچے تو شیطان نے اُسمیں یہ

فقرہ ملا دیا ۔ تلک الغرانیق العلیٰ و ان شفاعتھن لترتجی ۔ یعنے یہ بت بلند پرواز آبی جانور ہیں ان کی شفاعت کی امید ہے ۔ مشرکین نے جو سامعین و حاضرین مجلس تھے یہ سُنا تو خوش ہوگئے ۔ اور سجدہ میں گر گئے ۔ اور بولے کہ بس اب ہماری اور محمدؐ کی صلح ہے ہم بھی بتوں کو شفیع ہی سمجھتے ہیں ۔ جسکو محمدؐ نے مان لیا ہے ۔ نہ خالق و رازق زندہ کرنیوالے مارنے والے کہ وہ بجز خدا کوئی نہیں ہے ۔ جب آنحضرت کو اس امر پر اطلاع ہوئی تو آپ کو بڑا رنج ہوا اسپر یہ آیت نازل ہوئی ۔ اور خدا تعالےٰ نے آنحضرت کو تسلی دی ۔ کہ یہ معاملہ شیطان کا صرف تمہارے ہی ساتھ نہیں ہوا ۔ پہلے نبیوں سے بھی ایسا ہی ہوتا آیا ہے

اسکا جواب یہ ہے کہ اس آیت کے اگر یہی معنے اور یہی تفسیر صحیح ہے ۔ تو یہ آیت حضرت انبیاء کے عصمت کی دلیل ہے ۔ نہ نفی عصمت کی ۔ اسمیں صاف یہ بیان ہے کہ نبی کے پڑہنے کے وقت شیطان کچھ ملا دیتا ہے ۔ نہ یہ کہ نبی اوس میں از خود عمداً التصرف کرتا ہے ۔ اس سے غلطی یا خطا کا [illegible] صاف بیان ہے کہ جو کچھ شیطان ملا دیتا ۔ اوسکو خدا تعالےٰ مٹا دیتا ہے ۔ یعنے اُسپر نبی کو آگاہ کر دیتا ہے کہ یہ قول شیطان نے ملا دیا ہے ۔ اور اپنی نازل کی ہوئی آیات کو محکم و محفوظ کر دیتا ہے ۔ نہ یہ کہ جو شیطان ملا دیتا ہے وہ اُس میں ملا رہتا ہے ۔ اور کلام خدا مشتبہ و ملتبس ہو جاتا ہے ۔ امام المتکلمین صاحب تفسیر کبیر نے اس معنے اور اس تفسیر آیت کو جو مخالفین نے بیان کی ہر سات دلایل نقلی قرانی اور پانچ دلایل عقلی سے باطل و بے اعتبار ٹھرایا ہے ۔ اور جو قصہ آنحضرت کے متعلق اس میں بیان کیا گیا ہے ۔ اُسکی نسبت امام الائمۃ ابن خزیمہ محدث سے نقل کیا ہے ۔ کہ یہ قصہ زندیقوں (چھپے مرتدوں) کی بناوٹ ہے ۔ اور اس باب میں ایک کتاب مستقل تصنیف کی ۔ اور امام بیہقی سے نقل کیا ہے ۔ کہ اُنہوں نے کہا کہ ۔ یہ قصہ ثابت نہیں ہے

روی عن محمد اسحٰق ابن خزیمہ انہ سئل عن ھذہ القصۃ فقال ھذا من وضع الزنادقۃ

وقد صنف فیہ کتابا۔ وقال الامام ابوبکر احمد بن الحسین البیہقی ہذہ القصۃ غیر ثابتۃ ثم اخذ یتکلم فی ان رواۃ ہذہ القصۃ مطعون فیہم وایضاً فقد روی البخاری فی صحیحہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قرأ سورۃ النجم وسجد فیہا المسلمون والمشرکون والانس والجن ولیس فیہ حدیث الغرانیق روی ہذا الحدیث من طرق ولیس فیہا البتۃ حدیث الغرانیق (تفسیر کبیر صہ ۲۴۵ جلد ۶)

پھر اسکے راویوں میں جرح کیا۔ اور اُن کو مطعون قرار دیا۔ پھر امام رازی نے کہا کہ صحیح بخاری میں یہ حدیث کہ آنحضرت نے سورہ نجم پڑہی۔ اور اس میں مسلمانوں اور مشرکوں نے سجدہ کیا۔ مروی ہے۔ مگر اسمیں اس حدیث غرانیق کا ذکر نہیں ہے اور طریقوں سے بھی یہ حدیث مروی ہے اُنمیں بھی اس واہی حدیث کا ذکر نہیں ہے امام رازی کے اس بیان سے اور محدثین مفسرین نے بھی اتفاق کیا ہے اور اس واہی قصّہ کو رد کیا ہے۔ اور اس تفسیر و معنے کو [illegible] اس بیان [illegible] باطل قرار دیا ہے

پھر امام رازی نے اس آیت کے صحیح معنے کے بیان میں کہا ہے۔ کہ اگر تمنّٰی کے معنے قرأت کے لئے جاویں تو اس آیت سے یہ مراد ہے کہ جب کسی رسول و نبی نے

فالحاصل من ہذا البحث ان الامنیۃ اما القرأۃ واما الخاطر اما اذا فسرناہا بالقرأۃ ففیہ قولان الاول انہ تعالی اراد بذلک ما یجوز ان یسہو الرسول صلی اللہ علیہ وسلم ویشتبہ علی القاری (تفسیر کبیر صہ ۳۴۶ جلد ۶۔)

قرآن پڑہا ہے تو اوس میں اوسکو سہو ہوگیا۔ اور تشابہ لگ گیا۔ جیسا کہ ہر ایک قرآن پڑہنے والے کو تشابہ آیات کی سبب اشتباہ ہو جاتا ہے۔ پھر اسکے مخالف معنے قرأت کو (جو مخالفین بیان کرتے ہیں) بیان کیا۔ اور اسکا ابطال کیا۔ پھر کہا کہ اگر ہم تمنّٰی کے معنے خطرہ و خیال کے لیں تو

واما اذا فسرناها بالخاطر و
تمنے القلب فالمعنے ان النبی متی
تمنے بعض ما یتمناه من الامور
وسوس الیه الشیطان بالباطل
ویدعوه الی ماینبغی ثم ان الله
تعالی ینسخ ذلک ویبطله ویهدیه
الی ترک الالتفات الی الوسوسة
الی ان فسرها بوجوه اربعة
وقال رابعها معنے الآیة اذا تمنے
اراد فعلا متقربا الی الله تعالی
القی الشیطان فی فکره ما یخالفه
فیرجع الی الله [illegible]
کقوله ان الذین اتقوا اذا مسهم
طائف من الشیطان تذکروا
فاذا هم مبصرون وکقوله
واما ینزغنک من الشیطان
نزغ فاستعذ بالله ومن الناس
من قال لا یجوز حمل الامنیة
علی تمنی القلب لانه لو کان
کذلک لم یکن ما یخطر بال
رسول الله صلی الله علیه وسلم

تو اس آیت کے معنے یہ ہو سکتے ہیں۔ کہ جب
نبی بعض امور کی خواہش کرتا ہے تو شیطان
اوسمیں وسوسہ ڈالتا ہے۔ اور اوس خواہش
کو ناجائز امور کی طرف لے جانا چاہتا ہے۔ مگر
خدا تعالے اس وسوسہ شیطان کو باطل کرتا ہے
اور نبی کو امر صواب کی ہدائت فرماتا ہے۔
پھر امام رازی نے اس خطرہ و خیال کی چار
صورتیں بیان کیں۔ چہارم یہ کہ آئت کے یہ
معنے کئے جاوین کہ جب نبی کسی فعل کو خدا کا قرب
حاصل کرنے کے لئے کرنا چاہتا ہے۔ تو اسمین
اسکے خیال میں اسکے برخلاف وسوسہ ڈالتا
ہے [illegible] اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے۔
اس معنے کر اس آئت کی نظیر وہ قول خداوندی
ہے کہ متقیون کو جب وسوسہ شیطان عارض
ہوتا ہے تو وہ خدا کو یاد کر کے ہوشیار ہوجاتے
ہیں۔ دوسری نظیر وہ قول خداوندی کہ اگر
تجھے شیطان چوکے (یعنے وسوسہ ڈالے)
تو تو خدا کی پناہ میں آجا۔ بعض لوگوں کا
اعتراض ہے کہ اگر اس آئت میں تمنے سے
وسوسہ مراد ہو تو چاہئیے کہ وہ کسی دوسرے
کے گمراہ ہونے کا موجب نہ ہو۔ حالانکہ اس

فتنة للكفار وذلك يبطله قوله تعالى ليجعل ما يلقى الشيطٰن فتنة للذين فى قلوبهم مرض والقاسية قلوبهم والجواب لا يبعد انه اذا قوى التمنى اشتغل الخاطر به فيحصل السهو فى الافعال الظاهرة بسببه فيصير ذلك فتنة للكفار (تفسير كبير جلد ۶ صفحہ ۲۴۹)

تمنے کو اس آیت میں دلوں کے بیمار اور سخت دلونکے لئے گمراہی کا موجب قرار دیا ہے۔ اسکا جواب یہ ہے۔ کہ وسوسہ قوی ہو اور دل اوس سے مشغول ہو جائے تو اسکے سبب ظاہری افعال میں سہو واقع ہو جاتا ہے۔ اور وہ دوسرے کے لئے موجب گمراہی ہو جاتا ہے۔

بالجملہ اس آیت سے (خواہ اسکے کوئی معنے مراد سمجھو) نبیوں کی عصمت ثابت ہوتی ہے نہ عصمت کی نفی و خلاف۔

اس آیت کے علاوہ دو آیتیں اور ہیں جنسے مخالفین اپنے اعتقاد باطل پر استدلال کرتے ہیں۔ مگر [illegible] ملاحظہ کا شائق تفسیر کبیر جلد اول صفحہ ۲۶۱ کو دیکھے۔

حکم اور فتوے میں نبیونکی عصمت کے منکرونکی دلیل وہ آیت قرآن ہے جسمیں

وما كان لنبى ان يكون له اسرٰى حتى يثخن فى الارض۔ اتريدون عرض الدنيا والله يريد الاخرة والله عزيز حكيم۔ لولا كتاب من الله سبق لمسكم فيما اخذتم عذاب اليم۔ فكلوا مما غنمتم حلالا طيبا واتقوا الله ان الله غفور رحيم۔

یہ بیان ہے کہ۔ نبی کو لائق نہیں تھا کہ اسکے لئے قیدی ہوتے۔ جبتک کہ وہ زمین میں خوب خون ریزی مخالفین نہ کرلیتا۔ لوگو! تم دنیا کی متاع چاہتے ہو۔ اور اللہ تمہارے لئے آخرت چاہتا ہے۔ اللہ غالب ہے اور باحکمت اگر اللہ کیطرف سے یہ حکم لکھا نہ گیا ہوتا تو تمکو اس متاع دنیا لینے کے سبب دردناک عذاب پہنچتا۔ اب تم اس مال کو جو تمنے لوٹا ہے

سورۃ انفال رکوع ۹۔

ستھرا حلال سمجھکر کھاؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو اللہ بخشش کرنیوالا مہربان ہے۔

وہ لوگ اس آیت کی تفسیر یوں کرتے ہیں کہ بدر کی لڑائی میں قیدی پکڑے آئے تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فدیہ (بدلہ کا روپیہ) لے کر اُن کو چھوڑ دینے کا حکم دیا۔ جسپر آنحضرت کو یہ خطاب باعتاب کہ "تم دنیا چاہتے ہو۔ اور خدا تمہارے لئے آخرت چاہتا ہے"۔ ہوا۔ اور اس حکم پر عذاب بھی نازل ہونے لگا تھا۔ جو ایک درخت کے قریب پہنچا۔ اور پھر وہ اُٹھالیا گیا تھا۔ اس عذاب سے بچتے تو صرف حضرت عمرؓ بچتے جو اس تجویز کے مخالف تھے۔

یہ عذاب آنا اس امر کی دلیل ہے کہ یہ گناہ کبیرہ ہوا نہ محض خطا یا ترک اولے۔ اسکا جواب یہ ہے۔ کہ منکرین عصمت انبیاء کا یہ کہنا کہ اس حکم کے سبب آنحضرت کو وہ خطاب باعتاب ہوا۔ اور اس حکم پر عذاب نازل ہونے لگا تھا۔ محض غلط ہے وہ خطاب صرف [illegible] دشمنوں کی قتل سے ہاتھ اوٹھا کر بغرض دنیا انکے قیدی بنانے کے فکر میں پڑ گئے تھے۔ اور اُن ہی اصحاب کے لئے وہ عذاب نازل ہونے لگا تھا۔

اس خطاب میں نہ آنحضرت داخل ہیں نہ آپکے وہ مخلص اکابر اصحاب جنہوں نے قیدی پکڑے جانے کے بعد یہ تجویز نکالی تھی یا پسند کی تھی۔ کہ اگر انسے روپیہ لے کر اُن کو چھوڑ دیا جائے گا تو امید ہے کہ خدا تعالے اُنکو ہدایت یاب اور مشرف باسلام کر دیگا۔ اور وہ روپیہ ہمکو دین میں اور آئندہ کافروں کے مقابلہ میں مدد دیگا۔ جن اکابر صحابہ نے اس خیال اور اس نیت سے جو سراسر دین ہے قیدیوں کو روپیہ لے کر چھوڑنے کی تجویز بتائی۔ اور جس رسول نے اس تجویز کو پسند کیا انکے حق میں کیونکر یہ خطاب کہ تم دنیا چاہتے ہو ہو سکتا ہے۔ اور انکی اس تجویز و فعل پر نزول عذاب کیونکر متصور ہے۔

یہ خطاب اور یہ نزول عذاب صاف یقین دلاتا ہے۔ کہ اُسکے مخاطب و موردوہی

بعض اصحاب تھے جنکی نیت میں دنیا طلبی تھی۔ ہاں اسمیں شک نہیں کہ اکابر صحابہ کا اس دینی نیت سے قتل کفار پر انکے چھوڑ دینے کو ترجیح دینا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس نیت سے اس تجویز کو پسند کرنا خدا تعالے کے حضور میں امر افضل اور زیادہ پسندیدہ نہ ہوا اور اسی نظر سے آنحضرت کو یہ خطاب ہوا کہ نبی کو ایسا کرنا لائق نہ تھا۔ بلکہ زیادہ تر لائق و پسندیدہ یہی امر تھا کہ وہ دشمن کفار کو تہ تیغ کرتے جس سے دوسرے دشمن ڈر اور دب جاتے اور آیندہ وہ مسلمانوں کو ایذا رسانی کی جرأت نہ کرتے۔

ولیکن چونکہ اللہ تعالے نے اظہار عدم فضیلت اس فعل کے ساتھ یہ بھی فرما دیا کہ تمہارا یہ فعل خلاف افضل ہمارے ایک حکم سابق النفاذ (حلت غنائم وفدیہ) کے مطابق ہوا ہے پس جو مال لے چکے ہو اسکو ستھرا حلال سمجھکر کھاؤ۔ خدا تمہارے اس ترک افضل کو معاف کرنے والا اور تمپر رحم کرنے والا ہے۔

تو اس سے صاف ثابت ہوا کہ یہ تجویز اور فعل بھی محض خطا اور خلاف رضائے الٰہی نہیں ہوا بلکہ فی الجملہ رضائے الٰہی کے (دوسرے درجہ پر ہی سہی) مطابق ہوا ہے۔ لہذا یہ آیت حکم و فتوے میں عصمت انبیاء کی دلیل ہوئی نہ دلیل عدم عصمت۔

اب ہم اپنے اس بیان کی تائید میں کہ "جن اکابر صحابہ نے اس تجویز کو پیش کیا تھا۔ محض دینی نیت سے کیا تھا۔ نہ دنیا طلبی سے اور اسیکو آنحضرت نے قبول کیا۔ لہذا وہ خطاب و عتاب انکے لئے نہ تھا۔ بلکہ وہ ان بعض اصحاب کے لئے تھا جنہوں نے بغرض دنیا دشمنوں کے قتل سے ہاتھ اُٹھا کر انکو گرفتار کیا تھا" واقعات کی شہادت پیش کرتے ہیں۔

تفسیر معالم میں اس واقعہ کو یوں بیان کیا ہے۔ کہ جب بدر لڑائی ہوئی (جو ایک

عن عبد اللہ بن مسعود لما کان یوم بدر وجیٔ بالاسریٰ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما

دلفیصلہ لڑائی ہے) اور قیدی پکڑ کر لائے گئے تو آنحضرت نے انکے متعلق اپنے اصحاب سے مشورہ لیا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے کہا یا رسول اللہ

ماتقول فی ھؤلاء فقال ابوبکر
قومك واھلك استبقھم واستأن
بھم لعل اللہ ان یتوب علیھم و
خذ منھم فدیة یکون لنا قوة
علی الکفار وقال عمر رض یا رسول اللہ
کذبوك واخرجوك قدمھم
نضرب اعناقھم مکّن علیا من
عقیل فیضرب عنقہ ومکنی من فلان
نسیب لعمر فاضرب عنقہ فان ھؤلاء ائمة
الکفر وقال عبداللہ بن رواحة یا رسول اللہ
انظر وادیا کثیر الحطب فادخلھم فیہ
ثم اضرم علیھم نارا فقال لہ
العباس قطعت رحمك فسکت
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
لم یجبھم ثم دخل فقال ناس
یأخذ بقول ابی بکر وقال ناس
یأخذ بقول عمر وقال ناس یأخذ
بقول ابن رواحة خرج رسول
اللہ فقال ان اللہ لیلین قلوب
رجال حتی یکون الین من اللین
ویشدد قلوب رجال حتی یکون

یہ لوگ تیری قوم ہیں۔ تیرے اہل بیت ہیں
(ان میں ایک حضرت کے چچا عباس رض تھے جو اُس وقت
مقابلہ میں آئے تھے۔ دوسرے عقیل حضرت
علی کے بھائی۔ تیسرے ابوالعاص بن ربیع
آنحضرت کے داماد وعلی ہذا القیاس) ان کو
زندہ رہنے دے۔ اور اُنپر ترس کیا (ناظرین!
دیکھنا یہ قوم برادری وصلہ رحمی کا مشورہ ہے
جو عین دین ہے۔ یا دنیا طلبی کا) حضرت
عمرؓ بولے یا رسول اللہ انہوں نے آپ کو
جھٹلایا۔ وطن سے نکالا ان کو ہمارے آگے
کر دیجئے۔ ہم ان کی گردن ماریں۔ عقیل کو (اُسکے
بھائی) علی کے حوالہ کر کہ وہ اوس کی گردن
مارے۔ اور مجھے فلاں (اُنکا رشتہ دار)
سپرد کر کہ میں اوسکو ماروں۔ عبداللہ بن رواحہ
بولے۔ یا رسول اللہ ان سب کو ایک ایسے جنگل
میں جہاں بہت سا ایندھن ہو داخل کر اور
پھر اوس میں آگ لگا دے۔ اسپر عباس رض
بولے تو نے (اے عبداللہ) اس تجویز سے
قطع رحمی کی۔ آنحضرت خاموش رہے۔ اور
گھر میں تشریف لے گئے۔ لوگوں نے مختلف
خیال کئے کہ فلاں یا فلاں کے قول پر آپ

اشد من الحجارة۔ وان مثلك يا
ابا بكر مثل ابراهيم قال فمن
تبعني فانه مني ومن عصاني
فانك غفور رحيم۔ ومثلك يا
ابا بكر مثل عيسى قال ان تعذبهم
فانهم عبادك وان تغفرلهم
فانك انت العزيز الحكيم۔ وان
مثلك يا عمر مثل نوح قال رب
لا تذر على الارض من الكفرين ديارا۔ و
مثلك مثل موسى قال ربنا اطمس
على اموالهم واشدد على قلوبهم
فلا يؤمنوا حتى يروا العذاب الاليم
ثم قال رسول الله صلى الله
عليه وسلم انتم اليوم عالة فلا
يفلتن منهم احد الا بفداء۔
(تفسیر معالم صـــ)

عمل کرینگے۔ آنحضرت گھر سے نکلے تو فرمایا
کہ اللہ تعالےٰ کسی کے دل کو دودھ سے زیادہ
نرم کرتا ہے کسی کے دل کو پتھر سے زیادہ
سخت کرتا ہے۔ تیسری نظیر اے ابوبکر (ایک
حضرت ابراہیم نبی ہیں جنہوں نے کہا تھا۔
خدایا جس نے میری پیروی کی وہ تو میرا ہی ہے
جس نے میری نافرمانی کی ہے۔ تو (اُسکے لیے)
غفور رحیم (بن جا) دوسرے حضرت عیسےٰ
نبی ہیں جنہوں نے کہا تھا خداوندا اگر تو
اُن کافروں مشرکوں کو عذاب کرے تو وہ
تیرے بندے۔ یعنے اختیار میں ہیں اور
اگر تو انکو بخش دے تو تو غالب باحکمت
ہے۔ اور تیسری نظیر اے عمر (ایک) نوح
نبی ہے جسنے کہا تھا۔ خدایا زمین پر ایک
کافر کو بھی چلتا پھرتا نہ چھوڑیو۔ دوسرے
موسےٰ جنہوں نے کہا تھا۔ خداوندا فرعون

والوں کے مال مٹا دے۔ اور اونکے دل سخت کردے۔ وہ ایمان نہ لائیں گے
جب تک عذاب دردناک نہ دیکھیں۔ پھر آنحضرت نے ابوبکر کی رائے کو پسند کیا۔
اور فرمایا کہ قیدیوں میں سے کوئی نہ چھوٹے جب تک اپنے بدلے روپیہ نہ دے
یا مارا جائے۔

امام رازی نے تفسیر کبیر میں منکرین عصمت کے اس اعتراض کہ "قرآن میں کفار کی

گردن مارنے کا حکم آیت فاضربوا فوق الاعناق واضربوا منھم کل بنان میں صاف آچکا تھا۔ قید کرنے سے اسکا خلاف ہوا جو گناہ ہے؟" کے جواب میں کہا ہے کہ اس حکم میں اصحاب مخاطب تھے۔ کیونکہ بالاتفاق آنحضرت بذات خود قتل کفار سے مامور نہ تھے۔ اس حکم میں صحابہ مخاطب ٹھہرے۔ تو جب انہوں نے قتل کو ترک کرکے کفار کو قیدی بنانے کی طرف توجہ کی تو یہ گناہ اُنسے سرزد ہوا۔ نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ روایت ہے کہ جب اصحاب نے کفار کو بھگا دیا اور بہت سے لوگوں کو اُن میں سے تہ تیغ کیا۔ اور کفار بھاگنے لگ گئے۔ تو اصحاب اُنکے پیچھے دوڑے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دور چھوڑ گئے اور ان لوگوں کو قیدی بنا لیا۔ آنحضرت صلعم کو اُن کے اس فعل سے اسیوقت اطلاع ہوئی جب وہ انکو قیدی بنا کر آنحضرت کے حضور میں لے آئے۔ آں حضرت نے کسی کو نہ خود قید کیا۔ نہ کسی کو قیدی بنانے کا حکم دیا۔ پس آں حضرت سے اعتراض دفع ہوا۔ اگر منکرین کہیں کہ ہاں یہ بیان واقعہ تو مسلم ہے۔ مگر جب قیدی آنحضرت کے حضور پہنچائے گئے تو پھر آنحضرت نے انکے قتل کا حکم کیوں نہ دیدیا تاکہ اس قول خداوندیکا۔ کہ اُن کی گردنیں

ان ھذا الخطاب انما کان مع الصحابۃ لاجماع المسلمین علی انہ علیہ السلام ما کان مامورًا ان یباشر قتل الکفار بنفسہ واذا کان ھذا الخطاب مختصًا بالصحابۃ فھم لما ترکوا القتل واقدموا علی الاسر کان الذنب صادرًا منھم لا من الرسول صلی اللہ علیہ وسلم و نقل ان الصحابۃ لما ھزموا الکفار وقتلوا منھم جمعا عظیما والکفار فروا ذھب الصحابۃ خلفھم و تباعدوا عن الرسول واسروا اولئک الاقوام ولم یعلم الرسول باقدامھم علی الاسر الا بعد جیئ الصحابۃ الی حضرتہ وھو علیہ السلام ما اسر وما امر بالاسر فزال السؤال۔ فان قالوا ھب ان

الامر كذلك لكنهم لما حملوا
الاسارى الى حضرته فلم لم يامر
بقتلهم امتثالا بقوله فاضربوا
فوق الاعناق قلنا ان قوله فاضربوا
تكليف مختص بحالة الحرب عند
اشتغال الكفار بالحرب فاما
بعد انقضاء الحرب فهذا التكليف
ما كان متناولا له والدليل القاطع
عليه انه عليه السلام استشار
الصحابة فى انه بماذا يعاملهم
ولو كان النص متناولا لتلك الحالة
لكان مع قيام النص تاركا الحكمه
وطالبا ذلك الحكم من مشاورة
الصحابة وذلك محال وايضا فقوله
فاضربوا فوق الاعناق امر والامر
لا يفيد الا المرة الواحدة وثبت
بالاجماع ان هذا المعنى كان واجبا
حال المحاربة فوجب ان يبقى
عديم الدلالة على ما وراء وقت
المحاربة - والجواب عما ذكروه
ثالثا وهو قولهم انه عليه الصلوٰة

ماروعمل ہو جاتا - تو اوسکے جواب میں ہم کہینگے
گردنیں مارنے کا حکم مذکور اسحالت میں ہی
کہ کفار لڑ رہے ہوں - نہ اسحالت میں کہ
لڑائی بند اور ختم ہو چکی ہو - اسپر قطعی دلیل یہ
ہے کہ اسحالت بندش کے وقت آنحضرت
نے قیدیوں کی بابت اصحاب سے مشورہ
لیا - کہ اون سے کیا سلوک کیا جاوے -
اگر اسوقت گردنیں مارنے کا حکم ہوتا تو آنحضرت
اس حکم کو چھوڑ کر انکی بابت اصحاب سے
کیوں مشورہ لیتے - اور نیز گردنیں مارنیکے
حکم کی تعمیل ایک دفعہ کی خونریزی سے جو
بوقت جنگ ہوئی تھی ہو چکی - اس حکم میں
یہ نہیں پایا جاتا کہ لڑائی کے ختم
ہو جانے کے بعد بھی گردنیں مارتے رہو - اور
منکرین کے اس اعتراض کہ فدیہ (بدلہ کا روپیہ)
لینا حرام تھا" کے جواب میں کہا ہے کہ یہ
امر لائق تسلیم نہیں اور آیت "یریدون عرض
الدنیا" سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ فدیہ
مطلقاً حرام ہے - اوّلاً اسلئے کہ وہ عذاب
جو انپر نازل ہونے لگا تھا وہ قتل چھوڑ کر
قید کی طرف متوجہ ہونے پر تھا - اس سے

والسلام حکم باخذ الفداء واخذ
الفداء محرم فنقول لا نسلم ان
اخذ الفداء محرم واما قوله تریدون
عرض الدنیا فنقول هذه الایة لا تدل
علی قولهم وبیانه من وجهین الاول
المراد من هذه الایة حصول العتاب
علی الاسر بغرض الفداء وذلك لا
یدل علی ان اخذ الفداء محرم
مطلقا - والثانی ان ابا بکر قال
الاولی ان ناخذ الفداء لنقوی
العسکر به علی الجهاد وذلك
یدل انهم طلبوا ذلك الفداء
للتقوی به علی الدین - وهذه الایة تدل
علی ذم من طلب الفداء لمحض غرض
الدنیا ولا تعلق لاحد البابین بالثانی
وهذا الجوابان بعینهما هما الجوابان
عن تمسکهم بقوله تعالی لولا کتب
من الله سبق لمسکم فیما اخذتم
فیه عذاب عظیم - والجواب عما
ذکروه - رابعا ان بکاء الرسول علیه
السلام یحتمل ان یکون لاجل ان

یہ ثابت نہیں ہوتا - کہ فدیہ جو موقوفی لڑائی
کے بعد قیدیوں سے لیا گیا تھا - لینا ہی
حرام تھا - ثانیاً اسلئے کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے
کہا تھا - کہ بہتر یہ ہے کہ ہم ان سے فدیہ
لے کر جہاد کفار پر جرءت و قوت پائیں
اس قول سے ثابت ہے کہ فدیہ لینا دین
کی قوت حاصل کرنے کے لئے تھا - اور
آئیت مذکورہ سے صرف اس فدیہ لینے
کی مذمت سمجھی جاتی ہے - جو بغرض دنیا ہو
اور ان دونوں کا آپس میں کوئی تعلق نہیں ہے
یہ ہر دو جواب جو اس آیت سے تمسک
منکرین کے جواب ہیں جسمیں بیان ہے
کہ تم پر فدیہ لینے کے سبب عذاب نازل
ہوتا (حاصل جواب یہ کہ قتل چھوڑ کر
فدیہ کے طالب ہونا - اور طلب فدیہ محض
دنیا کی غرض سے نہ دین کی نیت سے ہونا
سبب نزول عذاب ہوتا) اور منکرین
عصمت کے اس اعتراض کہ آنحضرت و
ابو بکر عذاب دیکھکر رونے لگے" کے جواب
میں کہا ہے کہ یہ رونا ان لوگوں پر عذاب
نازل ہونے کے خوف سے تھا - جو قتل

بعض الصحابة لما خالف امر الله
فی القتل واشتغل بالاسر
استوجب العذاب - والجواب
عما ذکروه خامسًا ان ذلك
العذاب انما نزل بسبب ان
اولئك الاقوام خالفوا امر الله
بالقتل واقدموا علی الاسر
حال ما وجب علیهم الاشتغال
بالقتل (تفسیر کبیر ص ۷۶ جلد ۴)

کو چھوڑ کر قیدی بنانے کی طرف متوجہ ہوگئے
تھے - وہی لوگ مستحق عذاب تھے نہ حضرت
ابوبکرؓ جنہوں نے فدیہ کی تجویز نکالی تھی - اور
نہ آنحضرت جنہوں نے تجویز قبول و پسند فرمائی
یہی جواب اس اعتراض منکرین کا جواب ہے
کہ اگر عذاب نازل ہوتا تو اس سے بجز عمرؓ و
کوئی نہ بچتا - جسکا حاصل یہ ہے کہ انہی لوگوں
کے سبب عذاب آنے لگا تھا - جنہوں نے
قتل چھوڑ کر بغرض دنیا قیدی بنانے کا
لالچ کیا - ان ہی میں سے کوئی نہ بچتا - مگر ایک حضرت عمرؓ جنہوں نے انکے فعل و منشأ
کے برخلاف عمل کیا اور اُسکا مشورہ دیا -

بالجملہ اس آیت سے آنحضرت کا حکم فدیہ میں گناہ کرنا یا خطاءِ محض کرنا ثابت نہیں
ہوتا - اس آیت سے جس فعل کی مذمت مفہوم ہوتی ہے وہ آنحضرت کا فعل نہیں ہے
بلکہ اور لوگوں کا فعل ہے -

ایسی ہی دو آیتیں اور منکرین عصمت پیش کرتے ہیں جنسے انبیاء کا حکم و فتوے
میں خطا کرنا بزعم خود ثابت کرتے ہیں - اور درحقیقت انسے انکا گناہ یا خطا ثابت
نہیں ہوتا - شائق ملاحظہ تفسیر کبیر جلد اوّل دیکھے -

افعال میں گناہ کرنے انبیاء کے ثبوت میں منکرین عصمت بہت
سے واقعات اور دلائل پیش کرتے ہیں - ازانجملہ ایک واقعہ حضرت
آدم علیہ السلام ہے کہ اُنہوں نے شجرۂ ممنوعہ سے کھالیا - اس فعل کے گناہ کبیرہ ہونے پر
وہ یہ دلائل پیش کرتے ہیں (۱) خداتعالیٰ نے اس فعل کے سبب حضرت آدم کو عاصی کہا

(۲) غاوی فرمایا۔ (۳) ان کی توبہ کا ذکر گیا جو گنہگار کرتا ہے۔ (۴) آدم ایک ایسے فعل کا مرتکب ہوا جس سے اوسکو منع کیا گیا تھا۔ (۵) اوسکو ظالم کہا گیا۔ (۶) اُسکو خاسر کہا گیا ہے۔ (۷) آخر اوسکو اس قصور کی سزا میں جنت سے نکالا گیا ہے۔

امام رازی نے ان وجوہات ہفتگانہ کے جواب میں کہا ہے۔ کہ منکرین کا مدعا

والجواب المعتمد عن الوجوہ السبعة عندنا ان نقول کلامکم انما یتم لو اثبتم بالدلالة علی ان ذلك کان حال النبوة و ذلك ممنوع فلم لا یجوز ان یقال ان ادم حال ما صدرت عنه هذه الزلة ما کان نبیا ثم بعد ذلك صار نبیا ونحن قد بینا انه لا دلیل علی هذا المقام لنفرض انه صدر ذلك الفعل عن ادم بعد النبوة فاقدامه علی ذلك الفعل اما ان یکون حال کونه ناسیا او حال کونه ذاکرا۔ اما الاول وهو انه فعله ناسیا فهو قول طائفة من المتکلمین و احتجوا بقوله تعالی فنسی ولم نجد له عزما ومثلوه بالصائم

تب ثابت ہو۔ جبکہ آدم کا اسوقت نبی ہونا ثابت ہو۔ اور یہ امر مسلم نہیں اور کسی دلیل سے ثابت نہیں۔ پھر کہا ہم نے یہ بھی فرض کیا کہ وہ اُسوقت نبی تھے۔ تب بھی وہ اس فعل سے مرتکب کبیرہ نہیں ہو سکتے اس فعل کے وقت یہ بھی احتمال ہے کہ وہ اس حکم خداوندی کو کہ اس درخت کے نزدیک نہ جانا" بھول گئے ہوں اور یہ بھی احتمال ہے کہ وہ فعل اون سے عمداً وقوع میں آیا ہو۔ اول احتمال کے ایک جماعت متکلمین قائل ہے اُن کی دلیل آدم کے بھول جانے پر یہ قول خداوندی ہے کہ ہمنے آدم کو ایک حکم دیا پھر وہ اُسکو بھول گیا۔ اُنہوں نے آدم کی نظیر اس روزہ دار کو قرار دیا ہے جو کسی کام میں مشغول ہوکر اپنے روزہ دار ہونے کو بھول جاتا ہے۔ اور خوب کھا پی لیتا ہے۔ اسپر

فیشتغل بامر یستغرقه ویغلب
علیه فیصیر ساهیاً عن الصوم
ویاکل فی اثناء ذلك السهو عن
قصد لا یقال هذا باطل من
وجهین الاول ان قوله تعالی ما
نهاکما ربکما عن هذه الشجرة
الا ان تکونا ملکین وقوله وقاسمهما
انی لکما لمن الناصحین - یدل
علی انه ما نسی النهی حال الاقدام ٭
الثانی لو کان ناسیاً لما عوتب
علی ذلك الفعل ٭ اما الجواب
عن الوجه الاول انا لا نسلم
ان ادم وحوا قبلا من ابلیس
ذلك الکلام ولا صدقاه لانهما
لو صدقاه لکانت معصیتهما
فی ذلك التصدیق اعظم من
اکل الشجرة لان ابلیس لما قال
لهما ما نهاکما ربکما عن هذه
الشجرة الا ان تکونا ملکین او
تکونا من الخلدین - فقد القی
الیهما سوء الظن بالله ودعاهما

دو وجہ سے اعتراض کیا گیا ہے - اول یہ کہ
قرآن میں صاف آچکا ہے کہ شیطان
نے آدم وحوا کو کہا - کہ خدا تعالیٰ نے تمکو
اس درخت سے کھالینے سے اسلئے روکا ہی
کہ اوسکو کھا کر تم کبھی فرشتے نہ بن جاؤ - یا
اس بہشت میں ہمیشہ کے لئے نہ رہ پڑو
اور پھر اسپر شیطان نے قسم بھی کھائی
کہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں - وجہ دوم یہ
کہ اگر یہ فعل سہو ونسیان سے ہوتا تو
اسپر عتاب نہ ہوتا - کیونکہ سہو ونسیان پر
مواخذہ نہیں ہے - ان وجوہات سے
وجہ اول کا جواب یہ ہے کہ یہ امر لائق تسلیم
نہیں ہے کہ آدم وحوا نے شیطان کی
اسبات کو تصدیق کرلیا اور مان لیا تھا - اور
اسی حالت تصدیق وتسلیم میں وہ فعل کیا
ایسا ہوتا تو اس تصدیق وتسلیم کے سبب
وہ درخت کھالینے کی نسبت زیادہ گنہگار
متصور ہوتے - اور اسپر زیادہ مورد عتاب
ہوتے - کیونکہ جب اون کو ابلیس نے یہ
کہا - کہ تم اسلئے اس درخت سے روکے
گئے ہو کہ تم فرشتہ نہ بن جاؤ - یا ہمیشہ

الی ترک التسلیم لامرہ والرضا
بحکمه والی ان یعتقدا فیه کون
ابلیس ناصحا لهما وان الرب
قد غشهما ولاشک ان هذہ
الاشیاء اعظم من اکل الشجرة
فوجب ان تکون المعاتبة فی ذلک
اشد وایضا وکان آدم عالما
بتمرد ابلیس عن السجود وکونه
مبغضاله وحاسدا له علی ما
اتاهما الله من النعم۔ فکیف یجوز
من العاقل ان یتقبل قول عدوہ
مع هذه [illegible] ابلیس [illegible]
الهما اقدما علی ذلک عند
ذلک الکلام او بعدہ یدل
علی ان آدم کان عالما بعداوته
قوله تعالی ان هذا عدو لک
ولزوجک فلا یخرجنکما من الجنة
فتشقی (تفسیر کبیر جلد اول صفحہ ۴۶۳ وغیرہ)

بہشت میں نہ رہ پڑو۔ اور میں تمہارا اس
کہنے میں خیر خواہ ہوں۔ تو ان دونوں کو
خدا کی طرف سے بدظن کیا۔ اور یہ کہا کہ
خدا نے تمکو دہوکہ دیا یا تم سے کھوٹ
کرنا چاہا ہے۔ اور میں تمہارا خیر خواہ ہون
اس کی ان باتوں کو آدم وحوا نے مان لیا
تو درخت کھانے سے بڑہ کر جرم کیا۔ لہذا
ان باتوں کے قبول کرنے پر اوس کو زیادہ
عتاب ہونا چاہیئے تھا۔ حالانکہ اون پر کچھ
عتاب نہیں ہوا۔ اور نیز حضرت آدمؑ کو شیطان کا
سجدہ سے سرکشی کرنا اور حضرت آدمؑ کی انعام واکرام
پر اوس کا [illegible] معلوم تھا۔ خدا تعالیٰ نے خود اونکو
فرما دیا۔ کہ شیطان تمہارا دشمن ہے۔ تمکو
بہشت سے نہ نکال دے۔ پھر (حضرت
آدم جیسے) عاقل سے کیونکر متصور تھا۔ کہ
اوس کی باتون کو وہ مان لیتا۔ اور ان
باتوں کو سُنکر وہ اس فعل کا مرتکب ہوتا
اس سے صاف ثابت ہوتا ہے۔ کہ وہ درخت
کھانے کے وقت خدا کے حکم ممانعت اور شیطان کی ان باتوں سب کو بھول گئے تھے؛

واما الجواب عن الثانی فهو ان
العتاب انما حصل علی ترک التحفظ

وجہ دوم کا جواب یہ کہ یہ عتاب نسیان وسہو
پر نہیں ہوا۔ بلکہ اس قصور پر ہوا۔ کہ انہوں نے

من اسباب النسیان وهذا
الضرب من السهو موضوع عن
المسلمین وقد کان یجوز ان یواخذوا
به ولیس بموضوع عن الانبیاء
لعظم خطرهم ومثلوه بقوله
یا نساء النبی لستن کاحد من النساء
ثم قال من یأت منکن بفاحشة
مبینة یضاعف لها العذاب
ضعفین - وقال علیه السلام
اشد الناس بلاء الانبیاء ثم
الاولیاء ثم الامثل فالامثل فان
قیل کیف [illegible]
منزلتهم فی حصول شرط فی تکلیفهم
دون تکلیف غیرهم قلنا اما سمعت
حسنات الابرار سیئات
المقربین ولقد کان علی النبی
صلی الله علیه وسلم من التشدید
فی التکلیف ما لم یکن علی غیره
اما القول الثانی وهو انه علیه
السلام فعله عامدا فههنا اربعة
اقوال × × ×

ایسے اسباب وسائل کیوں نہ بہم پہنچا رکھے
کہ وہ ان کو نسیان سے بچاتے (جیسے
کوئی دوسرے کو کہہ دیتا ہے کہ فلاں امر
مجھے یاد کرا دینا - یا اوسکو نوٹ کر لیتا ہے
یا اُسکے لئے پہرہ بٹھا دیتا ہے) اس قسم کا
سہو و نسیان اگرچہ عام مسلمانوں کو معاف
ہے - اور اُنپر اُن کو مواخذہ نہیں (گو اخذ
ہو تو جائز ہے) مگر ایسا نسیان انبیاء کے
لئے معاف نہیں - کیونکہ اون کی شان و درجہ
بلند ہے - اوس کی مثال وہ قول خداوندی
ہے کہ اے نبی کی بیویاں تم اور عورتوں کی
[illegible] میں سے
کوئی صریح بے حیائی کی مرتکب ہوگی تو اوسکو
دوسری عورتوں کی نسبت دوگنا عذاب
ہوگا - اور آنحضرتؐ نے فرمایا ہے - کہ سب سے
زیادہ محل بلا و امتحان انبیاء ہوتے ہیں - پھر
اولیاء پھر جو افضل ہو - ان کے بعد جو افضل ہو
اگر سوال کرو کہ نبی کا عالی رتبہ اُن کو ایسی
سختی سے مکلف ہونے کا باعث کیوں ہوا
تو اوسکے جواب میں ہم کہیں گے تم نے یہ
نہیں سُنا عام نیکوں کی بھلائیاں خاص

القول الرابع هو اختیار اکثر المعتزلة انه اقدم علی الاکل بسبب اجتهاد اخطاء فیه وذلك لا یقتضی کون الذنب کبیرة بیان الاجتهاد الخطاء انه لما قیل له ولا تقربا هذه الشجرة فلفظ هذه قد یشار به الی الشخص وقد یشار به الی النوع ـ وروی انه علیه السلام اخذ حریرا وذهبا بیده فقال هذان حل لاناث امتی حرام علی ذکورھا [illegible] ولما سمع ادم قوله ولا تقربا ظن ان النهی انما یتناول تلك الشجرة المتعینة وتناول من شجرة اخری من ذلك النوع الا انه کان مخطیا فی ذلك الاجتهاد لان مراد الله تعالی من کلمه هذه کان النوع لا الشخص ثم اعترض علیه بوجوه منها انه کیف صار هذا القدر من الخطاء سببا لان نزع عن ادم

مقربین کی برائیاں متصور ہوتی ہیں ـ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر تکلیف احکام میں اس قدر سختیاں تھیں کہ وہ کسی دوسرے پر نہ تھیں (جیسے آنحضرت کا روزہ میں وصال کرنا ـ یعنے روزہ پر روزہ رکھنا اور بیچ میں کچھ نہ کھانا ـ یا نماز تہجد کا آپ پر فرض ہونا ـ یا موجودہ عورتوں (جنمیں اکثر پیر سالہ تھیں) کے بعد کسی عورت کو نکاح میں نہ لانا یا آپ کے اہل و اولاد کا زیور و لباس زینت دنیا سے محترز رہنا وغیرہ) دوسرے احتمال ہیں کہ وہ فعل [illegible] ـ

ازانجملہ چہارم قول جو اکثر معتزلہ کا قول ہے ـ یہ ہے ـ کہ وہ فعل حضرت آدم سے غلطی اجتہاد سے ہوا ہے ـ جس سے لازم نہیں آتا کہ اسمیں اُنہوں نے گناہ کبیرہ کیا ہو ـ خدا نے جب فرمایا کہ اس درخت کے نزدیک نہ جاؤ ـ تو اُنہوں نے اس سے ایک خاص درخت سمجھ لیا ـ "ہذہ" یا "اُوس" ـ کا لفظ بولا جاتا ہے تو کبھی اس سے کوئی خاص چیز مراد ہوتی ہے ـ کبھی اس جنس کی عام چیزیں جیسے

لباسہ واخرج عن الجنۃ ثم اجاب عنہ بان ذلک یجوز یختلف باختلاف الاشخاص کما ان الرسول علیہ السلام مخصوص بامور کثیرۃ فی باب التشدیدات فکذا ھھنا (تفسیر کبیر جلد اول ص ۴۶۴ وغیرہ مختصرا غایۃ الاختصار

آنحضرتؐ نے ایک دفعہ ریشمی کپڑا اور سونا ہاتھ میں لیا۔ اور کہا کہ یہ دو نو میری امت کی عورتوں کے لئے حلال ہیں۔ مردوں کیلئے حرام۔ حضرت آدم نے جب لفظ اس درخت کا سُنا تو یہ سمجھ لیا کہ یہ حکم ممانعت خاص ایک درخت کے متعلق ہے جس کی طرف اشارہ ہے۔ اور اوسکو چھوڑ کر دوسرے درخت سے کھالیا۔ اور اسمیں خطا کا ارتکاب کیا۔ کیونکہ خدا کی مراد اس سے جنس درخت تھی نہ خاص کوئی درخت۔

پھر اس قول پر کئی وجوہ سے اعتراض کیا۔ از انجملہ ایک یہ کہ یہ فعل آدم خطاء اجتہادی [illegible] اتارا گیا اور اون کو بہشت سے نکالا گیا۔ پھر اسکا جواب یہ دیا کہ یہ عتاب ان کے علو رتبہ کی نظر سے ہوا۔ اور یہ امر بنظر اختلاف اشخاص مکلفین جائز ہے۔ جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بہت سے امور تکلیفی میں سختیوں سے مخصوص تھے۔ ویسے حضرت آدم ہوئے (یعنے بڑوں کی چھوٹی بات بھی بڑی سمجھی جاتی ہے۔ اور اُسپر انکو ایسی سخت سزا ملتی ہے جو چھوٹوں کو بڑی بات پر نہیں ملتی۔)

بتجویز نسیان حضرت آدم پر شائد کوئی اعتراض کرے کہ اسصورت میں اس فعل حضرت آدم میں شیطان کا کچھ دخل نہوا۔ پھر آیات منقولہ حاشیہ میں

فازلھما الشیطن عنھا فاخرجھما مما کان فیہ (البقرہ۔ ع ۴۔)

اس فعل آدم اور اوسکے نتیجہ خروج از بہشت کو شیطان کی طرف منسوب کیوں کیا گیا ہے۔

فوسوس لهما الشيطان ليبدی لهما ما ووری عنهما (اعراف - ع ۲)

یبنی ادم لا یفتننکم الشیطان کما اخرج ابویکم من الجنۃ

(اعراف - ع ۳ -)

اسکا جواب یہ ہے۔ کہ گو بوقت عین اقدام فعل حضرت آدم کو نسیان لاحق ہوا مگر اس سے پیشتر ابلیس لعین بھی ان کے اخراج و اغوا کے فکر میں رہا۔ اور وسوسہ پیش کرتا رہا۔ اسکے اس فعل اور نیت کی وجہ سے یہ فعل اور اُسکا نتیجہ اسکی طرف منسوب ہوا۔ تو کیا بُرا ہوا۔

اور چونکہ ہر بُرائی اور خطا یا غلطی در اصل شیطان ہی کی ڈیوٹی یا خصلت ہے اور نیکی یا صواب و راستروی ملکی صفت۔ بنائً علیہ ابن آدم برائی کا ارتکاب کرتا ہے تو وہ اسمیں اسی کا پیرو کار کہلاتا ہے۔ نیکی کرتا ہے تو وہ اس صفت میں نائب ملک کہلاتا ہے۔ لہذا الہامی کتاب کا عام محاورہ ہے کہ اسمیں ہر بُرائی کو شیطان کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ اور ہر شخص [illegible] کو اغوا کرکے بد کرے اوس کو شیطان کا فعل بتایا جاتا ہے۔ حضرت یوشع بن نون حضرت موسے کے ساتھی اپنے سفر دریا میں مچھلی کا حال حضرت موسےٰ سے کہنا بھول گئے تو وہ بھی یہی لفظ بولے کہ مجھے شیطان ہی نے بھلا دیا۔ کہ میں اوسکا حال آپ کے پاس ذکر کروں حالانکہ

ارایت اذا اوینا الی الصخرۃ فانی نسیت الحوت وما انسانیہ الا الشیطان ان اذکرہ (کہف - ع ۹ -)

وہاں اسوقت ان کے پاس نہ شیطان اپنی صورت میں یا بصورت انسان آیا۔ اور نہ اونکو اُسنے کسی اور خیال یا باتوں چیتوں میں لگا کر مچھلی کا ذکر بھلایا۔ ایسا ہوتا تو قرآن یا حدیث میں یا مفسرین کی تفسیروں میں اسکا ذکر ہوتا اسوجہ سے بھی اس فعل آدم اور اُسکے نتیجہ کو شیطان کی طرف منسوب کرنا غلط اور ناروا نہیں ہے۔

بالجملہ اس بحث و بیان سے بخوبی ثابت ہوا۔ کہ حضرت آدم نے اس درخت کھانے

کے وقت دیدہ دانستہ خدا کا گناہ نہیں کیا۔ اون کو اس فعل کے وقت نسیان
عارض ہو گیا تھا۔ یا اسمیں اُن سے خطا اجتہادی کا ارتکاب ہوا جس سے اون کی
معصومیت کا بطلان نہیں ہوتا۔ جو لوگ اس فعل حضرت آدم سے انکا غیر معصوم ہونا
نکالتے ہیں اور اس فعل میں اپنے باپ کو گنہگار بتاتے ہیں۔ وہ اپنے باپ کے ناشکر
ہیں۔ اور ناخلف اولاد کہلانے کے مستحق ہیں۔

ہاں بھول چوک کی تجویز سے چارہ نہیں۔ اور نہ اُسپر اولاد کی طرف سے حضرت
آدم پر کچھ طعن یا مذمت ہو سکتی ہے۔ یہ بھول چوک حضرت آدم سے ہوئی۔ تو اون کی
اولاد سے بھی ہونی لازم ہے۔ اور باپ کی وراثت اولاد کو پہنچنا ضروری ہے۔ حضرت
نے فرمایا ہے نسی ادم فاکل من الشجرۃ فنسیت ذریتہ وخطاء ادم
فخطاءت ذریتہ (مشکوۃ صـ۱) اور یہ بھی کہا گیا ہے اول الناس اول ناس
پھر اس بھول چوک کے سبب آدم پر وہ طعن کر سکتا ہے جو اولاد آدم سے خارج ہو
اور ابن آدم نہ کہلاوے۔

واز انجملہ قصہ حضرت نوح علیہ السلام ہے کہ اُنہوں نے اپنی قوم کے لیے
بددعا کی۔ پھر حسب استدعا اُن کے عذاب طوفان آگیا تو آپ نے کافر بیٹے کے لیے
نجات کی دعا کی منکرین عصمت کہتے ہیں
کہ یہ دونو فعل نوح کے معصیت ہوئے جسکے
لئے اُنہوں نے بعد ان فعلوں کے خدا سے
بخشش بھی مانگی اور قیامت کے دن
اپنے اس گناہ کو یاد کر کے وہ شفاعت کے
لائق ہونے سے انکار کرینگے۔ چنانچہ حدیث
مشہور شفاعت میں یہ تصریح آچکی ہے۔

رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ
الْكَافِرِينَ دَيَّارًا۔ رَبِّ اغْفِرْ
لِي وَلِوَالِدَيَّ (سورۃ نوح۔ ع ۲)
رب ان ابنی من اھلی وان
وعدک الحق وانت احکم
الحاکمین۔ قال یا نوح انہ
لیس من اھلک انہ عمل غیر صالح

فلا تسئلن عما ليس لك به علم

اِنّی اعظك ان تكون من الجاهلين

قال رب أنّي اعوذ بك أنْ اسئلك

ما ليس لي به عِلمٌ وان لا تغفر لي

وترحمني اكن من الخسرين (سورہ

ہود - ع - ۴ -)

فيأتون نوحًا فيقول انی قد كانت

لِی دعوة دعوت بها علی قومی

نفسی نفسی (تیسیر الوصول و مشکوٰۃ صفحہ ۴۸۸)

ولفظ المشكوٰة يذكر خطيئته التی

اصاب سؤاله ربه بغير علم

قال قتادة دعا عليهم بعد ان

اوحی اليه انّه لن يؤمن من قومك

الا من قد امن فاجاب الله دعائه

واغرقهم (فتح البیان صفحہ ۶۶۹ جلد ۲)

قال ابن عباس لمّا جاءه هذا من

عند الله دعا علی قومه (تفسیر کبیر

صفحہ ۸۱ - جلد ۵ -)

لمّا دعا علی الكفار قال بعده رب

اغفر لی ای فيما صدر عنی من ترك

الافضل (تفسیر کبیر جلد ۵ - صفحہ ۳۱۲ -)

اسکا جواب یہ ہے کہ ان دونو فعلوں

(بددعا اور دعا) میں حضرت نوح نے کسی

امر یا نہی کا دیدہ دانستہ خلاف نہیں کیا

بلکہ یہ دعا تو اُنہوں نے اسوقت کی تھی جبکہ

خداتعالے اُن کو فرما چکا تھا کہ اب تیری

قوم سے کوئی ایمان نہیں لائے گا - یہ بات

ابن عباس و قتادہ وغیرہ نے کہی ہے لہذا

اُن کی ہلاکت کے لئے اُن کا بددعا کرنا

ظاہراً عین اتباع و توافق اس قول خداوندی

کا تھا - ہاں اس سے بہتر و افضل یہ امر تھا

کہ [illegible] ہے) وہ شان

ابراہیمی و خلق مسیحی کے مطابق جسکا ذکر صفحہ ۳۷

میں ہو چکا ہے - پھر بھی اون پر رحم کرتے اور

اس رحم کے تقاضا سے وہ ظاہر اس قول

خداوندی میں "کہ اب کوئی ایمان نہیں لائیگا"

تخصیص کرکے تاویل کرتے اور یہہ خیال فرماتے

کہ یہ ایک قول عام طور پر کہا گیا ہے - اور

ممکن ہے کہ اسمیں بعض لوگ خدا کے علم میں

مخصوص و مستثنے ہوں - اور اون کو خداتعالے

ہدایت کرے - اس خیال سے وہ قوم کے لئے

دعا ہدایت و نجات کرتے - جیسا کہ اسی خیال سے

ثم لما علم نوح بان سؤاله
لم يطابق الواقع وان دعاءه
ناش عن وهم كان يتوهم
بادر الى الاعتراف بالخطاء و
طلب المغفرة والرحمة۔
وليس فى الآية ما يقتضى صدور
ذنب ومعصية من نوح سوى
تأويله واقدامه على سوال
ما لم يؤذن له فيه وهذا ليس
بذنب ومعصية قال الخطيب
اخطاء فى ذلك الاجتهاد كما
دفع لا[illegible]
(فتح البیان صفحہ ۴۳۸ جلد ۲۔)

حمل هذه الوجوه على ترك
الافضل والاكمل حسنات
الابرار سيئات المقربين والا
استغفار قد يكون بسبب
ترك الافضل (تفسیر کبیر صفحہ ۹۲ جلد ۵۔)

غالباً اُنہوں نے بیٹے کے لئے دعاء نجات
کی تھی اور اس کے اخیر میں یہ بات بھی عرض
کر دی تھی۔ کہ خداوند تو سب حاکموں سے بڑھ کر
حاکم ہے۔ تو جو چاہے حکم کر سکتا ہے۔ یعنے
جس قوم کے لئے تیرا حکم ہلاکت ہو چکا ہو۔
اس قوم سے تو بعض کو مخصوص و مستثنےٰ کر سکتا ہے
اور اس اصول پر تو میرے بیٹے کو گو وہ بظاہر
مجھ سے منکر و غایب ہو گیا ہے۔ اور میرے
اور اُسکے بیچ میں طوفان کی موج آڑ ہو گئی
ہے۔ تو توفیق ایمان عطا فرما کر غرق ہونے سے
نجات بخشنے پر قادر ہے۔ اور سہو جو یہ ہوا معصیت نہ تھی
[illegible] ایسا نہ کیا
بلکہ ظاہری عموم قول خداوندی سے متمسک ہو کر شان
موسوی کے (جسکا ذکر (۳۷) صفحہ میں ہوا ہے) مطابق
قوم کیلئے بددعا کی تو آخر اس سے آپکو افسوس ہوا اور
یہ خیال آیا کہ مجھ سے خلاف رحم اور ترک افضل
ہوا۔ میں نے اپنے بیٹے کی مانند قوم کے حقمیں
کیوں دعا نجات نہ کی۔ جسپر اپنے خدا سے
بخشش مانگی۔ اور جب خدا تعالے نے بیٹے کے حق میں دعا کرنے سے اون کو منع کیا۔ اور
صاف فرما دیا کہ وہ تیرا اہل (یعنے تیرے طریق پر) نہیں یعنے وہ ایمان نہیں لائیگا
تو اوسکے لئے دعا و سوال نہ کر۔ تو اوس سے آپ کو یقین ہوا۔ کہ وہ قول خداوندی

کہ اب کوئی ایمان نہیں لائے گا۔ اپنے عموم پر ہے۔ اور میرا اسمیں تخصیص تجویز کر کے تاویل کرنا خطا ہے۔ لہٰذا اس فعل پر آپنے خدا سے بخشش مانگی۔ اس سے صاف ثابت ہے کہ ان دونو فعلوں میں اُنہوں نے کسی امر یا نہی کا دیدہ و دانستہ صریح خلاف نہیں کیا۔ بلکہ اپنے خیال میں عین اتباع و توافق کیا تھا۔ مگر اپنے فعل (بددعا) میں آپ سے ترک اولےٰ ہوا۔ اور دوسرے فعل دعار فرزند میں آپ سے خطا کا ارتکاب ہوا۔ جسکو گناہ و معصیت ہرگز نہیں کہا جاتا۔ ان ہی افعال ترک اولےٰ یا خطا کو آپ موقعہ شفاعت پر گناہ قرار دینگے۔ اور ان کی وجہ سے لائق شفاعت ہونے سے انکار کرینگے یہ آپکا کمال درجہ کا انکسار ہے۔ اور چھوٹی بات (ترک افضل یا خطاء) کو بڑا گناہ سمجھنا اہل کمال کا کام ہے۔ اور کسر نفسی اور فروتنی ان ہی کا شیوہ ہے حسنات الابرار سیئات المقربین عام نیکوں کی بھلائیاں خاص مقربین کی بُرائیاں متصور ہوتی ہیں۔ اور اس سے یہ سمجھنا اور نکال لینا کہ وہ واقعہ میں گنہگار تھے۔ ان لوگوں کا کام ہے جنکو مقاصد کلام میں دخل نہیں۔ اور درجات و مراتب انبیاء و دیگر اہل کمالات کے علم سے حصہ نہیں۔

یہ جواب اگرچہ علمائے کرام کے اقوال و اشارات سے جو منقول ہوئے مستفاد و مفہوم ہوتا ہے مگر جو تقریر جواب اور اوس کی وجوہات مرقوم ہوئی ہیں وہ اس خاکسار کو خدا تعالےٰ نے الہام فرمائی ہیں۔

علماء کرام نے یہ بیان کیا ہے کہ بددعا میں حضرت نوح نے ترک افضل کیا۔ مگر اسکی وجہ بیان نہیں کی۔ کہ کفار کے حق میں بعد الہام الٰہی کہ وہ مومن نہ ہوں گے دعاء ہلاکت کیوں خلاف افضل ہے یہ بھی علماء نے کہا ہے کہ حضرت نوح فرزند کے لئے دعا کرنے میں خطاء اجتہادی اور تاویل کی۔ مگر یہ نہ بتایا کہ حضرت نوح کے فرزند کو کشتی میں سوار ہونے اور کافروں کے ساتھ نہ رہنے کے لئے بلانے اور بیٹے کے اس سے

تکذیب و استہزاء کے ساتھ انکار کرنے اور انکے بیچ میں موج طوفان کے حائل ہو جانے اور لڑکے کے غرق ہو جانے کے بعد دعا ر نجات یا ایمان کا محل کیونکر ہو سکتا تھا۔ اور اس میں انہوں نے کونسی تاویل کی تھی جسمیں اُنسے خطا ہوئی۔ یہ دونو وجہیں خدا تعالےٰ نے خاکسار کو سوجھائی ہیں۔ فللہ الحمد

وازانجملہ قصہ حضرت ابراہیم ہے۔ کہ اُنہوں نے تین جھوٹ بولے۔ ایک

فنظر نظرۃ فی النجوم فقال انی سقیم (والصافات۔ ع۔ ۳)

بل فعلہ کبیرھم ھذا فسئلوھم ان کانوا ینطقون (الانبیاء۔ ع۔ ۵)

لم یکذب ابراھیم الاثلث کذبات کلھا فی ذات اللہ تعالیٰ قولہ انی سقیم وقولہ بل فعلہ کبیرھم ھذا وقولہ لسارۃ ھی اختی (بخاری ومسلم)

وفی حدث الشفاعۃ انی قد کنت کذبت ثلث کذبات فذکرھا نفسی نفسی (تیسیر الوصول ومشکوٰۃ ص۴۸۰)

فلما جن علیہ اللیل رای کوکبا قال ھذا ربی الآیۃ (انعام۔ ع۔ ۹)

اُنکا قوم کو جب اُنہوں نے اون کو اپنے میلہ میں لیجانا چاہا ستارہ دیکھ کر "انی سقیم" یعنے میں بیمار ہوں۔ کہنا۔ دوسرا اُنکا بتونکو خود توڑنا۔ اور پھر کہنا بڑے بت نے اونکو توڑا ہے۔ تیسری اپنے بیوی سارہ کو بہن کہدینا۔ ان تینوں باتوں کو حدیث صحیح میں کذب کہا گیا ہے۔ اور خود حضرت ابراہیم شفاعت کے موقعہ پر اپنے یہ تینوں جھوٹ یاد کر کے نفسی نفسی کہیں گے۔ اور ان کی وجہ سے اپنا لایق شفاعت نہ ہونا بیان کرینگے چنانچہ حدیث شفاعت میں صاف آچکا ہے ایک جھوٹ اور بھی حضرت ابراہیم کے ذمہ منکرین عصمت لگاتے ہیں۔ بلکہ اوسکو انکے اعتقادی گناہ (کفر) شمار کرتے ہیں۔ وہ اُنکا ستارہ اور چاند سورج کو ھذا ربی کہنا ہے۔

اسکا جواب یہ ہے کہ پہلے تینوں جھوٹ گو صورتاً[1] میں جھوٹ کے مشابہ

[1] ۱ صفحہ ۵۹ نمبر ۲ جلد ۱۲ ملاحظہ ہو

ہیں۔ اور ایک معنے ظاہری کی نظر سے اونکو جھوٹ کہا جاسکتا ہے۔ مگر درحقیقت وہ صحیح معانی و تاویلات بھی رکھتے ہیں۔ جنکی نظر سے اونکو سچ اور بالکل سچ کہا جاسکتا ہے اور تحقیقاً و قطعاً حضرت ابراہیم نے ان ہی معانی کے ارادہ سے وہ تینوں قول فرمائے ہیں۔ اور اُن معانی کی مراد ہونے سے آپ سچے تھے۔ گو اُنکے مخاطبوں نے وہ معنے اُنکے نہیں سمجھے۔ اور نہ وہ معانی حضرت نے اپنے مخاطبین کو سمجھانے چاہے۔ اور اُن ہی معنے کی مراد سمجھی جانے سے وہ اقوال جھوٹ اور خلاف واقعہ قرار دیئے گئے ہیں۔

غرض ان اقوال کے دو معنے ہیں۔ ایک وہ جو حضرت ابراہیم نے مراد رکھے۔ جنکی نظر سے وہ اقوال سچے ہیں۔ دوسرے وہ معنے جو مخاطبین کو آپ نے سمجھائے اور اونہوں نے سمجھے۔ ان معانی کی نظر سے وہ الفاظ جھوٹ کہلاتے ہیں۔ ایسے دو معنے (یا بقول عوام ذو معنے) کلام توریہ و تعریض کہلاتی ہے۔ جسکا شرع محمدی میں یہ حکم ہے کہ ضرورت کے وقت (جبکہ اس سے اپنے حق کو بچانا یا حاصل کرنا مقصود ہو) [illegible] کو نقصان پہنچانا یا اُسکا حق تلف کرنا مقصود ہو جائز نہیں ہے۔

اسکی ایک دو مثالیں ہم اپنی بول چال میں بیان کرتے ہیں۔ پھر ان اقوال ثلثہ کے صحیح معانی کی تشریح کریں گے۔

تم سے ایک شخص ناحق اور ظلم سے کچھ روپیہ لے کر دبانا چاہتا ہے۔ تو تم اوسکے جواب میں اگر یہ کہو کہ میرے پاس روپیہ نہیں ہے۔ اور اس سے یہ مراد رکھو کہ میری جیب یا ہاتھ میں نہیں گو صندوق میں بہت کچھ ہو۔ تو یہ کلام جائز اور سچ ہے۔ گو ان معنے کی نظر سے جو مخاطب نے اس سے سمجھے ہوں جھوٹ معلوم ہوتا ہے۔

وہی روپیہ اگر واجبی اس شخص کا حق ہو اور پھر تم اپنی جیب یا ہاتھ میں نہ ہونے کی نیت و مراد سے یہ کہدو کہ میرے پاس روپیہ نہیں ہے تو یہ تمہارا کلام جائز نہیں ہے

اور سراسر جھوٹ اور دھوکہ بازی ہے۔ گو تمہاری نیت اور معنے مراد سے وہ سچا ہو۔
دوسری مثال ایک ظالم ایک شخص کو ظلماً مارنا چاہتا ہے۔ اور وہ مظلوم تمہارے گھر آکر چھپ گیا تم اگر عند الاستفسار ظالم سے یہ کہدو کہ وہ یہاں نہیں ہے اور اس سے مراد وہ خاص ٹکڑا زمین کا جہاں تم کھڑے ہو یا جہاں تم نے انگل یا ہاتھ رکھدیا ہو دل میں ٹھرالو۔ تو تمہارا یہ قول سچ اور جائز ہے۔ اور اگر وہ شخص ظالم ہے جسکو تم نے چھپایا ہے اور پکڑنے والا مظلوم ہے تو عند الاستفسار تمہارا یہ کہنا کہ وہ یہاں نہیں ہے۔ اور اس سے مُراد وہ ٹکڑا زمین یا وہ جگہ جہاں تمہارا ہاتھ ہو ٹھیرا لینا جائز نہیں ہے۔ اور اس سے وہ کلام سچ اور جائز نہیں ہوسکتا۔ بلکہ وہ سراسر جھوٹ اور ظلم ہے۔

اور ایسکے وہی معنے مراد سمجھے جانے متعین اور ضروری ہیں جو تمہارے مخاطب مظلوم نے سمجھے ہیں۔ ایسے مواقع پر جہاں کوئی بلا ضرورت و ناحق تعرض کرے اور کلام کے ظاہری معنے چھوڑ کر کوئی اور معنے دل میں ٹھیرا لے۔ اور اُسپر قسم کھا جائے شریعت محمدی میں اُسکا حکم یہ آچکا ہے۔ کہ اوس کلام کے وہی معنے مراد سمجھے جائیں گے جو مخاطب نے سمجھے۔ اور ان ہی معنے کی نظر سے اوسکو جھوٹا (اگر مطابق واقعہ نہوں) یا سچا (اگر وہ مطابق واقعہ ہوں) قرار دیا جائیگا۔

> یمینك علی ما یصدقك صاحبك (صحیح مسلم و مشکوۃ صہ ۲۹۶)

ان تمثیلات سے تعریض کے معنے اور حکم ناظرین امید ہے سمجھ لیں گے اب ہم یہ بیان کرتے ہیں۔ کہ ان **اقوال ثلثہ** حضرت ابراہیم کے صحیح معنے جنکی نیت و مراد سے اُنہوں نے وہ اقوال فرمائے تھے۔ اور ان معنے کر وہ اقوال سچ اور صحیح ہوسکتے ہیں۔ کیا ہیں۔

آپ کا **پہلا قول** انی سقیم یعنے میں بیمار ہوں۔ اس نیت و مراد سے

قوله ان سقیم ای مریض القلب بسبب اطباق ذلك الجمع العظیم علی الکفر والشرك

(تفسیر کبیر صفحہ ۱۵ جلد ۷)

وهذا توریة وتعریض لما قال للملك حین ساله عن سارة هی اختی یعنے اخوة الدین وقال سعید بن جبیر اشار هم الی مرض یسقم ویعدی وهو الطاعون وکانوا یهربون من ذلك قال ابن عباس سقیم ای مطعون وقال الیم مطعون وهذا قال فتولوا عنه مدبرین ای ترکوه وذهبوا مخافة العدوی

(فتح البیان صـ)

کہا گیا تھا۔ کہ اگر میں تمہارے بتوں کے میلہ میں جاؤنگا تو دل کی بیماری سے بیمار یعنے گنہگار یا غمزدہ ہو جاؤں گا اور اون کے مخاطبون نے اس کلام سے یہ مطلب سمجھا۔ کہ اوسکو کوئی ایسا وبائی مرض ہے یا ہونے والا ہے۔ جو متعدی ہوتا ہے۔ یہ معنے سمجھ کر وہ آپ کو چھوڑ گئے اور میلہ میں نہ لے گئے۔ یہی اس کلام کے ظاہری معنے سمجھانے سے حضرت ابراہیم کا مقصود تھا۔ وہ لوگ میلے میں چلے گئے۔ تو آپ نے اون کے بتون کا کام تمام کیا۔ اور سب کو توڑ پھوڑ کے تبر یا کلہاڑہ کو بڑے بت کے کندھے پر رکھ دیا۔ اور فرمایا کہ یہ فعل اسی نے کیا ہے۔

آپ کا یہ قول دوم۔ کہ یہ فعل بڑے بت نے کیا ہے۔ اس نیت و امراد سے

ان قصد ابراهیم علیه السلام لم یکن الی ان ینسب الفعل الصادر عنه الی الصنم وانما قصد تقریره لنفسه واثباته لها علی سلوب تعریضی یبلغ فیه غرضه من

فرمایا گیا تھا کہ یہ بت کچھ نہیں کرسکتے۔ یہ فعل مینے کیا ہے۔ مگر یہ کہنا تعریض اور رہنی کے طور پر ہوا ہے تاکہ وہ اس قول کے ظاہری معنے سمجھ کر اوسکا اثر بتوں میں نہ پاکر شرمندہ و ذلیل ہوں اور اُن پر حجت پوری ہو۔

الزامهم الحجة وتبكيتهم وهذا كما لو قال لك صاحبك وقد كتب كتابا بخط رشيق وانت شهير بحسن الخط ءانت كتبت هذا وصاحبك امى لا يحسن الخط ولا يقدر الا على خرمشة فاسدة قلت له بل كتبته انت فقصدك بهذا الجواب تقريره لك مع الاستهزاء به لا نفيه عنك واثباته للامى

(تفسیر کبیر جلد ۶ صفحہ ۱۶۳)

اُس کی مثال ایک خوشنویس کا ایک بدخط کو جس نے خوشنویس کے ایک کتبہ کی نسبت پوچھا ہو کہ کیا یہ تم نے لکھا ہی یہ کہنا کہ نہیں تمہارا لکھا ہے جس سے اُسکا مقصود یہ ہوتا ہے کہ تو پوچھتا کیا ہے۔ یہ میرا لکھا نہیں تو تیرا لکھا ہی؟ اس قول کے ظاہری معنے ہیں جو اس فعل کے بت کیطرف نسبت ہوئی۔ تو وہ سکوشُن کر مخاطبین شرمندہ ہوئے اور صحیح معنے اس قول کے سمجھ گئے کہ یہ ہم سے ہنسی کرتا ہے۔ اور یہ کہہ رہا ہے کہ بت کچھ نہیں کر سکتے۔ مگر آخر عناد وجہل سے اس سمجھ پر قائم نہ رہے۔ چنانچہ قرآن میں بیان ہوا ہے۔ کہ وہ قول ابراہیم کو [illegible] سمجھ گئے۔ اور انہیں

فرجعوا الى انفسهم [illegible] الى بعض ذلك انهم تنبهوا و فهموا عند هذه المقالة ان من لا يقدر على دفع المضرة عن نفسه يستحيل ان يكون مستحقا للعبادة فقالوا انكم انتم الظلمون لانفسكم بعبادة هذه الجمادات ثم نكسوا على رؤسهم رجعوا الى جهلهم وعنادهم شبه سبحانه عودهم الى الباطل بصيرورة

بولے کہ ظالم تم ہی ہو۔ پھر اوندھے ہو کر گرے۔ اور بولے تو جانتا ہے کہ بُت تو نہیں بولتے۔ پھر حضرت ابراہیم بولے پھر کیا اللہ کے سوا ایسی چیز کو پوجتے ہو جو کچھ نفع نہ دے اور نہ نقصان پہنچا دے تف ہے تم کو اور تمہارے معبودوں کو تم عقلمند نہیں بنتے۔

تیسرے قول (بیوی کو بہن کہنے) کے صحیح معنے اور دلی مراد حضرت ابراہیم

اسفل الشیٔ اعلاہ لقد علمت ماھؤلاء ینطقون (فتح البیان ص)

اپنی زبان مبارک سے بذات خود بتا گئے ہیں۔ کسی دوسرے کی توجیہ و تاویل کی حاجت باقی نہیں چھوڑ گئے۔

صحیح مسلم میں اس حدیث کے ضمن میں آنحضرت سے مروی ہے۔ کہ حضرت ابراہیم

عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی حدیث ثلث کذبات ابراھیم وواحدۃ فی شان سارۃ فانہ قدم ارض جبار ومعہ سارۃ کانت احسن الناس فقال لھا ان ھذا الجبار ان علم انک امرأتی یغلبنی علیک فان سألک فاخبریہ انک اختی فانک اختی فی الاسلام فانی لا اعلم فی الارض مسلما غیری وغیرک (صحیح مسلم ص ۲۶۶ جلد ۲)

فسألہ عنھا فقال من ھذہ قال اختی فاتی سارۃ فقال یا سارۃ لیس علی وجہ الارض مؤمن غیری وغیرک وان ھذا سألنی فاخبرتہ انک اختی فلا تکذبینی (صحیح بخاری ص ۴۷۴)

کان من عادۃ ذلک الجبار ان لا

ایک جابر (ظالم) بادشاہ کے علاقہ میں گئے اور اون کی بیوی سارہ آپ کے ساتھ تھی جو بہت خوبصورت تھی۔ حضرت ابراہیم نے اوسکو کہا یہاں ایک ظالم بادشاہ ہے وہ اگر یہ جان لے گا کہ تو میری بیوی ہے تو وہ مجھ پر غلبہ کر کے تجھے لیجائے گا۔ لہذا اگر وہ پوچھے تو تم یہ کہدینا کہ میں اوس کی بہن ہوں [illegible] دین اسلام میں میری بہن ہے۔ اس زمین میں میرے اور تیرے سوا کوئی مسلمان نہیں ہے۔

صحیح بخاری میں اس موقعہ پر یوں آیا ہے کہ اوس جبار نے پہلے حضرت ابراہیم سے پوچھا کہ یہ کون ہے تو آپ نے کہدیا کہ یہ میری بہن ہے۔ پیچھے سارہ کو آپ نے وہ بات کہی جو اوپر بیان ہوئی۔ اور نیز یہ فرمایا کہ میرے اور تیرے سوا یہاں مومن کوئی نہیں۔ تجھکو بادشاہ پوچھے تو

سنعرض الا لذات الزوج ٭ (فتح الباری شرح صحیح البخاری)	تم نے مجھے نہ جھٹلانا۔ فتح الباری شرح صحیح البخاری میں ہی

کہ اس ظالم کی عادت یہ تھی کہ وہ بجز شوہر والی عورت کے کسی دوسرے سے تعرض نہ کرتا تھا۔

ان تینوں اقوال ابراہیمی کے صحیح اور سچے معنے جنکی نظر سے یہ اقوال سچ ہوسکتے ہیں ناظرین کو معلوم ہوئے تو اس ان کو یقین ہوسکتا ہے۔کہ وہ اقوال حقیقت اور نفس الامر میں اور حضرت ابراہیم کی نیت اور دلی مراد کی نظر سے کذب نہیں ہوسکتے۔ان کو جو حدیث میں کذب کہا گیا ہے تو صرف اُن کی ظاہری صورت اور ان معنے کی نظر سے

المراد بالکذب الکذب ب صورة لا حقیقة فیؤل ذلك بانه کذب بالنسبة الی فهم السامعین اما فی نفس الامر فلا ٭ (خیر جاری شرح صحیح بخاری)	جو سامعین نے سمجھے۔اور وہی معنے حضرت ابراہیم نے اون کو سمجھانے چاہے۔جیسے [illegible] اور اوس ضرورت کی وجہ سے اون کو ایسا کرنا جائز ہوا۔

اب رہا جواب اس سوال کا کہ حضرت ابراہیم خود ان اقوال ثلٰثہ کو کذب کہینگے اور ان کی وجہ سے لائق شفاعت ہونے سے انکار کرینگے۔اگر یہ قول ان کی نیت و مراد کی نظر سے سچے اقوال ہوسکتے تو وہ اون کو ایسا کیوں سمجھتے۔سو جواب یہ ہے کہ انکا ایسا سمجھنا اون کے علو درجہ توحید و نبوت و خلّت کی نظر سے ہے۔حضرت ابراہیم ایسے موحد اور ظاہری اسباب دنیا پر اعتماد نہ کرنے والے صرف خدا تعالےٰ پر بھروسہ کرنے والے تھے۔کہ جب وہ جلتی آگ میں ڈالے جلنے کو تیار کئے گئے تو اُنکے پاس ہوا اور بارش کے فرشتے پہنچے۔اور خواستگار ہوئے کہ اگر آپ چاہیں تو ہم اس آگ کو بوجھا دیں۔اور اوڑا دیں۔آپ نے فرمایا مجھے تمہاری طرف کوئی

فلمّا ارادوا القائه فی النار اتاه
خازن المیاه فقال ان اردت اخمدت
النّار واتاه خازن الرّیاح فقال
ان شئت طیرت النّار فی الهواء
فقال ابراهیم لاحاجة لی الیکم
حسبی الله ونعم الوکیل
(معالم صفحہ ٥٨٩ -)
فاتاه جبریل علیه السّلام وقال
یا ابراهیم هل لك حاجة فقال
امّا الیك فلا قال فاسئل ربّك
قال حسبی من سؤالی علمه
بحالی (تفسیر کبیر صفحہ ١٦٥ جلد - ٦ -)

حاجت نہیں میرا اللہ میرے لئے کافی
ہے - پھر حضرت جبریل آئے اور بولے
کہ کچھ حاجت ہو تو فرمائیے - آپ نے
فرمایا مجھے تمہاری حاجت نہیں ہے
پھر اُنہوں نے کہا خدا ہی سے عرض
والتجا کرو - آپ نے فرمایا - میرے
سوال والتجا کی جگہ خدا کا میرے حال
کو جاننا کافی ہے -
اون کی اس توحید اور اعتماد اسباب
دنیا اٹھا کر خدا پر بھروسہ کرنے کا مقتضا
[illegible] تھا کہ وہ تینوں موقعہ پر
اپنے مخالفوں اور مخاطبوں کے ایذا رکا
خوف اوٹھا کر اون کو ایک معنے والے صاف لفظوں میں دنداں شکن جواب
دیتے - او صاف کہتے کہ بتوں کے میلہ میں نہیں جاؤنگا - (٢) اون کو میں نے
توڑا ہے - (٣) یہ میری عورت ہے - اور ذومعانی الفاظ جنکے ظاہری معنے بلحاظ
فہم مخاطبین جھوٹ تھے - نہ بولتے اور اسمیں شرعی جواز کیطرف رجوع نہ کرتے -
اونہوں نے ایسا نہ کیا - بلکہ کافروں و مخالفوں کے خوف ایذا و وحشت کے خوف
سے ایسا کلام بولا جو عام مسلمانوں کے لئے جائز تھا - تو اون کو اپنے اعلےٰ مقام توحید
و خلّت کا لحاظ ہوا - اور ڈر لگا - پس انہوں نے بحکم حسنات الابرار سیئات
المقربین - اوس کو اتنا بڑا گناہ قرار دیا - کہ اسکی وجہ سے اپنے آپ کو لائق شفاعت
نہ سمجھا - اس سے ہرگز اور کسیطور سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ واقعہ میں بھی وہ گناہ ہے

اور اس درجہ کا جرم ہے کہ وہ لائق شفاعت نہ رہنے نہ دے۔

کذب چہارم جو اُن کے ذمہ لگایا جاتا ہے جس سے اُنکا بد اعتقاد ہونا بھی ثابت کیا جاتا ہے۔ اُس سے بھی اُنکا گنہگار رہونا ثابت نہیں ہوتا ہے۔ اور نہ بد اعتقاد ہونا۔

امام رازی نے تفسیر میں فرمایا ہے۔ آپ کا یہ قول (ستاروں کو ھذا ربی کہنا) دو احتمال رکھتا ہے۔

بقی ھھنا احتمالان - الاول ان یقال ھذا کلام ابراھیم بعد البلوغ ولاکن لیس الغرض منه اثبات ربوبیة الکواکب وکان مذھبھم ان الکواکب ربھم والھم فذکر ابراھیم ذالک القول الذی قالوہ بلفظھم وعبارتھم حتی یرجع الیه فیبطله ومثاله ان الواحد منا اذا ناظر من یقول بقدم الجسم فیقول الجسم قدیم الخ والوجه الثانی فی التاویل معناہ ھذا ربی فی زعمکم واعتقادکم ونظیرہ ان یقول الوحد للمجسم علی سبیل الاستھزاء ان الٰھه جسم محدود ای فی زعمه واعتقادہ - قال تعالی و

احتمال اوّل یہ کہ یہ قول حضرت ابراہیم نے حد کمال کو پہنچنے کے بعد فرمایا ہو۔ لیکن اس صورت میں آپ کی غرض اس قول سے یہ نہیں کہ ستاروں کا رب ہونا ثابت کریں بلکہ سات تاویلات و **وجوہات** سے کوئی نہ کوئی اس قول کی وجہ تاویل ہوسکتی ہے اوّل یہ ہے کہ آپ کا مباحثہ اُن لوگوں سے تھا جو ستاروں کو رب اور معبود سمجھتے تھے۔ اس قول میں آپ نے اُن ہی کا قول انکے الفاظ میں نقل کیا۔ تا کہ پھر اس قول کا رد کریں جو آخر کیا اسکی مثال یہ کہ ہم کسی جسم کو قدیم ماننے والے سے مباحثہ کرتے ہیں تو پہلے یہ کہتے ہیں کہ جسم قدیم ہے۔ پھر اوس کو دلائل سے باطل کرتے ہیں۔

وجہ دوم۔ یہ کہ اس قول کے معنے یہ ہوں کہ یہ ستارہ تمہارے خیال میں رب ہے۔

وانظر الی الهك الذی ظلت علیه عاکفا۔ وقال تعالی یوم ینادیهم فیقول این شرکائی۔ و کان صلوات الله علیه یقول یا اله الالهه والمراد انه تعالی اله الالهة فی زعمهم وقال ذق انك انت العزیز الکریم

الوجه السادس انه صلی الله علیه وسلم اراد ان یبطل قولهم بربوبیة الکواکب الا انه لو صرح بالدعوة الی الله لم یقبلوا ولم یلتفتوا الیه فمال الی طریق به یستدرجهم الی استماع الحجة وذلك بان ذکر کلاما یوهم کونه مساعدا علی مذهبهم مع ان قلبه کان مطمئنا بالایمان ومقصوده من ذلك تمکنه من الدلیل علی ابطاله

واما الاحتمال الثانی وهو انه ذکره قبل البلوغ وعند القرب منه تقریره انه تعالی کان قد خص ابراهیم بالعقل الکامل والقریحة

اسکی مثال کسی موحد کا مجسم کو ہنسی کے طور پر یہ کہنا کہ تمہارا خدا مجسم محدود ہے یعنی اوس کے خیال و اعتقاد میں۔

اسکی دوسری مثال حضرت موسے کا سامری کو یہ کہنا کہ دیکھ اپنے معبود کو جس پر تو جم رہا ہے (یعنے گوسالہ کو) میں اوسکو جلاتا ہوں۔

تیسری مثال خدا کا فرمانا کہاں ہیں میرے شریک (یعنے تمہارے خیال میں)

چوتھی مثال آنحضرت کا فرمانا یا اِلٰہ الاٰلہة یعنی جو لوگوں کے خیال میں معبود ہیں تو انکا معبود ہے۔

پانچویں مثال دوزخی کو کہنا عذاب چکھ تو عزت والا شریف ہے (یعنے اپنے خیال میں) ایسے ہی امام نے تیسری چوتھی جوہا بیان کیں۔ پھر فرمایا

چھٹی وجہ یہ ہے کہ آپ نے اون کا خیال ستاروں کو رب سمجھنے کا باطل کرنا چاہا۔ مگر پہلے ہی سے صاف طور پر خدا کی طرف بلاتے تو وہ نہ سنتے۔ لہذا آپ ایسے طریق کی طرف مائل ہے جس سے وہ

الصافیه فخطر بباله قبل بلوغه اثبات الصانع فتفکر فرأی النجم فقال هذا ربی فلما شاهد حرکته قال لا احب الآفلین

ثم انه تعالی اکمل بلوغه فی اثناء هذا البحث فقال فی الحال انی بریٔ مما تشرکون ۔ فهذا الاحتمال لا بأس وان کان الاحتمال الاول اولی بالقبول (تفسیر کبیر صفحه ۱۱۱ و ۱۱۲ وغیرہ جلد ۴ ۔)

سہولت سے اون کو خدا کے رب ماننے کی دلیل کی طرف کھینچ لائیں ۔ پہلے انہوں نے ایک لفظ بولا جس سے وہ لوگ خیال کریں کہ یہ بھی ہمارے خیال کے موافق ہے ۔ حالانکہ دل سے آپ خوب مطمئن تھے کہ اُنکا رب خدا تعالےٰ ہی ہے ۔ اس لفظ بولنے سے آپ کا مقصود یہ تھا ۔ کہ ستاروں کے رب ہونے کو باطل کریں ۔ چنانچہ ایسا ہی کیا ۔

دوسرا احتمال کہ وہ قول اپنے قبل بلوغ بولا ہے ۔ اسکی تقریر یوں ہوسکتی ہے ۔ کہ آپکی طبیعت صاف [illegible] آپ کو اپنا خدا ثابت کرنے کا خیال پیدا ہوا ۔ اور ستارہ نظر آیا تو آپنے اوسکو رب کہدیا جب اوسکی حرکت دیکھی تو کہا میں اوسکو نہیں چاہتا ۔ اسی اثنا میں خدا نے آپ کے رشد و بلوغ کو پورا کردیا ۔ تو آپ نے فوراً کہدیا ۔ اے قوم میں ان سب سے بیزار ہوں جن کو تم شریک خدا بتاتے ہو ۔ اس احتمال میں بھی کوئی برائی نہیں ۔ اگرچہ پہلا احتمال زیادہ لایق قبول ہے ۔

الحاصل یہ قول اگر آپ کے زمانہ نبوت و کمال کے بعد واقعہ ہوا ۔ فرض کریں تو اوسکے عُمدہ محامل و معانی پیدا ہو سکتے ہیں ۔ جو امام رازی نے بیان کئے ہیں اور اگر یہ نبوت سے پہلے اور زمانہ بلوغ سے پیشتر تلاش حق کے وقت کا ہے تو یہ کسی اعتراض کا محل نہیں ہے ۔ اور یہ قادح عصمت ہرگز نہیں ہوسکتا ۔

بعض مفسرین نے لکھا ہے۔ کہ حضرت ابراہیم جب پیدا ہوئے۔ تو بخوف قتل عام جو اُسوقت کے بادشاہ نمرود کے حکم سے جاری تھا۔ وہ ایک غار چھپائے گئے تھے۔ اور وہیں پرورش پائی جب وہاں سے نکلے تو وہ رات کا وقت تھا۔ آپ کی نظر پہلے ستارہ پر پڑی۔ پھر چاند نکلا تو دیکھا۔ پھر دن نکلا تو سورج نظر آیا تب آپ نے وہ کلمہ فرمائے۔

امام رازی نے تفسیر کبیر میں اس قصہ کا بارہ دلائل سے ابطال کیا ہے۔ اور ثابت کیا ہے کہ یہ قول آپ نے قوم کے مباحثہ ومقابلہ میں کہا ہے۔ یا کمال بلوغ سے پہلے تلاش حق کے وقت چنانچہ منقول ہوا۔

ازانجملہ قصہ حضرت موسٰے ہے۔ کہ آپ نے ایک قبطی کو مکا مار کر قتل کیا۔ اور اسکو عمل شیطان بتایا۔ پھر خدا سے اس قصور کی بخشش مانگی تو قصور معاف ہوا منکرین [illegible] سے کبیرہ گناہ ہوا اسی واسطے حضرت موسٰے شفاعت کے موقعہ پر اس فعل کو یاد کرکے اپنے لائق شفاعت ہونے سے انکار کرینگے۔ چنانچہ حدیث شفاعت میں آچکا ہے۔

> فوکزہ موسی فقضی علیہ قال هذا من عمل الشیطان انه عدو مضل مبین [illegible]

اسکا جواب یہ ہے۔ کہ یہ قتل عمداً واقعہ نہیں ہوا۔ اور ایک مُکہ سے غالباً آدمی مار ابھی نہیں جاتا۔ حضرت موسے نے اس فعل سے صرف مقتول کو ایک مظلوم پر حملہ کرنے سے روکنا چاہا تھا۔ نہ مارڈالنا وہ کمزور ہونے کے سبب مُکہ سے مر گیا تو اس میں حضرت موسٰے کا گناہ ثابت نہیں ہوتا۔ اور اگر ہو بھی تو یہ فعل آپکا نبوت سے پہلے تھا۔ یہ امر نص قرآن

> لم یقصد موسی قتل القبطی وانما قصد دفعه فاتی ذالك علی نفسه خطاءً فندم ودفنه فی الرمل والوکزة لا تقتل غالبا۔ هذه التاویلات محافظة علی ما تقرر

من عصمت الانبیاء ولا شک انہم معصومون عن الکبائر والقتل الواقع منہ لم یکن عن عمد۔ فلیس کبیرۃ لان الوکزۃ غالبا لا تقتل و قیل بل کان من قبیل دفع الصائل وھو لا اثم فیہ

(فتح البیان صفحہ ۴۴۵ و ۴۴۶۔ جلد ۴۔)

قتلتہا اذا وانا من الضالین ای الجاھلین قالہ ابن عباس فنفی عن نفسہ الکفر وانہ فعل ذلک علی الجھل قبل ان یأتیہ العلم الذی علمہ اللّٰہ (فتح البیان ص ۲۹۵ جلد ۶) علی نا ان سلمنا دلالۃ ھذہ الآیۃ علی صدور المعصیۃ لکنا نبہنا انہ لا دلیل علی انہ کان رسولا فی ذلک الوقت فیکون ذلک صادرا منہ قبل النبوۃ و ذلک لا نزاع فیہ

(تفسیر کبیر ص ۵۹۵ جلد ۶۔)

سے ثابت ہے۔ چنانچہ سورہ شعراء میں بیان ہے کہ فرعون نے موسےٰ کو اس قتل کا الزام دیا۔ تو آپ نے فرمایا۔ کہ مجھ سے جس وقت اس قتل کا وقوع ہوا ہے۔ اسوقت میں بھولا ہوا یا نادان تھا۔ (خدا نے مجھے وہ علم نہ دیا تھا۔ جو بعد میں آیا) پس خدا نے مجھے حکم عطا کیا اور رسولوں میں داخل کیا اسصورت میں یہ فعل کسی اعتراض کا محل نہیں ہوسکتا۔ اور اس سے عصمت موسےٰ علیہ السلام کا ابطال نہیں ہوسکتا۔

اب رہا سوال کہ حضرت موسےٰ نے اس فعل کو [illegible] اور خدا سے اس کی معافی طلب کی۔ اور قیامت میں اسکے سبب وہ لائق شفاعت ہونے سے انکار کرینگے اسکا وہی جواب ہے کہ اونکا ایسا کرنا انکے کمال درجہ اتقاء و منصب نبوّت کے تقاضا سے ہے۔ بحکم حسنات الابرار سیأت المقربین اُنہوں نے ایک جائز اور بلحاظ نیّت ایک بہتر فعل کو گناہ سمجھا۔ اس سے دوسرے کو نہیں پہنچتا۔ کہ وہ اس فعل کو گناہ کہے۔ اور اس سے انکی عصمت پر قدح و اعتراض کرے۔

ازانجملہ قصہ حضرت یوسف علیہ السلام ہے۔ جسمیں یہ بیان ہے۔ کہ عزیز کی عورت (زلیخا)

ولقد همت به وهم بها لولا ان رأى برهان ربه كذلك لنصرف عنه السوء و الفحشاء انه من عبادنا المخلصين (یوسف ع ۳)	نے یوسف کو چاہا - اور اس نے اس عورت کو چاہا - اگر یہ نہ ہوتا کہ اُسنے خدا کی دلیل دیکھی یہ اسلئے ہوا کہ ہم اس سے برائی اور بیحیائی کو پھیر لیں -

منکرین عصمت بدست آویز نقل و بیان

تفسیر **واحدی** وغیرہ کہتے ہیں کہ حضرت یوسف زلیخا سے فعل بد پر آمادہ ہوگئے تھے خدا نے اون کو جبرًا اس فعل سے ہٹایا - اور بچایا - اون کی طرف سے تو عصمت میں فرق آچکا تھا - اسیوجہ سے انہوں نے کہا ہے - کہ میں اپنے نفس کو بری نہیں کرتا یہ نفس برائی کا حکم کرنے والا ہے -

اسکا جواب امام رازی نے تفسیر کبیر میں عمدہ تفصیل سے دیا ہے - اور واحدی وغیرہ کی نقل و بیان کا اچھی طرح سے ابطال کیا ہے - (جزاہ اللہ خیرا) ہم واحدی وغیرہ کی اس لغو [illegible] نقل کرنا - پھر اُسکا جواب دینا فضول جانتے ہیں جو دیکھنے کا شایق ہو وہ تفسیر کبیر ملاحظہ کرے -

اسمقام میں ہم صرف وہ آیات قرآن نقل کرتے ہیں جنسے حضرت یوسف کی اس فعل سے برأت ثابت ہوتی ہے - نہ کوئی امر خلاف عصمت اوّل تو یہی آیت جس سے منکرین کا تمسک ہوا ہے - حضرت یوسف کی برأت کی دلیل ہے - اسکا صحیح ترجمہ یہ ہے - کہ عورت نے یوسف کو چاہا - یوسف بھی چاہتا - اگر یہ نہ ہوتا کہ اوس نے خدا کی دلیل (رہنمائی کرنے والی بات) دیکھ لی - یعنے خدا تعالے نے اوسکے دل میں اپنی خشیت اور یہ خیال پیدا کیا - کہ یہ فعل جو زلیخا چاہتی ہے بد ہے - اور غیر کی عورت سے خصوصًا جو محسن و مربی کی ہو اس فعل کا قصد کرنا ظلم ہے - اور خدا کو ظلم پسند نہیں ہے - اس معنی آیت کی مؤید اس سے پہلی آیت ہے جسمیں بیان ہے کہ

وراودته التی هو فی بیتها عن نفسه وغلقت الابواب وقالت هیت لک قال معاذ الله انه ربی احسن مثوای انه لا یفلح الظلمون (یوسف - ع ۳)	اس عورت نے جس کے گھر میں وہ تھا اسکے نفس کا مطالبہ کیا - اور دروازے بند کر دیئے - اور بولی آ میں تجھے کہتی ہوں - وہ بولا خدا کی پناہ وہ (تیرا

شوہر میرا مربی ہے (میں تجھے چاہکر ظالم ہوں؟) ظالم نجات نہیں پاتے -

آیت زیر بحث میں اسی امر کی حکایت ہوئی ہے - اور یہ بات فرمائی گئی ہے کہ زلیخا نے تو بہت چاہا - اور اُسکا سامان بھی کیا - مگر یوسف نے نہ چاہا - اور اس سے انکار کیا - وہ بھی چاہتا اگر خدا اُسکو وہ اپنی دلیل نہ سوجھاتا - اس معنی و تفسیر کی رو سے لولا ان رای شرط مؤخر ہے اور همّ بها اوسکی جزاء مقدم -

اور اگر اس آیت زیر بحث کو پہلی آیت کی حکایت اور اوسکے مضمون کی مؤید نہ کہیں [illegible] کے مخالف اور اوس کے مضمون کی مکذب قرار دیں اور کہیں کہ پہلی آیت میں خدا نے حضرت یوسف کی برأت ظاہر کی تھی اور اس دوسری آیت میں اوسکے برخلاف انکا ارادہ ارتکاب گناہ بتایا ہے - تو اسصورت علاوہ تناقض و تضاد مضمون دونو آیتوں کے ایک بڑا اعتراض یہ وارد ہوتا ہے کہ اگر اس آیت سے مضمون پہلی آیت کے برخلاف حضرت یوسف کے مرتکب گناہ ہونے کا قصد و ارادہ بتانا منظور تھا - تو پھر اس آیت کے اخیر میں حضرت یوسف کی تعریف کیوں کر دی کہ وہ ہمارے مخلص بندوں میں سے تھا - اور ہمنے اوس سے بُرائی اور بیحیائی کو دور کرنا چاہا - بھلا کبھی کوئی عاقل کرتا ہے کہ مقصود تو بُرائی بیان کرتا ہو - اور کر دیں تعریف چہ جائے رب العالمین احکم الحاکمین اس نکتہ کو وہ لوگ جنہوں نے همّ بہ سے حضرت یوسف کے ارادہ و قصد گناہ کے معنے مراد بتائے ہیں سمجھتے تو ہرگز یہ مراد نہ بتاتے لولا شرط کو مؤخر اور اوسکی جزاء همّ بها

کو مقدم کہنے پر زجاج نحوی نے دو اعتراض کئے تھے (۱) فصیح محاورہ عرب میں لولا کا جواب مقدم نہیں ہوتا۔ (۲) اسکے جواب میں لام آتا ہے جو آیت میں نہیں ہے امام رازی نے ان دونوں کا جواب تفسیر کبیر میں یہ دیا ہے۔ کہ قرآن کی دوسری

مثوانا نذکر ایة اخری تدل علی فساد قول الزجاج فی ہذین السوالین وھو قوله تعالی ان کادت لتبدی به لولا ان ربطنا علی قلبها (قصص ع ۱)

آیت میں یہ دونوں امر پائے گئے ہیں جسمیں یہ بیان ہے کہ بیشک قریب تھا کہ موسی کی ماں اسکا حال ظاہر کردیتی۔ اگر نہ ہوتا یہ کہ ہمنے اسکے دل کو مضبوط رکھا۔

اس جواب کے موید عرب کے پرانے اشعار بھی موجود ہیں جنمیں لولا کا جواب مقدم ہوا ہے اور لام سے خالی ہے امرء القیس کا شعر ہے یعالین فیه الجزء لولا ھواجر ÷ جنادبها صرعی لھن نضیص ÷ (العقد الثمین فی دواوین الشعراء الجاہلین ص ۲۶)

زہیر کا شعر ہے۔ الجا فی غیرھم لولا ماثرہ ÷ وصبرہ نفسه والحرب تستعر ÷ (العقد الثمین فی دواوین الشعراء الجاہلین ص ۸۵)

متنبی کا ایک شعر ہے۔ لعیت بمشیته الشمول وجردت ÷ صنما من الاصنام لولا الروح ÷ (دیوان متنبی ص ۵۵)

اوسیکا دوسرا شعر ہے۔

ولا ینفع الامکان لولا سخائه ÷ وھل نافع لولا الاکف القنا السمر ÷ (دیوان متنبی ص ۱۰۹)

ان چاروں شعروں میں جزاء لولا پر مقدم بھی ہے۔ اور لام سے بھی معرا ہی اس آیت زیر بحث کے مابعد کی آیت میں ارشاد ہوا ہے۔ کہ دونو دروازہ کو دوڑے

واستبقا الباب وقدت قمیصه من دبر والفیا سیدھا لدی الباب۔ قالت ماجزاء من اراد

(یعنے آگے یوسف پیچھے زلیخا) اور زلیخا نے پیچھے سے یوسف کا کرتہ (کھینچکر) پھاڑ دیا۔ اور دروازہ کے پاس میاں

باھلك سوءً الا ان یسجن او عذاب الیم ۔ قال ھی راودتنی عن نفسی وشھد شاھد من اھلھا ان کان قمیصه قد من قبل فصدقت وھو من الکذبین وان کان قمیصه قد من دبر فکذبت وھو من الصادقین فلما رأی قمیصه قد من دبر قال انه من کیدکن ان کیدکن عظیم ۔ یوسف اعرض عن ھذا واستغفری لذنبك انك کنت من الخاطئین ۝

(سورہ یوسف ۔ ع ۔ ۳ ۔)

(عزیز مصر) کو پایا ۔ زلیخا بولی جس نے تیری گھر والی سے برائی کا ارادہ کیا ہے ۔ اوسکی سزا یہی ہے کہ وہ قید کیا جاوے ۔ یا اوسکو دُکھ کی مار ہو ۔ یوسف نے کہا اسی نے مجھ سے اس فعل کا مطالبہ کیا ہے ۔ اسکے گھر میں سے ایک گواہ بولا ۔ اگر کورتہ آگے سے پھٹا ہوا ہے (جس سے یوسف کا سامنے کو آنا ثابت ہوتا ہے) تو زلیخا سچی ہے ۔ اور اگر پیچھے سے پھٹا ہے (جس سے یوسف کا پیٹھ دیکر بھاگنا ثابت ہوتا ہے) تو یوسف سچا ہے ۔ [illegible] پیچھے سے پھٹا ہوا دیکھا تو بولا (اے عورت) یہ تمہارا ہی مکر ہے ۔ تمہارے مکر بڑے ہوتے ہیں اے یوسف تو ایسے قصہ کو جانے دے ۔ اے زلیخا تو گناہ کی بخشش مانگ خطار کار تو ہے

ان آیات میں چار شہادتیں اور حضرت یوسف کی برات بر بیان ہوئی ہیں ۔ (۱) حضرت یوسف کا زلیخا سے بھاگ کر دوڑنا ۔ اور زلیخا کا پیچھے بھاگ کر کورتہ کو پھاڑنا (۲) اور گھر میں سے ایک گواہ کا حضرت یوسف کو بری کرنا (۳) پھر حضرت یوسف کا عزیز کے سامنے اس فعل کے ارادہ سے انکار کرنا ۔ (۴) اور عزیز کا اوسکو تصدیق کرکے زلیخا کو خطا کار ٹھیرانا ۔ پھر خاتمہ قصہ پر ارشاد ہوا ہے ۔ کہ

قال ما خطبکن اذ راودتن یوسف عن نفسه قلن حاش للہ

جب عزیز یا بادشاہ نے عورتوں سے جنہوں نے یوسف کو دیکھ کر بیخودی سے

ما علمنا عليه من سوء قالت امراة العزيز الآن حصحص الحق انا راودته عن نفسه وانه لمن الصدقين (یوسف - ع - ٦ -)

اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے، پوچھا تو وہ بولیں ہم نے یوسف میں کوئی بُرائی نہیں دیکھی۔ تب زلیخا نے کہا اب حق کھُل گیا میں نے ہی اس سے اس فعل کا مطالبہ کیا تھا۔ اور وہ سچا ہے۔

امام رازی نے تفسیر کبیر میں ان آیات سے وضاحت کے ساتھ ثابت کیا ہے

الرابع ان كل من له تعلق بتلك الواقعة فقد شهد ببراءة يوسف عليه السلام من المعصية واعلم ان الذين هم تعلق بهذه الواقعة هم يوسف عليه السلام وتلك المرأة وزوجها والنسوة والشهود ورب العلمين شهد ببراءته عن الذنب وابليس اقر ايضا ببراءته عن المعصية فاذا كان الامر كذلك فحينئذٍ لم يبق للمسلم توقف فى هذا الباب الى ان فصلها - ثم قال وعند هذا فنقول ان هؤلاء الجهال الذين نسبوا الى يوسف هذه الفضيحة ان كانوا من اتباع دين الله فليقبلوا شهادة الله على

کہ یوسف علیہ السلام اس جرم سے بری تھے اور کہا ہے کہ جس شخص کو اس واقعہ سے تعلق تھا اُس نے حضرت یوسف کی برأت سے شہادت دی ہے اس واقعہ کے تعلق والے حضرت یوسف علیہ السلام خود ہیں اور زلیخا۔ اور وہ عورتیں جنہوں نے یوسف کو دیکھ کر بے خودی سے ہاتھ کاٹ لئے تھے اور گواہ گھر کا اور خود رب العلمین اور شیطان پھر ان سب کی شہادتوں کو بیان کیا۔ اور ان آیتوں سے جو ہم نے نقل کی ہیں ان شہادتوں کو ثابت کیا۔ شیطان کی شہادت میں وہ آیت پیش کی جس میں شیطان کا یہ قول بیان ہوا ہے۔ کہ تیرے مخلص بندوں پر میرا زور نہیں چلتا۔ اور قرآن سے یہ نقل کیا۔ کہ یوسف مخلص بندوں سے تھا۔ پھر امام نے فرمایا۔ کہ اب جو شخص دین سے تعلق رکھتا ہی

طہارتہ وانکا نوا من اتباع ابلیس فلیقبلوا شہادۃ ابلیس علی طہارتہ (تفسیر کبیر صـ۱۷ جلد ۵)	وہ خدا کی شہادت قبول کرے ۔ اور جو شیطان کا پیرو ہے وہ شیطان کی گواہی مانے ۔ اب رہا یہ سوال کہ اگر حضرت یوسف

اس معاملہ میں بالکل بے گناہ تھے ۔ اور انہوں نے ارادہ فعل بھی نہ کیا تو پھر کیوں کہا کہ ُمیں اپنے نفس کو بری نہیں کرتا ۔ یہ نفس برائی کا حکم کرنے والا ہے" سو اسکا جواب یہ ہے کہ انکا یہ کہنا اُن غیر مصمم خطرات اور غیر اختیاری حالات کی نظر سے تھا ۔ جو انسان کے دل میں ایک چیز مرغوب طبع دیکھ کر پیدا ہو جاتے ہیں ۔ مگر خدا کے خوف و تقوے سے وہ روک لئے جاتے ہیں ۔ اور ایسے خطرات موجب گناہ و محل مواخذہ نہیں ہوتے حضرت یوسف سے ہم واقعہ ہونیسے بھی اگر اُوسکو لولا کی خبر مقدم قرار نہ دیں یہی ہم مراد ہے نہ قصد اور عزم مصمم ۔

امام رازی نے تفسیر کبیر میں کہا ہے ۔ بصورت تسلیم اس امر کے کہ حضرت

الثالث ان [illegible]	یوسف [illegible] ہم [illegible] ہوا [illegible] تفسیر دل کے
النفس وذلك لان المرأۃ الفائقه	خیالات و خطرات ہیں ۔ کیونکہ جب خوبصورت
فی الحسن والجمال اذا تزینت و	عورت کسی قوی اور جوان مرد کے لئے بن ٹھنکر
تهیئت للرجل الشاب القوے	طیار رہوتی ہے تو ایسے موقع پر دانائی اور
فلا بد وان یقع هنالك بین الحکمة	خواہش طبعی اور نفس اور عقل میں کھنچا کھاچنی
والشهوۃ الطبعیة وبین النفس و	ہوتی ہے ۔ پھر کبھی طبیعت کا داعیہ و
العقل محاذیات ومنازعات	تقاضا غالب ہو جاتا ہے ۔ کبھی عقل و دانائی
فتارۃ تقوی جانب داعیۃ الطبعیة	کا پس یہاں ہم سے وہی جاذبہ طبیعت
والشهوۃ وتارۃ داعیة العقل	کا مراد ہے ۔ اور دلیل دیکھنے سے جاذبہ
والحکمة فالهم عبارۃ عن جاذبة	عبودیت و عقل کا ۔ اسکی مثال یہ کہ جب

الطبیعة ورویة البرهان عبارة
عن جواذب العبودیة ومثال
ذلك ان الرجل الصالح الصائم
فی الصیف الصائف اذا رای
الجلاب المبرد بالثلج فان طبیعته
تحمله علی شربه الا ان دینه و
هداه یمنعه منه فهذا لا یدل
علی حصول الذنب بل کلما
کانت هذه الحالة اشد کانت
القوة للوازم العبودیة اقوی
واکمل (تفسیر کبیر صفحہ ٧٦ جلد ٥)

وفی البیضاوی المراد بهمه
علیه السلام میل الطبع ومنازعة
الشهوة لا القصد الاختیاری و
ذلك مما لا یدخل تحت التکلیف
بل الحقیق بالمدح والاجر الجزیل
من الله من یکف نفسه عن الفعل
عند قیام الهم (فتح البیان صفحہ ٥٠٢)

وذا النون اذ ذهب مغاضبا
فظن ان لن نقدر علیه فنادی
فی الظلمات ان لا اله الا انت سبحانك

ایک نیک شخص روزہ دار سخت گرمی
کے موسم میں ٹھنڈا پانی برف ملی ہوئی دیکھتا ہے
تو اوسکا جی اوسکو پے لینے کو چاہتا ہے
مگر اوس کا دین اس سے مانع ہوتا ہے
ایسی خواہش بے اختیاری جسکو روکا جائے
گناہ نہیں ہوتی۔ بلکہ جسقدر ایسی حالت زیادہ
ہو۔ اسیقدر لوازم عبودیت کو قوت
حاصل ہوتی ہے۔

بیضاوی میں کہا ہے۔ حضرت یوسف
کے ھم سے یہی میلان طبعی اور خواہش
کی منازعت مراد ہے نہ اختیاری اور
قصد ھم۔ یہی خواہش طبعی محل تکلیف نہیں
ہے۔ بلکہ وہ شخص لائق مدح وسزاوار
اجر ہوتا ہے جو اپنے کو ایسی خواہش و
خیالات پیدا ہونے کے روکتا ہے

وازانجملہ قصہ حضرت یونس
علیہ السلام ہے جسکا آیت مفصلہ
حاشیہ میں بیان ہے۔ اور اوس کا ترجمہ
منکرین عصمت یوں کرتے ہیں۔ یونس کا حال
سناوی جبکہ وہ خدا تعالے سے غصہ ہوکر قوم
کے بیچ میں سے نکل گیا پس اوس نے گمان

گیا کہ ہم اسپر قدرت و قابو نہ پائیں گے	انی کنت من الظلمین (سورہ انبیاء ع ۶)

پس اوسنے اندہیروں میں خدا کو پکارا کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں میں ظالموں سے ہوں

منکرین عصمت کہتے ہیں حضرت یونس کا گنہگار ہونا اس آیت اور دیگر آیات سے بچند وجوہ ثابت ہوتا ہے (۱) وہ خدا تعالے سے خفہ ہو گئے جو صریح گناہ (۲) انہوں نے سمجھا۔ کہ اب خدا کے قابو میں نہ آئیں گے۔ جو کفر ہے۔ (۳) انہوں نے اس آیت میں اپنے آپ کو ظالم کہا جو گنہگار کو کہا جاتا ہے (۴) وہ گنہگار نہ ہوتے تو مچھلی کے پیٹ میں کیوں ڈالے جاتے۔ (۵) ایک اور آیت میں ہے کہ وہ اپنے نفس کو ملامت کرتے تھے۔ اور ملامت گناہ پر ہوتی ہے۔ (۶ و ۷) اور آیات میں آنحضرت کو فرمایا گیا ہے کہ تو خدا کے حکم پر جما رہ جیسے اولو العزم رسول جمے رہے ہیں۔ اور تو یونس کیطرح بےصبر نہ ہو جائیو۔ منکرین کہتے ہیں قوم کو چھوڑ کر نکل جانا بھی بےصبری اور گناہ تھا۔

اسکا جواب یہ ہے کہ حضرت یونس خدا تعالٰے سے خفہ ہونا اس آیت سے ثابت نہیں ہوتا۔ ہاں انکا غصہ ہونا قوم پر تھا۔ یا بادشاہ وقت پر یا دونوں پر۔ اور قوم پر غصہ کرنا یا اونکو چھوڑ کر چلا جانا گناہ نہ تھا۔ جیسا کہ منکرین کو دعوے ہے۔ کیونکہ تعالی نے اونکو اس فعل سے منع کیا تھا۔ لہذا انہوں نے اس فعل کو جائز خیال کیا۔ ہاں افضل امر یہی تھا کہ وہ قوم کے انکار و اصرار پر صبر کرتے۔ اور انپر غصہ ہو کر بلا اذن الٰہی اون کو چھوڑ نہ جاتے اسی امر افضل کا آنحضرت کو ارشاد ہوا ہے کہ تو یونس کی طرح نہ کریو۔ اولو العزم رسولوں کی مانند صبر کو اختیار کریو۔ اس ارشاد میں خدا تعالے آنحضرت کو افضل و اعلٰے درجہ پر پہنچانا چاہا۔ اور حضرت یونس نے خدا تعالے کے حق میں یہ گمان نہ کیا تھا۔ کہ وہ خدا کے قابو یا قدرت میں نہ آئیں گے۔ یہ منکرین عصمت کے ترجمہ کے غلطی ہے۔ لن نقدر قدرت سے مشتق نہیں بلکہ قدر سے ہے۔ جو تنگی کے معنے رکھتا ہے۔ اور اس لفظ کے یہ معنے ہیں کہ انہوں نے گمان کیا کہ ہم اسپر اس چلے جانے کے سبب کوئی تنگی و

و مواخذہ نہ کریں گے۔ ان جوابات کی تفصیل ہم بنقل تفسیر کبیر اشاعۃ السنۃ نمبر ۶ جلد ۱۶ میں بصفحہ ۸۶ وغیرہ کر چکے ہیں۔ اسمقام میں اُنکا اعادہ نہیں کرتے اور حضرت یونس علیہ السلام کا اس فعل میں اپنے آپ کو ظالم کہنا اور ملامت کرنا۔ انکے کمال درجہ اتقاء کے سبب تھا۔ اتقیا رمقربین اپنی ترک افضل کو بھی گناہ سمجھتے ہیں۔ اور

لاشك انه كان تاركاً للافضل مع القدرة على تحصيل الافضل فكان ظلماً۔ ان الملامة كانت بسبب ترك الافضل اما قوله كنت من الظلمين فالمعنے ظلمت نفسي بفراري من قومي بغير اذنك كانه قال كنت من الظلمين وانا الآن من التائبين والنادمين۔ (تفسیر کبیر صفہ ۱۹۰ وغیرہ۔ جلد ۶)

اوس پر ویسے ہی نادم ہوتے اور اپنے نفس کو ملامت کرتے ہیں جیسے عام مسلمان بڑے گناہوں پر۔ اور مچھلی کے پیٹ میں انکا رہنا بھی انکے علو درجہ کی نظر سے تھا۔ بڑوں کا چھوٹا قصور بھی چھوٹوں کے بڑے قصور کے برابر سمجھا جاتا ہے۔ بالجملہ حضرت یونس نے قوم کو چھوڑ جانے میں کسی امر یا نہی کا خلاف نہیں کیا (جسکو گناہ کہا جائے) صرف ترک افضل کیا۔ جسپر اون کے عالی مرتبہ کے موافق سخت مؤاخذہ ہوا۔ اور جو فعل گناہ صریح (خدا پر غصہ کرنا یا خدا کو قابو پانے سے عاجز جاننا) آپ کے ذمہ لگایا گیا ہے۔ یہ منکرین عصمت کی غلط فہمی ہے۔ اس سے حضرت یونس علیہ السلام پاک تھے۔ لہذا اس آیت سے اون کی عدم عصمت ثابت نہیں ہوتی۔

وازانجملہ قصہ حضرت داؤد علیہ السلام ہے جسکا آیت میں بیان ہے کہ داؤد

وهل اتاك نبؤا الخصم اذ تسوروا المحراب اذ دخلوا على داود

کے پاس دو جھگڑنے والے دیوار کود کر آئے اور بولے (ہم میں سے) ایک نے

ففزع منھم قالوا لاتخف خصمان بغی بعضنا علی بعض الآیۃ (سورہ ص۔ ع ۲)

دوسرے پر زیادتی کی ہے۔ یہ میرا بھائی ہے اسکی ننانوے دنبیاں ہیں۔ اور میرے پاس صرف ایک دنبی۔ یہ کہتا ہے یہ (ایک بھی) میرے حوالہ کر دے۔ اور مجھ پر بات میں زیادتی کرتا ہے۔ داؤد بولے اسنے تجھ پر ظلم کیا ہے کہ تیری دنبی بھی مانگتا ہے۔ اور اکثر شریک ایسا ہی ظلم کیا کرتے ہیں۔ پر جو مومن اور نیک ہوں۔ اور ایسے تھوڑے ہوتے ہیں۔ (دیکھ کر) داؤد سمجھا کہ ہمنے (اس فیصلہ سے) اسکو جانچا ہے۔ پھر بخشش مانگنے لگا اپنے رب سے اور جھک کر گر گیا۔ اور رجوع ہوا۔

منکرین عصمت کہتے ہیں کہ حضرت داؤد ایک شخص اوریا کی عورت پر عاشق ہو گئے اور اسکو بار بار لڑائی میں بھجوا کر قتل کرا کے اس عورت کو نکاح میں لائے۔ جسپر خداتعالٰے نے ان دو فرشتوں کو حضرت داؤد کے پاس بھیجا جنہوں نے بطور فرضی تمثیل کے وہ سوال کیا۔ جب وہ جواب دے چکے تو انہوں نے کہدیا۔ کہ تمنے اپنے نفس کا خود فیصلہ کر دیا ہے۔ جسپر آپ نادم ہوئے اور بخشش مانگنے لگے۔

یہ قصہ اسطور پر بلکہ اس سے بڑھ کر برائیوں اور بیحیائیوں کا متضمن بیبل میں آیا ہے اوسی سے بعض اخباری مسلمانوں نے جو اہل کتاب سے روائت کرنے کے عادی تھے اس قصہ کو نقل کیا ہے اور اُن سے مفسروں نے اخذ کر کے اسلامی تفسیروں میں اسکو داخل کر دیا ہے۔ جو ناواقف مسلمانوں کے ابتلا کا باعث ہوا ہے۔

محققین اسلام کیا محدثین اور کیا مفسرین اس قصہ کو اس عنوان و بیان سے کذب اور بیہودہ یونکا افترا جانتے ہیں۔ اور بدلائل عقلیہ ونقلیہ اسکو رد کرتے ہیں۔

علامہ زمخشری صاحب تفسیر کشاف نے جو مشہور مفسر ہے۔ اس قصہ کو نقل کر کے کہا ہے یہ قصہ اور جو اس کی مثل ہو کسی ادنےٰ مسلمان سے جو صلاحیت

قال صاحب الکشاف بعد ذکر
هذه القصة هذا ونحوه مما یقبح
ان یحدث به عن بعض المتسمین
بالصلاح من افناء المسلمین فضلا
عن بعض اعلام الانبیاء (کشاف
صفحہ ۱۲۳۹)

وقال القاضی عیاض لا یجوز ان
یلتفت الی ماسطره الاخباریون
من اهل الکتاب الذین بدلوا و
غیروا ونقله بعض المفسرین و
لم ینص الله علی شئ من ذالک ولا
ورد فی حدیث صحیح والذی نص
علیه الله فی قصة داؤد وظن داؤد
انما فتناه ولیس فی قصة داؤد
واوریا خبر ثابت وهذا هو الذی
ینبغی ان یعول علیه من امر داؤد
وعن علی ابن ابیطالب انه قال
من حدثکم بحدیث داؤد علی ما
یرویه القصاص جلدته مأة
وثمانین جلدة وهو حد الفریة علی
الانبیاء (فتح البیان صفحہ ۱۴ و ۱۵ جلد ۸)

کی صفت و نشان رکھتا ہو روائیت کرنا
ایک قبیح امر ہے۔ چہ جائے انبیاء اعلام سے
قاضی عیاض نے جو بڑے مشہور امام
محدث تھے فرمایا ہے کہ جو اہل کتاب سے
(جنہوں نے اپنی کتابوں کو بدل دیا ہے)
روایات نقل کرنے والے اخباریوں نے
لکھا ہے اور اوسکو بعض مفسرین نے نقل
کیا ہے۔ اسکی طرف التفات و توجہ کرنا
جائز نہیں ہے۔ اسباب میں خدا تعالی
نے قرآن میں کچھ فرمایا ہے۔ نہ حدیث
میں آیا ہے قرآن میں صرف اتنا ہے
کہ داؤد نے سمجھ لیا کہ ہم نے اوسکو جانچا ہی
اور قصہ داؤد و اوریا میں کوئی حدیث صحیح
نہیں ہے۔ اور یہی امر لایق اعتماد ہی۔
حضرت علی مرتضے سے منقول ہے کہ
آپ نے فرمایا جو شخص داؤد کا وہ قصہ
بیان کرے گا۔ جو قصہ گو بیان کرتے ہیں
اوس کو ایک سو ساٹھ کوڑے مارونگا
جو نبیوں پر تہمت کرنے کی سزا ہے
ایسا ہی فتح البیان میں ہے۔
ابو السعود مفسر نے یہ قصہ مشہو

واما ما يذكر من انه ××
فذلك مبتدع مكروه - ومكر
مخترع بئس ما مكروه تمجه الاسماع
وتنفر عنه الطباع ويل لمن ابتدعه
واشاعه وتبا لمن اخترعه واذاعه
(تفسیر ابو السعود صفحہ ۱۸۵۶ جلد ۷-)

عنوان سے نقل کر کے کہا ہے۔ کہ یہ کذب ہے۔
مکروہ بدعت اور مکر ہے اپنا کھڑا ہوا
کان اس کو دفع کرتے ہیں۔ یعنے سن نہیں
سکتے۔ طبیعتیں اس سے متنفر ہوتی ہیں
اسکو خرابی یا عذاب جہنم ہو جسنے ایسی یہ
بدعت نکالی ہے۔ اور ہلاکت ہو جسنے اسکو
از خود کھڑا اور شایع کیا۔ پھر وہ قول علی مرتضیٰ نقل کیا۔ جو فتح البیان سے منقول ہوا
امام رازی نے تفسیر کبیر میں بہت شدت کے ساتھ اس قصہ کا رد کیا ہے

والذی اذهب اليه وادين الله
به ان ذلك باطل ويدل عليه
وجوه الاول ان هذه الحكاية
لو نسبت الى افسق الناس واشد
هم فجورا لاستنكف منها و
الرجل الحشوى الخبيث الذى
يقرر تلك القصة لو نسب الى
مثل هذا العمل لبالغ فى تنزيه
نفسه وربما لعن من ينسبه
اليها واذا كان كذلك فكيف
يليق بالعاقل نسبة المعصوم
اليه الثانى ان حاصل القصة
يرجع الى امرين الى السعى فى قتل

اور کہا ہے۔ ہمارا دین و ایمان ہے کہ یہ
قصہ باطل ہے اور دس دلایل عقلی و نقلی
اور بیس شواہد قرآنی سے اسکا ابطال کیا ہے

آپ فرماتے ہیں یہ قصہ کئی وجوہات سے
باطل ہے۔ وجہ اول یہ کہ ایسی بات کسی
بڑے فاسق و سخت بدکار کیطرف منسوب
ہو تو وہ بھی اس سے نفرت کرے وہ
خبیث حشوی جو اس قصہ کو ثابت بتاتا
ہے اوسکی طرف ایسا عمل منسوب ہو تو
وہ اپنی پاکی اور صفائی میں بڑی کوشش
کرے اور کہنے والے کو لعنت کرے
جب وہ اپنے نفس کے لئے اسکی نسبت
کو پسند نہیں کرتا تو ایک نبی معصوم

رجل مسلم والی الطمع فی زوجته اما الاول فامر منکر قال صلی اللہ علیہ وسلم من سعی فی قتل رجل مسلم ولو بشطر کلمة جاء یوم القیمة مکتوب بین عینیه آیس من رحمة اللہ واما الثانی فمنکر عظیم قال صلی اللہ علیہ وسلم المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده واوریا لم یسلم من داؤد لا فی روحه ولا فی منکوحته الثالث ان اللہ تعالیٰ وصف داؤد قبل هذه القصة بالصفات العشرة المذکورة ووصفه ایضًا بصفات کثیرة بعد ذکر هذه القصة وکل هذه الصفات ینافی کونه علیه السلام موصوفا بهذا الفعل المنکر والعمل القبیح ولا بأس باعادة هذه الصفات لاجل المبالغة فی البیان فنقول اما الصفة الاولی فهی انه تعالیٰ

کی طرف اُسکی نسبت کیونکر مناسب ہے وجہ دوم یہ کہ اس قصہ میں دو امر بد بیان ہوئے ہیں۔ ایک مسلمانوں کو قتل کرنا دوسرا اسکی زوجہ کی طمع کرنا۔ پہلا تو ایسا بد ہے کہ آنحضرت نے فرمایا ہے کہ جو کسی مسلمان کے قتل میں کوشش کریگا۔ آدھا ہی کلمہ کہکر کیوں نہ ہو۔ قیامت کو وہ ایسی صورت میں آئیگا کہ اوسکی دو آنکھوں کے مابین لکھا ہوگا۔ یہ خدا کی رحمت سے ناامید ہوا۔ دوسرا بھی ایسا ہی بد ہے۔ آنحضرت نے فرمایا ہے مسلمان وہ ہے جسکی زبان اور ہاتھ سے مسلمان بچ رہیں۔ اور اس قصہ کی رو سے اوریا اوؤد کے ہاتھ اور زبان سے نہ بچا نہ اوسکی جان نہ اوسکی زوجہ۔ وجہ سوئم یہ کہ خدا تعالیٰ نے اس قصہ سے پہلے داؤد کی دس صفتیں بیان کی ہیں۔ اور اس قصہ کے بعد بھی بہت سی صفتیں بیان کی ہیں یہ صفتیں سب کی سب اس امر کے مخالف ہیں کہ داؤد اس فعل قبیح کا موصوف ہو سکے وہ صفتیں پہلے بھی بیان ہو چکی۔ اب انکا اعادہ کیا جاتا ہے۔ پہلی صفت آپکی یہ کہ

امر محمدا بان یقتدی بداؤد من المصابرة
علی المکابدة ولو قلنا ان داؤد لم یصبر
علی مخالفة النفس بل سعی فی اراقة
دم امرأ مسلم بغرض شهوته فکیف
یلیق باحکم الحاکمین ان یأمر محمدا
افضل الرسل بان یقتدی بداؤد فی
الصبر علی الطاعة واما الصفة الثانیة
فهی انه وصفه بکونه عبدًا له وقد
بینا ان المقصود من هذا الوصف
بیان کون ذلك الموصوف کاملا
فی موقف العبودیة تامًا فی القیام باداء
الطاعات والاحتراز عن المحظورات
ولو قلنا ان داؤد اشتغل بتلك الا
اعمال الباطلة فحینئذ ما کان
کاملًا فی طاعة الهوی والشهوت
الصفة الثالثة هو قوله ذا الاید
ای ذا القوة ولا شك ان المراد به
القوة فی الدین لان القوة فی غیر
الدین کانت موجودة فی ملوك الکفار
ولا معنے للقوة فی الدین الا القوة
الکاملة علی اداء الواجبات والا

آنحضرت کو سختیون پر صبر کرنے میں
داؤد کی پیروی کا حکم ہوا۔ اور اگر
ہم یہ کہیں کہ داؤد نفس کی مخالفت پر
صبر نکر سکا بلکہ خونریزی مسلمان میں بغرض
شہوت ساعی ہوا۔ تو پھر کیونکر مناسب ہے
کہ احکم الحاکمین آنحضرت جیسے افضل الرسل کو
اون کی پیروی کا حکم کرے۔ دوسری
صفت آپ کی یہ کہ آپ خدا کے بندہ
تھے جس سے مقصود یہ ہے۔ کہ اس
صفت عبودیت میں کامل خدا کی طاعت
اوسکے [illegible] سے بچنے میں
پوری قایم اور اگر ہم یہ کہیں کہ وہ ان
اعمال باطلہ (قتل و فسق) میں مشغول
ہوئے تو عبودیت میں کامل نہ ٹھرے
بلکہ خواہش نفس کی اطاعت اور شہوت
میں کامل ہوئے۔ تیسری صفت آپکی
یہ کہ آپ صاحب بازو تھے۔ یعنے
صاحب قوت اسمیں شک نہیں کہ
قوت سے دین کی قوت مراد ہے
کیونکہ دین کے سواء قوت کفار بادشاہوں
میں بھی موجود تھے۔ اور قوت دین

جتناب عن المحظورات وای
قوة لمن لم یملک نفسه عن القتل
والرغبة فی زوجة المسلم
الصفة الرابعة کونه اوابا کثیر
الرجوع الی الله فکیف یلیق هذا
بمن یکون قلبه مشغوفا بالقتل
والفجور - الصفة الخامسة
انا سخرنا الجبال معه افتری
انه سخرت له الجبال لیتخذ وسیلة
الی القتل والفجور - الصفة السادسة
قوله والطیر محشورة وقیل انه
کان محرما علیه صید شیٔ من الطیر
وکیف یعقل ان یکون الطیر امنا
منه ولا ینجو منه الرجل المسلم
علی روحه ومنکوحه الصفة
السابعة قوله وشددنا ملکه
ومحال ان یکون المراد انه تعالی
شد ملکه باسباب الدنیا بل
المراد انه شد ملکه بما یقوی الدین
واسباب سعادة الاخرة والمراد
تشدید ملکه فی الدین والدنیا

بھی وہ مراد ہونی چاہیئے - جو ادائے واجبات
اور پرہیز ممنوعات میں کامل طور پر ہو - اور جو شخص اپنے
آپ کو کسی کے قتل کرنے اور اسکی زوجہ مین
رغبت کرنے سے نہ بچ سکا ہو اسمیں ایسی
قوت کہاں اور کیونکر ہوئی - چوتھی صفت
آپ کی یہ کہ وہ خدا کی طرف بڑے رجوع
کرنے والے تھے - اور جس شخص کا دل قتل
اور فسق کے ڈہکا ہوا ہو وہ خدا کی طرف
کیونکر رجوع ہو سکتا ہے - پانچوین صفت
آپ کیلئے پہاڑوں کا مسخر ہونا کیا تم سمجھتے
ہو کہ پہاڑوں کو بسواسطے آپ کے لئے
مسخر کیا گیا تھا کہ وہ ناحق قتل کریں - اور
پرائی عورتوں سے بدکاری کریں - چھٹی
صفت یہ بیان ہوئی کہ پرند جانور آپکے
لئے جمع رہتے تھے - یہ بھی روایت ہے
کہ وہ اُنکا شکار نہیں کرتے پھر کیونکر سمجھ میں
آتا ہے کہ جانور تو اُنسے بچ جاویں - مگر ایک
مسلمان اور اسکی زوجہ اُنسے نہ بچے -
ساتویں صفت یہ کہ خدا نے اون کی
بادشاہی کو مضبوط کیا - اور یہ محال ہے کہ یہاں
مضبوطی سے دنیاوی اشیا کی مضبوطی مراد ہو بلکہ مراد اس

ومن لا یملك نفسه عن القتل و
والفجور کیف یلیق به - الصفة
الثامنة قوله اتیناه الحکمة و
فصل الخطاب والحکمة اسم
جامع لکل ما ینبغی علماً وعملاً
فکیف یجوز ان یقول الله انا
اتیناه الحکمة وفصل الخطاب
مع اصراره علی ما یستنکف عنه
الخبیث الشیطان من مزاحمة
خلص اصحابه فی الروح والمنکوح
فهذه الصفات المذکورة قبیل
شرح تلك القصة دالة علی براءة
ساحته عن تلك الاکاذیب واما الصفات
المذکورة بعد ذکر القصة فهی عشرة
الاول قوله وان له عندنا
لزلفی وحسن مآب وذکر هذا
انما یناسب لو دلت القصة
المتقدمة علی قوته فی طاعة الله و
اما لو کانت القصة المتقدمة دالة
علی سعیه فی القتل والفجور لم یکن
قوله وان له عندنا لزلفی لائقاً به

بادشاہی کی مضبوطی ہے جو دین میں قوت
دے - اور اسباب سعادت آخرت کو پختہ
کرے - اور جو شخص قتل اور فسق سے نہ
بچ سکے اوسکے لئے یہ صفت کیونکر مناسب
ہے - آٹھویں صفت خدا کا یہ فرمانا ہی
کہ ہمنے اوسکو حکمت اور چکوتے حکم عطا کی
اور جب وہ ایسے خبیث فعل پر مصر تھے جس سے
شیطان بھی نفرت کرے - کہ مخلص دوستوں
کی جان اور زوجہ سے مزاحم ہوئے - تو
کیونکر جائز تھا کہ خدا تعالے اون کو اس
صفت سے موصوف فرماتا - یہ وہ صفات
ہیں جنسے وہ اس قصہ کے بیان سے پہلے
موصوف ہوئے جنسے ثابت ہوتا ہے کہ
وہ ان اکاذیب سے بری تھے - اور جو صفات
بعد بیان قصہ آپ کی نسبت بیان ہوئی
ہیں وہ بھی دس ہیں - پہلی صفت خدا
تعالے یہ فرمانا کہ آپ کو ہماری جناب میں
قرب تھا - اور اچھی بازگشت - انکے حق میں یہ
کہنا اسصورت میں مناسب ہے کہ اس سے
پہلے قصہ میں انکی طاعت کا بیان مسلم ہو
اور اگر اس قصہ میں ان کے فسق وفجور کا

الثانی هو قوله تعالیٰ یاداود
انا جعلناك خلیفة فی الارض
وهذا یدل علی کذب تلك
القصة من وجوه احدهما
ان الملك الکبیر اذا حکی عن بعض
عبیده انه قصد دماء الناس
واموالهم وازواجهم فبعد
فراغه من شرح تلك القصة علی
ملأ من الناس یقبح منه ان یقول
عقبه ایها العبد انی فوضت الیك
خلافتی ونیابتی وذلك لان ذکر
تلك القبائح والافعال المنکرة
یناسب الزجر والحجر فاما جعله
نائبا وخلیفة لنفسه فذلك
البتة مما لا یلیق - وثانیهما انه
ثبت فی اصول الفقه ان ذکر الحکم
عقیب الوصف یدل علی کون
ذلك الحکم معللا بذلك الوصف
فلما حکی الله تعالیٰ فیه تلك الواقعة
القبیحة ثم قال بعده انا جعلناك
خلیفة فی الارض اشعر هذا بان

بیان مراد ہو تو پھر اسکے بعد اُن کی صفت
میں قرب وعمدہ بازگشت کا ذکر مناسب
نہیں ہے - دوسری صفت یہ قول خداوندی
ہے کہ اے داؤد ہمنے تجھے زمین میں خلیفہ
بنایا - یہ صفت بتاتی ہے کہ وہ قصہ محض
جھوٹ ہے - اسکی تفصیل کئی وجہ سے وجہ
اوّل کہ اگر مثلاً کوئی بڑا بادشاہ اپنے بعض غلاموں
کی یہ حالت بیان کرے کہ وہ لوگوں کی
خونریزی کرتا ہے اونکے مال وربیویوں کو
نہیں چھوڑتا اور یہ کہکر پھر مجمع عام میں یہی
کہے کہ اس غلام کو مینے اپنا خلیفہ ونائب
کیا - تو یہ قول نامناسب وقبیح معلوم ہوگا - ان
حالات کے ذکر وبیان کے بعد اوسکو
زجر کرنا اور اُسکے اختیارات کو بند کرلینا
مناسب تھا - نہ اپنا خلیفہ بنالینا - اور
اوسکو عزت بخشنا - دوسری وجہ کہ علم اصول
فقہ میں ثابت ہوچکا ہے کہ کسی صفت کے
بعد ایک حکم کا بیان اس امر کی دلیل ہوتا ہے
کہ وہ صفت اس حکم کی علت ہے - اور
وہ حکم اس علت کا معلول - اب اگر فرض
کیا جاوے کہ خدا تعالیٰ نے اس واقعہ کو

الموجب لتفويض هذه الخلافة هو اتيانه بتلك الافعال المنكرة ومعلوم ان هذا فاسد اما لو ذكر تلك القصة على وجوه تدل على براءة ساحته عن المعاصي الذنوب وعلى شدة مصابرته على طاعة الله تعالى فحينئذٍ يناسب ان يذكر عقيبه انا جعلناك خليفة في الارض فثبت ان هذا الذي نختاره اولى - والثالث وهو انه لما كانت مقدمة الآية دالة على مدح داؤد عليه السلام وتعظيمه ومؤخرتها ايضاً دالة على ذلك فلو كانت الواسطة دالة على القبائح والمعائب لجرى مجرى ان يقال فلان عظيم الدرجة عالي المرتبة في طاعة الله يقتل ويزني ويسرق وقد جعله خليفة في الارض وصوبه حكمه فكما ان هذا الكلام مما لا يليق بالعاقل فكذا هذا ومن المعلوم ان ذكر العشق والسعي في القتل

اس قبیح معنے و مراد سے بیان فرمایا ہے اور اسکے بعد فرمایا ہے کہ ہمنے تجھے اپنا خلیفہ بنایا تو اس سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ یہ خلافت انہی افعال قبیحہ قتل و فسق کی سبب سے اُنکے صلہ میں عطا ہوئی ہے - اور یہ امر صریح فاسد اور باطل ہے - اور اگر اس قصہ کے معنے و مراد وہ بیان ہو جن سے حضرت داؤد کی برأت ثابت ہوتی ہے تو اسصورت میں اس قصہ کے بعد خلافت کا ذکر مناسب ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ جو معنے اس قصہ کے ہم بیان کرتے ہیں وہی بہتر ہیں تیسری وجہ یہ کہ ان آیات کا پہلا حصہ (واذکر عبدنا داؤد) حضرت داؤد کی مدح و تعظیم ظاہر کر رہا ہے اور آخری حصہ میں (یا داؤد انا جعلناک خلیفۃ) بھی انکی مدح کا بیان ہے - اب اگر بیچ والا حصہ (جسمیں اس قصہ کا بیان ہے) آپکے عیوب و قبائح کا متضمن ٹھرایا جاوے تو اوس کی مثال بعینہ ایسی بنتی ہے کہ کوئی کہے کہ فلاں شخص خدا کی طاعت میں عالی درجہ بلند رتبہ ہے

من اعظم ابواب العیوب ۔ ؎
والرابع ان القائلین بهذا القول
ذکروا فی هذه الروایة ان داؤد
تمنی ان یحصل له فی الدین کما
حصل للانبیاء المتقدمین من
المنازل العالیة ۔ ؎ فنقول قول
حکایتهم یدل علی ان الله یبتلیه
بالبلاء الذی یزید فی منقبته
فالسعی فی قتل النفس بغیر الحق
کیف یلیق بهذه الحالة ۔ ؎
العاشر ان بعضهم ذکر هذه
القصة علی ما فی کتاب الله تعالی
فقال لا ینبغی ان یزاد علیها وان
کانت الواقعة علی ما ذکرت ثم
انه تعالی لم یذکرها لاجل ان یستر
تلك الواقعة علی داؤد علیه السلام
فلا یجوز للعاقل ان یسعی فی هتك ذلك
الستر بعد الف سنة او اقل واکثر
فقال عمر سماعی هذا الکلام احب
الی مما طلعت علیه الشمس فثبت
بهذه الوجوه التی ذکرناها ان القصة

قاتل ہے زانی ہے چور ہے ۔ خدا نے اوسکو
اپنی زمین میں خلیفہ بنایا ہے ۔ اور اوسکے
احکام کو درست بتایا ہے ۔ اور یہ کلام ایسا ہے
جو کسی عقلمند انسان کے لائق حال نہیں ۔
چہ جائے کہ خدا تعالےٰ کیطرف منسوب ہو
اور یہ بات ظاہر ہے کہ بیگانی عورتوں سے
عشق اور قتل بڑے بھاری عیوب سے
ہے ۔ چوتھی وجہ یہ کہ اس قصہ جعلی کے
قائل کہتے ہیں کہ حضرت داؤد نے خود
آرزو کی تھی کہ خدا میرا امتحان کرکے مجھے
انبیاء کا سا عالی رتبہ دے ۔ ہم کہتے ہیں کہ
اس صورت میں کب مناسب تھا کہ خدا اونکو
قتل و فسق میں مبتلا کرتا ۔ بقول اونکے اس
قصہ کا ابتدا بیان اسکے اخیر کا مکذب ہے
پھر امام نے وجہ نہم لغایت دہم کو بیان کیا
اور پھر کہا کہ بعض علماء کا قول ہے ۔ فرض
کیا یہ واقعہ یوں ہی وقوع میں آیا ہے
جیسے یہ کذاب بیان کرتے ہیں ۔ مگر جب
اللہ تعالےٰ نے اسکا ذکر نہیں کیا ۔ اور
حضرت داؤد کے اس حال کو چھپایا ۔ تو
پھر کسی اور کو کب پہنچتا ہے کہ اونکا ہتک

التي ذكروها فاسدة باطلة ۔
(تفسیر کبیر جلد ۷ صفحہ ۱۸۵ وغیرہ)

پردہ کرے۔ اور نزول قرآن سے ہزار برس یا اس سے کم وبیش کے بعد ان حالات ناگفتہ بہ کو شائع کرے۔ عمر بن عبدالعزیز نے یہ قول سُنا تو کہا کہ تمام دنیا سے مجھے یہ قول پیارا ہے۔

اس **اتفاق** کے بعد کہ جو اس مشہور قصہ میں بیان ہوا ہے وہ کذب ہے"۔ بعض محدثین ومفسرین کا اس امر کے بیان میں **اختلاف** ہے کہ وہ کونسا امر ہے جسکا اس آیت میں ذکر ہے اور اسکے سبب حضرت داؤد جانچے گئے۔ اور بخشش کے طالب ہوئے۔ اسمیں علماء کے **تین قول** ہیں۔ **ایک** یہ کہ

قال القائلون بتنزيه الانبياء في هذه القصة ان ذنب داود انما كان انه تمنے ان تكون امرأة اوريا حلالا له فاتفق غزو اوريا۔ وتقدمه في الحرب هلاكه فلما بلغ قتله لم يجزع عليه كما جزع على غيره من جنده ثم تزوج امرأته فعاتبه الله على ذلك لان ذنوب الانبياء وان صغرت فهي عظيمة عند الله تعالى۔ وقيل كان ذنب داود ان اوريا خطب تلك المرأة ووطن نفسه عليها فلما غاب في غزاته خطبها داود فتزوجت منه

حضرت داؤد نے اوریا کی عورت کو اتفاقاً وناگہانی طور پر دیکھا تو اون کے دل میں یہ خواہش ہوئی کہ وہ عورت اون پر حلال ہو جاے (یعنے اوسکے نکاح میں آئے) پھر حسب اتفاق وہ لڑائی میں گیا۔ اور مارا گیا۔ تو حضرت داؤد نے اوس کے موت پر رنج ظاہر نہ کیا جیسے اور لشکر کے مُردوں پر کیا تھا۔ اور اوسکی عورت سے نکاح کر لیا۔ اسپر خدا نے اون پر عتاب کیا۔ کیونکہ انبیاء کے گناہ اگرچہ چھوٹے ہوں پر وہ اللہ کے نزدیک بڑے ہوتے ہیں۔ **دوسرا** یہ **قول** کہ اوریا نے اس عورت سے خطبہ کیا (یعنے پیام نکاح

بجلالته فاغتم لذلك اوريا فعاتبه
الله على ذلك حيث لم يترك هذه
الواحدة لخاطبها وعنده تسع و
تسعون امرأة (معالم التنزيل صفحه ۷۶۰)
واصل القصة ان داود عليه السلام
رأى امرأة رجل يقال له اوريا فمال
قلبه اليها فسأله ان يطلقها فاستحيى
ان يرده ففعل فتزوجها وهى ام
سليمان وكان ذلك جائزا فى
شريعته معتادا فيما بين امته
غير مخل بالمروة حيث كان يسئل
بعضهم بعضا ان ينزل له عن
امرأته فتزوجها اذا اعجبته
وقد كان الانصار فى صدر الاسلام
يواسون المهاجرين بمثل ذلك من
غير نكير. خلا انه عليه السلام
لعظم منزلته وارتفاع مرتبته
وعلو شانه نبه بالتمثيل على انه
لم يكن ينبغى له ان يتعاطى ما يتعاطاه
احاد امته ويسئل رجلا ليس له
الا امرأة واحدة ان ينزل عنها

بھیجا تھا) اور اوسکا دل اوس کی طرف
مائل ہو چکا تھا۔ کہ اوسکو لڑائی میں جانیکا
اتفاق ہو گیا۔ جب وہ چلا گیا تو داؤد
نے اس عورت سے خطبہ کیا (جو اسوقت
جائز تھا۔) اوس عورت نے حضرت داؤد
کو ان کی جلالت رتبہ کی نظر سے پسند کیا
اس سے اوریا کو رنج وغم ہوا۔ اوس پر
خدا تعالے نے حضرت داؤد پر عتاب
کیا کہ تمہاری ننانوے بیویاں تھیں
تسپر بھی تم نے اس بیچارہ کی ایک مخطوبہ
کو نہ چھوڑا۔ تیسرا قول) یہ کہ حضرت
داؤد نے اس عورت کو دیکھا تو اُسکے
شوہر سے طلاق کا سوال کیا۔ اوس نے
آپکے لحاظ سے طلاق دیدی۔ تو آپنے
اوس سے نکاح کر لیا جس سے حضرت
سلیمان پیدا ہوئے۔ یہ امر اون کی شریعت
میں جائز اور بلا انکار مروج تھا۔ جب کوئی
کسی عورت کو پسند کرتا تو اوسکے شوہر سے
طلاق کی درخواست کرتا۔ پھر وہ اسے چھوڑ
دیتا تو وہ نکاح کر لیتا۔ جیسا کہ اسلام کے
شروع میں قوم انصار میں یہ رواج تھا کہ

فيتزوجها مع كثرة نسائه
(ابو السعود صفحہ ۱۸۴ جلد ۷)

الضا رمہاجرین کی خاطر سے عورتوں کو چھوڑ دیتے اور وہ اُنسے نکاح کر لیتے۔ مگر حضرت داؤد علیہ السلام چونکہ بڑے عالی منزلت اور بلند رتبہ تھے اُنہوں نے ایسا کیا تو اون کو اس مثال سے جو فرشتوں نے پیش کی تھی متنبہ کیا گیا کہ آپ کو ایسا مناسب نہ تھا۔ جیسا کہ آپکی امت کے عوام میں مروج تھا۔ کہ ایک شخص سے جسکے پاس صرف ایک عورت تھی درخواست طلاق کرتے۔ اور باوجود کثرت عورتوں کے اُسکو نکاح میں لاتے

اما وقوع بصره عليها من غير قصد فذلك ليس بذنب واما حصول الميل عقيب النظر فليس ايضاً ذنبا - لان الميل ليس في وسعه فلا يكون مكلفا به و هذا (اى خطبته) وان كان جائزا في ظاهر الشريعة الا انه لا يليق بك فان حسنات الابرار سيئات المقربين هذه وجوه ثلثة لو حملنا القصة على واحدة منها لم يلزم في حق داود الا ترك الافضل والاولى - واما الاحتمال الثالث وهو ان هذه القصة على وجه لا يلتزم الحاق الكبيرة و

امام رازی نے ان تینوں وجوہات وتاویلات کو نقل کرکے اور اتفاقی نظر پڑ جانے سے کسی عورت کی طرف میلان خاطر ہو جانے کا گناہ نہ ہونا ثابت کرکے کہا ہے کہ یہ (تیسرا امر خطبہ پر خطبہ کرنا) اگرچہ اون کی ظاہر شریعت میں جائز تھا۔ لیکن بحکم حسنات الابرار سیئات المقربین یہ امر ان کی شان کے لئے مناسب نہ تھا۔ ان وجوہ ثلثہ سے جس وجہ سے اس قصہ کی تفسیر کریں۔ اس سے یہی ثابت ہو گا کہ حضرت داؤد نے ایک امر افضل واولے کو ترک کیا تھا ان وجوہات کو بیان وتسلیم کرنے کے ساتھ امام رازی نے ایک معنے اس آیت کے ایسے بیان کئے ہیں جس کی نظر سے یہ فعل داؤد ترک افضل وخلاف اولے بھی نہیں رہتا بلکہ امر افضل ولائق مدح وثنا بن جاتا ہے۔

الصغيرة بداؤد عليه السلام
بل يوجب اعظم انواع المدح
والثناء به وهوان نقول روى
ان جماعة من الاعداء طمعوا
فى ان يقتلوا نبى الله داؤد وكان
له يوم يخلو فيه بنفسه ويشتغل
بطاعت ربه فانتهزوا الفرصة
فى ذلك اليوم فتسوروا المحراب
فلما دخلوا عليه وجدوا عنده
اقواماً يمنعونه منهم فخافوا فوضعوا
كذباً فقالوا خصمان الخ وليس فى
لفظ القرآن ما يمكن ان يحتج - فى
الحاق الذنب بداؤد الا الفاظ اربعة
احدها قوله وظن داؤد انما فتناه و
ثانيها قوله فاستغفر ربه وثالثها
قوله اناب ورابعها فغفرنا له ذلك
ثم نقول وهذه الفاظ لا تدل على
شئ منها على ما ذكروه وتقريره من
وجوه الاول انهم لما دخلوا عليه
لطلب قتله لهذا الطريق وعلم
داؤد ذلك دعاه الغضب الى ان

وہ یہ کہ ایک دشمنوں کی جماعت نے آپکو
قتل کرنا چاہا - آپ کا ایک دن ایسا تھا
جسمین آپ اکیلے ہو کر عبادت میں مشغول
ہوتے - اُسدن دشمنوں نے فرصت پائی
اور مسجد کی دیوار کود کر مارنے کو آپڑے
وہاں جب اور لوگوں کو دیکھا جو اون کو
قتل سے بچا سکیں تو اونہوں نے یہ جھوٹی
بات بنائی - کہ ہم دو جھگڑنے والے ہیں جیسا
قرآن میں بیان ہوا ہے - آب یہاں یہ
سوال ہوتا تھا کہ اس صورت میں وہ کونسا
امر ہوا جس سے وہ بچائے گئے - اور
حضرت داؤد کا گناہ کیا تھا جس سے انہوں
نے بخشش مانگی - تو اسکا جواب امام
رازی نے یہ دیا ہے کہ جن الفاظ سے حضرت
داؤد کا گناہ نکالا جاسکتا ہے وہ صرف
چار لفظ ہیں - فتناہ - فاستغفر
اناب - فغفرنا لہ مگر ان الفاظ اربعہ سے
وہ گناہ ثابت نہیں ہوتا جو منکرین عصمت
بیان کرتے ہیں - ان الفاظ کی کئی وجہ سے
ایسی تقریر ہو سکتی ہے - کہ حضرت داؤد
کا ویسا گناہ لازم نہ آئے - وجہ اول یہ کہ

یشتغل بالانتقام منهم الا انه مال الی الصفح - والتجاوز عنهم طلبا لمرضاة الله وکانت هذه الواقعة هی الفتنة لانها جاریة مجری الابتلاء والامتحان ثم انه استغفر ربه فیما هم من الانتقام منهم وتاب عن ذلک واناب فغفر له ذلک القدر من الهم والعزم (تفسیر کبیر ص۱۸۹ جلد ۷)

جب وہ لوگ قتل کے ارادہ سے مسجد میں داخل ہوئے - اور حضرت داؤد کو اسکا علم ہوگیا تو اون کو غصہ اس امر پر باعث ہوا کہ وہ اس ارادہ کے انتقام میں اون کو قتل کردیں پھر وہ اس غصہ کو ضبط کرکے درگذر کیطرف مائل ہوئے - اور خدا کی رضامندی کے لئے اون کے قصور کو معاف کیا - یہی امر اون کی آزمائش کا تھا - اِسمیں آپ کا جانچنا اور امتحان کرنا تھا - کہ وہ درگذر کرتے ہیں یا بدلہ لیتے ہیں - پھر اونہون نے اپنے اس ارادہ قتل و انتقام کی خدا سے معافی چاہی - اور اس سے [illegible] اور خدا کی طرف رجوع ہوئے اور اسی کو خدا تعالے نے معاف کیا -

اس وجہ کے علاوہ تین وجہ اور امام صاحب نے بیان کی ہیں جنسے ثابت ہوتا ہے

ثبت بهذه البیانات انا اذا حملنا هذه الآیات علی هذا الوجه فانه لا یلزم اسناد شئ من الذنوب الی داود علیه السلام بل ذلک یوجب اسناد اعظم الطاعات ثم نقول حمل الآیة علیه اولی بوجوه الی ان فصلها باربعة وجوه (تفسیر کبیر ص۱۸۹ جلد ۷)

کہ ان الفاظ اربعہ سے حضرت داؤد کا مرتکب گناہ ہونا نہیں نکلتا اسکے بعد امام نے کہا ہے کہ جب آیت کے یہ معنے ہون کہ جو لوگ آپ کے پاس آئے تھے وہ دشمن تھے تو اس سے کسی قسم کا گناہ (نہ صغیرہ نہ کبیرہ) حضرت داؤد کیطرف منسوب نہیں ہوتا بلکہ یہ معنے ان کے بڑے بھاری طاعت ثابت کرتے ہیں - پھر امام نے فرمایا کہ اس آیت

یہی معنے مراد لینا دوسرے معنے مراد لینے سے بہتر ہے۔ اور اس امر کو چار دلیل سے ثابت کیا۔ جسکا ذکر ہمنے طوالت کے خوف سے چھوڑ دیا۔

بالجملہ حضرت داؤد اس فعل ہیں جو کہ آیت مذکورہ میں منقول ہوا ہے کسی گناہ کے مرتکب نہیں ہوئے۔ بلکہ ایک امر خلاف افضل کے جس سے اون کی عصمت باطل نہیں ہوتی۔ یا ایک ایسے امر کے مودی ہوئے ہیں جو افضل تھا۔ اور اس سے اون کی عصمت کی تائید نکلتی ہے۔

وازانجملہ قصہ حضرت سلیمان ہے۔ جسکا اس آیت میں ذکر کہ ہمنے سلیمان

ولقد فتنا سلیمان والقینا علی کرسیہ جسدًا ثم اناب فقال رب اغفر لی۔ (ص ۔ ع ۔ ۳ ۔)	کو جانچا۔ اور اوسکے تخت پر ایک دھڑ ڈال دیا پھر وہ خدا کی طرف رجوع ہوا۔ اور بولا اے میرے رب میرا گناہ معاف کر۔

[illegible] عجیب قصے نقل کئے ہیں کہ حضرت سلیمان کی بیوی تصویر پرست تھی۔ آپ نے اس سے غفلت کی تو آپ پہ یہ بلا پڑی کہ جو انگوٹھی آپ کے ہاتھ میں تھی اور اسی کے سبب آپ بادشاہی کیا کرتے تھے۔ وہ صخر جنی کے ہاتھ آگئی۔ وہ اُس انگوٹھی کو پہن کر سلیمان کی شکل بن گیا۔ اور آپکی جگہ تخت پر بیٹھ گیا۔ اور بادشاہی کرنے لگا۔ اور معاذ اللہ آپ کی عورتوں سے ہمبستری کرتا رہا حیض کی حالت میں بھی اون کو نہ چھوڑتا تھا۔ حضرت سلیمان ڈر کے مارے بھاگ گئے۔ اور مدتوں بھاڑ جھونکتے رہے۔ یا مچھلی پکڑنیوالے شکاریوں کی نوکری کرتے رہے۔ جب وہ انگوٹھی شراب کے نشہ میں صخر کے ہاتھ سے دریا میں گر گئی۔ اور اوسکو مچھلی نگل گئی۔ اور وہ مچھلی پکڑنے والوں کے ذریعہ سے حضرت سلیمان کے ہاتھ میں آئی تو پھر حضرت کو بادشاہی ملی۔ اس مضمون کی تین چار تقریریں اور ہیں جو مفسرین نے نقل کی ہیں۔

ان حکایات کی دست آویز سے منکرین عصمت انبیاء حضرت سلیمان کا گنہگار ہونا
اور اس گناہ کے بدلے سزا پانا نکالتے ہیں۔ اسکا جواب یہ ہے۔ کہ یہ حکایتیں
اور روایتیں سب کی سب محض کذب ہیں۔ اور یہودیوں کے افترا ہیں۔ اسلام کی
تفسیروں میں ان حکایتوں کا داخل ہوجانا ان لوگوں کی بدولت ہوا ہے۔ جو
اہل کتاب اور یہودیوں سے روایات نقل کرنے کے عادی تھے۔ اور درحقیقت
حضرت سلیمان کا جانچا جانا (جسکا اس آیت میں ذکر ہے) ایک ایسے خفیف امر
کے سبب ہوا تھا۔ جو صرف سہو و نسیان پر مبنی تھا۔ نہ کسی گناہ صغیرہ یا کبیرہ
کی وجہ سے اور وہ امر بھی ان ہی تفسیروں (جنمیں وہ حکایات مفتریات منقول
ہیں) ذکر کیا گیا ہے۔ اور حدیث کی کتاب صحیح بخاری میں جو بعد کتاب اللہ
اصح الکتب مانی جاتی ہے۔ وہ امر مروی ہے۔ پھر تعجب صد تعجب ہزار تعجب کہ
ان مفسرین نے باوجود علم و نقل [illegible] ان جھوٹی حکایتوں کو بھی اپنی
تفسیروں میں نقل کردیا۔ اور ان کے سبب ناواقف مسلمانوں کو دہوکہ اور غلطی
میں ڈالا۔ مگر خدا کا شکر ہے کہ ان ہی مفسروں میں ایسے لوگ بھی ہو گذرے ہیں
جو ان حکایتوں کو موضوع اور مکذوب بتا چکے ہیں۔ اور اپنے بھائی مفسرون کے گناہ
(نقل و بیان مذکور) کا کفارہ ادا کرچکے ہیں۔

ہم پہلے ان حکایات کے موضوع و مفترے ہونے پر ان مفسرین کی شہادت پیش
کرتے ہیں پھر وہ امر بیان کریں گے جس کے سبب حضرت سلیمان جانچے گئے تھے
اور وہ امر سہو و نسیان سے بڑھ کر نہیں ہے۔

صاحب کشاف نے کہا ہے کہ "جو انگوٹھی اور شیطان اور حضرت سلیمان
کے گھر میں صورت پرستی کی حدیث نقل کیجاتی ہے۔ اوس کی صحت کا علم خدا ہی کو

اما مایروی من حدیث الخاتم والشیطان وعبادۃ الوثن

فی بیت سلیمان فاللہ اعلم بصحتہ الی ان روی الحدیث بطولہ۔ ثم قال ولقد ابی العلماء المتقنون قبولہ وقال ھذا من اباطیل الیھود و الشیاطین لا یتمکنون من مثل ھذہ الافاعیل وتسلیط اللہ ایاہم علی عبادہ حتی یقعوا فی تغییر الاحکام وعلی نساء الانبیاء حتے یفجروا بھن قبیح (کشاف صہ ۱۲۳)

قال العلامۃ النسفی فی المدارک واما ما روی من حدیث الخاتم والشیطان وعبادۃ الوثن فی بیت سلیمان فمن اباطیل الیھود (فتح البیان صہ ۲۴ جلد ۴۔)

ہے پھر اسحدیث کو نقل کیا۔ پھر کہا کہ علماء جو (حدیث میں) مضبوطی رکھتے ہیں اس حدیث کی صحت سے انکاری ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث یہودیوں کی باطل من گھڑت ہے۔ اور شیطانوں کو ایسی قدرت نہیں ہے۔ اور خدا تعالےٰ کا اون کو اپنے بندوں پر ایسا تسلط دیدینا کہ وہ احکام شرع کو بدل دیں۔ اور نبیوں کی بیویوں سے بدکاری کریں۔ قبیح امر ہے۔" یعنے خدا کی شان اور لطف سے بعید ہے۔

ایسا ہی علامہ نسفی صاحب مدارک نے کہا ہے۔ چنانچہ فتح البیان میں اُنسے نقل کیا ہے۔

فتح البیان میں جو اس قول کو نقل کرنے کے بعد کہا ہے کہ اس آیت کو یہودیوں کی باطل روائیتوں سے شمار کرنا مناسب نہیں۔ کیونکہ اسحدیث کو نسائی وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ اور سیوطی نے اسکی سند کو قوی کہا ہے۔ چنانچہ آیندہ بیان ہوگا یہ تعجب کا محل ہے۔ نسائی کا اسحدیث کو روائیت کرنا اور سیوطی کا اسکی سند کو قوی کہنا یا حاکم کا اوسکو صحیح کہدینا۔ اس حکائیت کو لائق اعتبار نہیں بنا دیتا۔ اور اس امر کی نفی نہیں کرتا کہ وہ یہودیوں کا افترا ہو۔ صحیحین کے سوا ان کتابوں میں جو صحاح ستہ کہلاتے ہیں یا جو اور تیسرے یا چوتھے طبقہ کی

کتابیں ہیں صحت کا التزام نہیں ہے۔ اون میں ایسی بھی حدیثیں ہیں جنکو آئمہ حدیث نے
موضوع کہا ہے۔ (موضوعات ابن الجوزی ملاحظہ ہو) اور کسی حدیث کی سند صحیح یا قوی
ہونے سے اوسکی صحت ثابت نہیں ہوتی۔ جب تک کہ متن اور علتوں سے محفوظ نہ ہو
اور خاصکر سیوطی کا کسی سند کو قوی کہنا کچھ وقعت نہیں رکھتا۔ اور حاکم کی تصحیح لائق
اعتماد نہیں۔ ان مسایل کی دلیل وتفصیل کتب اصول حدیث مقدمہ ابن الصلاح
وغیرہ میں ہے۔ اور جلد ہٰی گذشتہ اشاعۃ السنۃ میں بھی ہو چکی ہے۔ لہذا ہم اسمقام میں اس
تفصیل سے قلم کو روکتے ہیں۔

امام رازی نے ان حکایات کو نقل کرنیکے بعد انکو بدلایل عقلیہ باطل کیا ہے

واعلم ان اهل التحقيق استبعدوا
هذا الكلام من وجوه الاول ان
الشيطان لو قدر على ان يتشبه
بالصورة والخلقة بالانبياء
فحينئذٍ لا يبقى الاعتماد على شئ من
الشرائع فلعل هؤلاء الذين راهم
الناس فى صورة محمدٍ صلى الله
عليه وسلم وعيسے وموسے عليهم
السلام ما كانوا اولئك بل كانوا
شياطين تشبهوا بهم فى صورهم
لاجل الاغواء والاضلال ومعلوم
ان ذلك مبطل الدين
بالكلية۔

اور کہا ہے۔ کہ اہل تحقیق اس کلام کو (جو
ان حکایتوں میں بیان ہوا ہے) کئی وجہ
سے صحت سے بعید جانتے ہیں۔ وجہ
اول یہ کہ اگر شیطان کو نبیوں کی صورت اور
شکل میں مشابہ بن جانا جایز و ممکن ہے۔ تو
اسصورت میں کسی شریعت پر اعتماد باقی نہیں
رہتا۔ اس خیال سے کہ شاید جنکو لوگوں نے
آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم وعیسے وموسے
علیہم السلام کی صورت میں دیکھا تھا وہ در
حقیقت وہ حضرات نہ ہوں بلکہ شیطان ہو
جو لوگوں کو بہکانے کے لیئے ان حضرات
کی شکل بن گیا ہو۔ اور یہ ظاہر ہے کہ ایسا
خیال دین کو بالکل باطل کردیتا ہے۔

الثانی ان الشیطان لو قدر علی ان یحامل نبی الله سلیمان بمثل هذه المعاملة لوجب ان یقدر علیها مع جمیع العلماء والزهاد وحینئذ وجب ان یقتلهم وان یخرق تصانیفهم وان یخرب دیارهم ولما بطل ذلک فی احاد العلماء فلان یبطل مثله فی حق اکابر الانبیاء اولی۔

الثالث کیف یلیق بحکمته الله واحسانه ان یسلط الشیطان علی ازواج سلیمان ولاشک انه قبیح

والرابع لو قلنا ان سلیمان اذن تلک المراة فی عبادة تلک الصورة فهذا الکفر منه وان لم یاذن فیه البتة فالذنب علی تلک المراة فکیف یواخذ الله سلیمان بفعل لم یصدر منه (تفسیر کبیر صـ۲۲ جلد ۷)

وجہ دوم - یہ کہ اگر شیطان کو نبی سے ایسا معاملہ جایز ہے تو اور علماء اور زاہدوں سے بطریق اولے جایز ہوگا۔ اسصورت میں اُسے چاہیئے کہ ان علماء کو قتل کر ڈالے اور اونکی کتابیں پھاڑ دے۔ اور اون کے گھر اوجاڑ دے۔ جب اسکا ایسا کرنا عام علماء کے حق میں باطل ہے۔ تو اکابر انبیاء کے حق میں ایسا کرنا بطریق اولے باطل ہونا چاہیئے۔

وجہ سوم - یہ کہ خدا کی حکمت اور مہربانی کی نسبت یہ امر کیونکر مناسب و لایق ہو کہ وہ شیطان کو نبی کی بیویوں پر شہوت رانی کے لئے مسلط کرے۔ یہ امر تو بلاشک قبیح ہے۔

وجہ چہارم - یہ کہ اس صورت پرستی کے لئے حضرت سلیمان نے اذن دیدیا تھا۔ تو ان کو کافر کیوں نہیں کہتے۔ اور اگر انکا اذن نہ تھا تو اس عورت کے جرم کے سبب حضرت سلیمان پر ایسا سخت مواخذہ کیونکر ہوا۔

یہ اس قصہ کے رد میں مفسرین کے اقوال ہیں اب وہ امر بیان کیا جاتا ہے۔ جس کے سبب حضرت سلیمان جانچے گئے۔

صحیح بخاری میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا حضرت

عن ابی ھریرۃ عن النبیؐ صلی اللہ علیہ وسلم قال قال سلیمان بن داؤد لاطوفن اللیلۃ علی سبعین امراۃ تحمل کل امراۃ فارسا یجاھد فی سبیل اللہ فقال لہ صاحبہ انشاء اللہ فلو یقل فلم تحمل شیئاً الا واحدا ساقطا احد شقیہ فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لو قالھا لجاھدوا فی سبیل اللہ [illegible] قال شعیب وابن الزناد تسعین وھو اصح (صحیح بخاری صـــ ۴۸۷)

داؤد کے بیٹے (حضرت) سلیمان نے کہا۔ آج رات میں ستر عورتوں سے ہم بستری کرونگا وہ سب کی سب حاملہ ہو کر سوار جنگیں جو خدا کے راہ میں جہاد کرینگی۔ اوسکے ساتھی (فرشتہ یا مصاحب انسان) نے انشاء اللہ کہا۔ پر سلیمان نے نہ کہا۔ (یعنے آپ انشاء اللہ کہنا بھول گئے) تو کوئی عورت حاملہ نہ ہوئے بجز ایک کے جو ایک بچہ جنی جسکا ایک پہلو مارا ہوا تھا۔ آنحضرت نے فرمایا کہ اگر وہ انشاء اللہ [illegible] اور وہ فی سبیل اللہ جہاد کرتے۔ اشعث اور ابن الزناد راویوں نے اس روایت میں بجائے ستّر نوّے کہا ہے اور وہی صحیح ہے۔

اس حدیث کو مفسرین صاحب معالم ابو السعود وغیرہ جنہوں نے اس موضوع حکایت بیہود کو بھی نقل کیا ہے ۔اپنی تفاسیر میں لائے اور اوسکو اس آیت کا ایک محمل و مورد نزول بتاگئے ہیں۔

امام رازی نے تفسیر کبیر میں اس حکایت موضوعہ کو رد کرنے کے بعد کہا ہے

واما الوجوہ التی ذکرھا اھل التحقیق فی ھذا الباب فاشیاء الاول ان فتنۃ سلیمان انہ

کہ اس آیت کی تفسیر میں جو وجوہات اہل تحقیق نے بیان کئے ہیں وہ کئی ہیں۔ اول یہ کہ سلیمان کا پکا جانا یوں ہوا۔ کہ

ولد له ابن فقالت الشیاطین ان عاش صار مسلطاً علینا مثل ابیه فسبیلنا ان نقتله نعلم سلیمان ذلك فکان یربیه فی السحاب فبینما هو مشتغل بمهماته اذ القی ذلك الولد میتاً علی کرسیه فتنبه علی خطاءه فی انه لم یتوکل علی الله فاستغفر ربه واناب - الثانی روی عن النبی صلی الله علیه وسلم انه قال سلیمان لاطوفن اللیلة علی سبعین امراة کل واحدة تاتی بفارس مجاهد فی سبیل الله فقال له صاحبه ان شاء الله فلم یقل ان شاء الله فطاف علیهن فلم تحمل الامراة واحدة جاءت بشق رجل فجئ به علی کرسیه فوضع فی حجره فذلك قوله ولقد فتنا سلیمان (تفسیر کبیر صفحہ ۲۰۳ جلد ۷ -)

آپ کے ہاں بیٹا پیدا ہوا تو جنوں نے کہا کہ اگر یہ جیتا رہا تو باپ کی طرح ہم پر مسلط ہوگا ہمارا بچاؤ اسمیں ہے کہ اوسکو قتل کر ڈالیں. یہ سُنکر حضرت سلیمان نے اوسکو بادلو نمیں پرورش کرنے کے لئے رکھا - ایک دن وہ اپنی مہمات میں مشغول تھے کہ یکایک وہ لڑکا مرا ہوا اُنکے تخت پر آپڑا - اس سے وہ اپنے خطا پر متنبہ ہوئے کہ مینے خدا پر توکل نہ کیا تھا - پھر بخشش مانگنے لگے اور خدا کی طرف رجوع ہوئے **دوسری وجہ** یہ کہ آنحضرت صلعم سے حدیث مروی ہے - پھر اسحدیث کو جو صحیح بخاری سی منقول ہوئی، بیان کیا - اور اوسکے اخیر میں ذکر کیا کہ وہ آدھا انسان اون کی کرسی پر اون کی گود میں رکھا گیا - یہی اس قول خداوندی سے مراد ہے کہ ہم نے سلیمان کو جانچا - یعنے سلیمان نے انشاء اللہ کہنے کے بغیر وہ کلمہ کہا - تو ہمکو پسند نہ آیا تب ہمنے مرا ہوا دھڑ اوسکی کرسی پر ڈالدیا جبپر وہ اپنی بھول کی بخشش مانگنے لگا - اور ہماریطرف رجوع ہوا -

ان دو وجوہ کے سواء دو وجہ امام رازی نے اور بیان کی ہیں جنسے حضرت سلیمان کا اس افترا یہود سے بری ہونا ثابت ہوسکتا ہے۔ اور چونکہ وہ وجوہات صرف عقلی ہیں جنکو بمقابلہ اس وجہ کے جو امام صاحب نے اور ہمنے بدست آویز حدیث صحیح بخاری کے بیان کی ہے۔ کوئی وقعت نہیں ہے۔ لہذا انکے نقل و بیان سے ہمنے تعرض مناسب نہیں سمجھا۔

اسمقام میں ایک تعجب کے ساتھ ذکر کرنے کے لایق یہ امر بھی ہے۔ کہ تہذیب الاخلاق ماہ جمادی الاولی ۱۳۱۴؁ھ میں بصفحہ ۱۵۱ جہاں ان حکایات مفتریات یہود کو (جنکے رد میں ہمنے ان سے زیادہ مبالغہ کیا ہے۔ اور اسنے بڑھ کر اسکا ثبوت دیا ہے۔) رد کیا ہے۔ وہاں اسحدیث کے مضمون کو جو ہمنے صحیح بخاری سے نقل کیا ہے نیز رد کیا ہے۔ اور کہا ہے۔ "نہایت تعجب حضرت شاہ ولی اللہ صاحب سے ہے کہ انہوں نے اس سے بھی (یعنی حکایت مفتریات یہود سے) زیادہ لغو اور مہمل قصہ اپنے ترجمہ قرآن کے حاشیہ پر لکھا ہے۔ اور بعض تفسیروں میں بھی یہ مہمل قصہ مندرج ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں کہ سلیمان علیہ السلام از امرار خود منغص شدہ بخاطر آورد کہ امشب باصد زن صحبت دارم کہ ہر زنے پسرے زاید۔ وہریکے شہسوارے باشد جہاد کنندہ و مرا احتیاج تملق امرا نیفتد۔ فرشتہ گفت انشاء اللہ تعالے۔ بگو سلیمان سہو کرد پس ہیچ زن حاملہ نشد۔ الا یک زن طفل ناقص الخلقت زاد و آن طفل را بر تخت سلیمان انداختند۔ سلیمان متنبہ شد۔ و رجوع برب العزت کرد"۔

ایسے مہمل قصے جبکہ ایسے بڑے عالموں سے لکھے جاویں تو اور لغو نویسوں کا کیا پوچھنا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کو ہمیں شبہہ ہوگیا کہ وہ کون لڑکا تھا جو سلیمان کے تخت پر ڈالا گیا۔ حالانکہ وہ لڑکا نہیں تھا جسکو انہوں نے ایک جھوٹی قصہ کا لڑکا خیال کیا ہے۔ بلکہ وہ مرا ہوا لڑکا تھا جسکا ذکر آگے ہوگا"۔

پھر اس پرچہ کے صفحہ ۱۵۲ میں اس مرے ہوئے لڑکے کے بیان اور اس آیت کے مصداق اور مورد نزول کی تعیین میں کہا ہے "مگر خدا رحمت کرے۔ نواب اعظم یار جنگ مولوی چراغ علی مرحوم پر کہ انہوں نے نہایت تفتیش سے اس اصلی قصہ کو ڈھونڈ کر نکالا۔ وہ لکھتے ہیں۔ دراصل جس قصہ کا اس آیت میں اشارہ ہے وہ قصہ کتاب ملاخیم میں لکھا ہوا ہے۔ چنانچہ اوّل کتاب ملوک کے فصل سوم میں لکھا ہے۔ (۱۶) انگاہ دو زن زانیہ نزد ملک آمدہ درحضورش ایستادند۔ (۱۷) ویک زن گفت کہ اے خداوند من وایں زن دریک خانہ ساکنیم۔ ودراں خانہ نزد او وضع حمل نمودم۔ (۱۸) و واقع شد کہ بعد از وضع حمل من روز سوم این زن نیز زائید و باہمدیگر بودہ دیگرے با ما در خانہ نبود بلکہ سوائے ما دو نفر احدے دراں خانہ نبود۔ (۱۹) و پسر این زن بوقت شب مرد۔ زیرا کہ او بر رویش خوابیدہ بود۔ (۲۰) و وقت نیم شب برخاستہ پسر مرا از پہلوے من وقتیکہ کنیزکت خوابیدہ بود از من گرفت و دربغل خود خوابانید۔ (۲۱) وصبحدم وسیلہ برائے شیر دادن برخاستم اینک مردہ است وصبحدم او را تشخیص نمودہ اینک پسرے کہ زائیدہ بودم نبودہ است (۲۲) وزن دیگر عرض کرد کہ نے بلکہ پسر زندہ از من است و پسر مردہ از تست۔ وآں دیگرے گفت نے بلکہ پسر مردہ از تست و پسر زندہ از من است وچنیں درحضور ملک مے گفتند (۲۳) پس ملک گفت کہ ایں یکے مے گوید کہ پسر زندہ از من است وآں پسر مردہ از تست وآں دیگرے مے گوید کہ نے بلکہ پسر مردہ از تست و پسر زندہ از من است (۲۴) ملک گفت کہ شمشیر را بمن آورید۔ وشمشیر را نزد ملک آوردند۔ (۲۵) و ملک فرمود کہ پسر زندہ را بدو حصہ تقسیم نمائید ویک نیمہ بایں بدہید ونیمہ دیگر بدیگری (۲۶) وزنے کہ پسر زندہ از آن او بود درحالتے کہ رحمش بر پسر او مضطراب مے کرد بملک متکلم شدہ گفت کہ اے خداوند پسر زندہ را باو بدہید والبتہ او را نکشید۔ اما آن

دیگرے گفت کہ نہ ازان من و نہ ازان تو باشد او را تقسیم نمائید۔ (۲۷) پس ملک جواب داد فرمود کہ پسر زندہ را باو بدہید۔ و او را البتہ مکشید کہ مادرش اوست (۲۸) و تمامی اسرائیل حکمے کہ ملک اجرا داشتہ بود شنیدہ و از ملک ترسیدند زیرا کہ دیدند کہ در قلبش حکمت خدائیست تا آنکہ حکم را جاری سازد۔

اس قصہ سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ وہی مرا ہوا بچہ سلیمان کے تخت پر ڈالا گیا تھا جسکی نسبت خدا نے فرمایا ہے۔ والقینا علی کرسیہ جسداً پہلی دفعہ حضرت سلیمان نے حکم دیا تھا کہ دوسرے زندہ بچہ کو تلوار سے کاٹ کر دو ٹکڑے کئے جاویں۔ ایک ٹکڑا ایک عورت کو اور ایک ٹکڑا دوسری عورت کو دیا جاوے مگر جب اوس عورت نے جو درحقیقت زندہ بچہ کی ماں تھی اپنے دعوے سے دستبرداری کی اور کہا کہ بچہ دو ٹکڑے نہ کیا جاوے بلکہ اوسی عورت کو دیدیا جاوے جس نے اس بچہ پر جھوٹا دعوے کیا تھا۔ تو حضرت سلیمان سمجھے کہ درحقیقت یہی اس زندہ بچہ کی ماں ہے جو اسکا تلوار سے دو حصہ ہونا نہیں چاہتی۔ پس حضرت سلیمان نے اپنے پہلے حکم سے رجوع کی اور یہ حکم دیا کہ یہ بچہ اسکو دیدیا جاوے جس نے اوس کے دو ٹکڑے ہونے کو منظور نہیں کیا۔ اسکی نسبت خدا نے فرمایا ثم اناب۔ اور حضرت سلیمان نے خدا سے اپنے پہلے حکم کی نسبت معافی چاہی۔ اور کہا رب اغفر لی۔ پس یہ صاف قصہ ہے جسکی نسبت قرآن مجید میں اشارہ ہے"۔

اس بیان صاحب تہذیب الاخلاق پر ہمکو کئی وجہ تعجب ہے جنکو ہم کمال اخلاص سے ظاہر کرتے ہیں۔ صاحب تہذیب اور اُن کے اتباع بھی اگر اخلاص سے ان کو سنینگے تو یقین ہے اس سے جانبین کو فایدہ پہنچیگا انشاءاللہ تعالے۔

وجہ اول یہ کہ صاحب تہذیب کا ایک ایسے قصہ کو جسکا اصل مطلب حدیث صحیح البخاری (اصح الکتب بعد کتاب اللہ) میں موجود ہے۔ حکایت مفتریہ یہود سے

بھی زیادہ لغو و مہمل کہنا اور پھر اس دعوے لغویت کی کوئی وجہ بتانا کمال تعجب کا محل ہے۔ آپ اگر اپنے اصول و عادت کے موافق صرف یہ کہتے کہ اس حدیث میں دو جگہ عن کا لفظ آیا ہے یا کچھ لفظی اختلاف روایات (سبعین و تسعین وغیرہ) بیان کرکے کہدیتے کہ یہ روایت بالمعنے ہے۔ لہذا یہ یقیناً رسول کا قول نہیں۔ اور ہمکو اسکی صحت میں شک ہے یا اسمیں کوئی تاویل کردیتے تو ہم اسپر تعجب نہ کرتے۔ اور ان خودساختہ اصول کی پابندی سے ایسا کہنے میں اونکو معذور سمجھتے۔ مگر اونہوں نے اپنے ان معمولی الفاظ کو چھوڑکر اس قصہ کی نسبت یہ الفاظ کہدیئے کہ یہ قصہ حکایت مفتریہ یہود سے زیادہ لغو و مہمل ہے۔ تو اوپر تعجب کیوں نہ ہو۔ کبھی حدیث صحیح بخاری کی نسبت کسی مسلمان سلف یا خلف نے ایسے الفاظ نہیں کہے۔ آپ نے ان سب کا خلاف کرکے دعوے کیا تھا تو اوسکو مدلل کیا ہوتا۔ آپ کا اس دعوے کو بے دلیل چھوڑ دینا زیادہ تعجب کا محل ہے۔

اگر صاحب تہذیب یہ عذر کریں کہ ہمنے اصل مطلب حدیث کو جو بخاری میں آئی ہے اور وہ صفحہ (۹۵) اشاعۃ السنۃ کے منقول ہے۔ لغو و مہمل نہیں کہا۔ بلکہ ان حواشی و زوائد کو جو شاہ صاحب وغیرہ مفسرین نے ملا دیئے ہیں کہ حضرت سلیمان امراء سے منغص خاطر ہوئے تو وہ کلام بولے۔ اور اس سے یہ مقصد ظاہر کیا کہ مجھے اپنے ارکان و امراؤں کی ضرورت و حاجت باقی نہ رہے۔ اون کو لغو و مہمل کہا ہے کیونکہ یہ شیخ چلی کیسے خیالات ہیں۔ کہ موجودہ سٹاف اور ارکان دولت سے ایسے خیال سے مستغنے ہونا کہ میرے ہاں نوے بیٹے ہونگے۔ تو اونکو ارکان دولت بناؤنگا شیخ چلی کی سی باتیں ہیں۔ جو اوس سے منقول و مشہور ہیں۔ تو اس عذر پر ہم صاحب تہذیب کو معذور سمجھ کر تعجب سے بری کرینگے۔ مگر اسکی شرط یہ ہے کہ اسصورت میں وہ اصل قصہ کو جو حدیث بخاری میں آیا ہے مان لیں اور اوسکو آیت کی تفسیر قرار دیں۔ اگر

وہ اس قصہ کا لائق تفسیر آیت قرآن ہونا ہماری کلام آئندہ میں ثابت و مدلل ہونا دیکھ لیں۔

وجہ دوم۔ تعجب یہ ہے کہ انہوں نے مولوی چراغ علی صاحب بہادر کی اس بہادری کا کہ انہوں نے یہودیوں کی کتاب سے ایک مردہ لڑکے کا قصہ ڈہونڈ کر نکالا ہے۔ شکریہ ادا کیا۔ اور اُنکو دعا خیر سے یاد فرمایا۔ حالانکہ جس لڑکے کو حضرت سلیمان کے حضور میں پہنچایا گیا تھا۔ اور اوسکے حق میں حضرت سلیمان نے فیصلہ کیا تھا۔ اوسکا قصہ صحیح بخاری میں موجود ہے۔[له]

له وہ حدیث یہ ہے۔ جو صحیح بخاری کے صفحہ ۴۸۶ میں موجود ہے۔ جسکا مضمون یہ ہے

وكانت امرأتان معهما ابناهما جاء الذئب فذهب بابن احدهما فقالت صاحبتها انما ذهب بابنك وقالت الاخرى انما ذهب بابنك فتحاكما الى داود فقضى للكبرى فخرجتا الى سليمان بن داود فاخبرتاه فقال ائتونى بالسكين اشقه بينهما فقالت الصغرى لا تفعل يرحمك الله هو ابنها فقضى به للصغرى

کہ دو عورتوں کے دو بچے تھے۔ بھیڑیا آیا تو ایک کے بچہ کو لے گیا۔ اوسکے ساتھ والی بولی کہ تیرے بچہ کو بھیڑیا لے گیا۔ وہ بولی تیرے بچہ کو لے گیا۔ دونوں کا جھگڑا حضرت داؤد کے پاس پہنچا۔ آپ نے وہ بچہ بڑی کو دلوایا۔ پھر وہ حضرت سلیمان کے پاس آئیں اور اس حال کے مظہر ہوئیں تو آپ نے فرمایا چھری لاؤ میں دونوں میں اسکو چیر کر بانٹ دوں۔ اون میں سے چھوٹی بولی کہ آپ ایسا نہ کریں خدا آپ پر رحم کرے یہ لڑکا اسی کا ہے یعنے بڑی کا آپ نے اس سے یہ سمجھ لیا کہ لڑکا چھوٹی کا ہے جسنے کاٹنے سے روکا ہے۔ پھر اسیکو دلوالایا۔

اس حدیث اور روایت کتاب یہود کا گوان چار باتوں میں اختلاف ہے کہ وہ

بقیہ حاشیہ برصفحہ (۱۰۲)

یہودیوں کی کتاب میں تو صرف دوسرے مردہ لڑکے کا ذکر زیادہ ہوا ہے
جسکا نہ حضرت سلیمان کے پاس پہنچایا جانا ثابت ہے۔ نہ اوس لڑکے مُردہ کی نسبت
حضرت سلیمان کا کوئی حکم دینا منقول ہے۔

پھر مولوی چراغ علی صاحب اپنا گھر چھوڑ کر یہودیوں کے ہاں کیوں گئے۔ اور
صاحب تہذیب انکے اس فعل کے سبب کیوں شکر گذار ہوئے۔ مولوی
چراغ علی صاحب نے اتنا نہ سمجھا کہ جس زندہ لڑکے کو حضرت سلیمان کے پاس وہ

بقیہ حاشیہ صفحہ (۱۰۱)

(۱) دونوں عورتیں زانیہ تھیں۔ یا نہیں (۲) اور ایک کا لڑکا اوسکے پہلو میں سوتے
ہوئے مرا یا اوسکو بھیڑیا لے گیا۔ (۳) اور وہ مقدمہ حضرت داؤد کے پاس پہلے پیش
ہوا۔ (۴) اور اوس زندہ لڑکے کا کاٹنے کو اپنی چھری مانگی یا تلوار مانگی۔ مگر یہ اختلاف
اصل حال سے جو غرض کے متعلق ہے خارج ہے۔ اور اصل حال متعلق غرض دونو کا
ایک ہے جو دو کا اتفاقی ہے کہ (۱) دو عورتیں زندہ لڑکے کو حضرت سلیمان کے
پاس لے گئیں تھیں۔ (۲) اور اُسی لڑکے کی نسبت حضرت سلیمان نے حکم دیا تھا۔ (۳) اس
لڑکے کے سوا، کوئی مردہ لڑکا نہ حضرت سلیمان کے پاس گیا۔ نہ اُنہوں نے اوس کی
نسبت کچھ حکم دیا۔

مولوی چراغعلی صاحب اور صاحب تہذیب الاخلاق زندہ لڑکے کا لحاظ کرتے تو
اس کتاب یہود کی روائت کو چھوڑ کر صحیح بخاری کی روائت اخذ کرتے۔ نہ برعکس عملیں
لاتے۔ اور اگر مردہ لڑکے کا لحاظ تھا۔ تو اس روائت کتاب یہود کو بھی چھوڑ دیتے
اور یہ خیال کرتے کہ جس مردہ لڑکے کو ہمنے سلیمان کی کرسی پر پہنچایا۔ اور اسکے ذریعہ
سے اس قصہ کو آیت کی تفسیر بنانا چاہا ہے۔ اس لڑکے کا تو ہمیں حضرت سلیمان
کے پاس پہنچایا جانا۔ یا اونکے تخت یا کرسی پر ڈالا جانا بیان نہیں ہوا۔ پھر ہم اس روایت
سے کیوں تمسک ہوتے ہیں۔ فاعتبروا یا اولی الالباب ؏

عورتاں لے گئیں - اور جس لڑکے کی نسبت حضرت سلیمان نے حکم دیا اوسکا ذکر تو حدیث
میں موجود ہے - اور جس مردہ لڑکے کا ذکر یہودیوں کی کتاب میں زیادہ ہوا ہے - اسکو
حضرت سلیمان کے پاس ان عورتوں کا لیجانا - اور حضرت سلیمان کا اوس کی نسبت کوئی
حکم دینا اس کتاب میں بھی پایا نہیں جاتا - پھر ہم اپنی کتاب چھوڑ یہودیوں کی کتاب سے
کیوں متمسک ہوتے ہیں - اور صاحب تہذیب الاخلاق نے یہ خیال نہ فرمایا - کہ ہم
تو ہمیشہ ان باتوں کو جو مفسرین نے یہودیوں سے لی ہیں رد کیا کرتے ہیں - پھر مولوی
صاحب کے اسلامی روائت چھوڑ کر یہودی روائیت کے (جسکو ہمارے مدعا سے کوئی
تعلق نہیں ہے - چنانچہ وجہ سوم میں معلوم ہوگا) نقل کرنے پر ہم اونکا کیوں شکریہ
ادا کرتے ہیں اور وہ اس فعل میں شکریہ کے لائق کب ہو سکتے ہیں -

وجہ سوم تعجب یہ ہے - کہ اس روایت کتاب یہود کو صاحب تہذیب اور
مولوی چراغ علی صاحب کے مدعا سے کوئی تعلق نہیں ہے - یہ روائیت اس آیت
قرآن کی تفسیر اس صورت میں ہو سکتی تھی کہ اس روایت میں مردہ لڑکے کا ان عورتوں کا
حضرت سلیمان کے پاس لیجانا اور اونکی کرسی پر ڈال دینا اس یہودی کتاب میں بیان
ہوا ہو - ان امور کا تو اس کتاب یہود میں نام و نشان نہیں - حضرت سلیمان کے حضور
میں تو اوسی زندہ لڑکے کو دو نو عورتوں کا لیجانا - اور اوسی کی نسبت حضرت سلیمان کا
یکے بعد دیگرے حکم دینا ثابت و مصرح ہے - پھر ہم اس روایت کتاب یہود سے کس وہم و خیال سے
متمسک ہوتے ہیں - اس تمسک میں ہم اور ہمارے پیشرو مولوی چراغ علی صاحب صریح اور فاش
غلطی نہیں کرتے تو پھر دنیا میں غلطی کرنا کس چیز کا نام اور کس شخص کا کام

وجہ چہارم یہ کہ قطع نظر اس ڈبل اور فاش غلطی کے حکم اول حضرت سلیمان کی
نسبت صاحب تہذیب کا خیال کرنا کہ پہلے اپنے وہ حکم قطعی اور جزمی طور پر دیدیا -
پھر جب عورت کو رحمت کے سبب اضطراب کرتے دیکھا تب اوس حکم کو غلط سمجھ کر

منسوخ کیا اور بدلا اور اوس سے رجوع کیا - اور اوس پہلے غلط حکم کے نسبت خدا سے معافی چاہی - اور رب اغفرلی کہا - ایک ایسی ڈبل غلطی ہے - کہ ہر ایک آدمی عقلمند جسنے کچہریوں میں ججوں مجسٹریٹوں کو یہی محلوں کوچوں میں چوہدریوں کی پنچائیت کو حکم کرتا دیکھا یا سُنا ہوگا - ایسی غلطی کا مرتکب نہیں ہوتا - اے حضرت وہ حکم حضرت سلیمان کا قطعی اور جزمی اور عملی (عمل میں لانے کے لائق) حکم نہ تھا جسکو غلط سمجھ کر اُنہوں نے اس سے رجوع کیا - اور اوسکے لئے خدا سے معافی مانگی ہو - وہ تو پہلے ہی سے غیر قطعی و غیر جزمی و غیر عملی صرف آزمائشی حکم تھا - اور اوس حکم کے صادر کرنے سے صرف اس امر کا امتحان منظور تھا - کہ دیکھئے کونسی عورت دونوں میں سے اس بچہ مقتول ہونے پر گھبراتی ہے - اور کون بے پروا رہتی ہے - جو گھبرائیگی وہی اوسکی ماہوگی اس سے زیادہ اس حکم سے عمل ہرگز مقصود نہ تھا - اسصورت میں کب جائز اور عقل کے نزدیک ممکن ہے کہ پہلا حکم غلط و خطا والا تو رجوع ہو تو یہ متصور ہو - اور دوسرا اسکا ناسخ اور بدل بن سکے - حضرت سلیمان تو بادشاہ تھے - پھر بادشاہی کیسے تھی - صاحب وحی والہام وافہام الٰہی - کسی ادنے عقلمند کے پاس کوئی ایسی چیز متنازع فیہ جسکے جسمانی تقسیم سے اور توڑ پھوڑ سے اسکا نقصان ہو (جیسے چکی کا پاٹ یا مٹی کا پیالہ) لے جاؤ تو وہ ہرگز اوسکی نسبت یہ حکم نہ دیگا کہ اوسکو توڑ پھوڑ آدھوں آدھ بانٹ لو۔

پھر کیا حضرت سلیمان کو (عیاذاً باللہ) اتنی عقل بھی نہ تھی کہ وہ انسان کے زندہ بچے کو مٹی کے پیالہ یا چکی کے پتھر کے برابر سمجھے اور اوسکی نسبت ایسا حکم جزمی و قطعی طور پر اور عمل میں لانے کی نیت سے دیدیتے -

صاحب تہذیب مدت تک سمال کاز کوٹ میں جج رہے ہیں - اور آپکے فرزند ارجمند ہائی کورٹ کے جج رہے - ان صاحبوں نے کبھی کسی چیز کی نسبت جو قابل قسمت جسمانی تھا ایسا حکم نہ دیا ہوگا - پھر حضرت سلیمان کی نسبت ایسا حکم عمل میں

لانے کے لئے تجویز کرنا اور پھر اس سے اوسکو غلط سمجھ کر انکا رجوع و توبہ تجویز کرنا اونکو کب جائز و مناسب ہے۔

طرفہ یہ کہ خود اس کتاب یہود کی ۲۸۔ آیت میں ان احکام حضرت سلیمان کو حکمت الہی قرار دیا گیا ہے۔ نہ یہ کہ حکم اول کو جہالت وسفاہت اور صرف دوسرے حکم ہو حکمت پھر اس کتاب کے ماننے والوں کو بھی یہ کب پہنچتا ہے کہ حکم اول سلیمان کو جہالت یا ظلم یا خطا قرار دے۔ اور اس سے انکا رجوع و معافی مانگنا تجویز کریں۔ اس وجہ کو صاحب تہذیب غور سے سنینگے تو امید ہے اپنی اس غلطی کو مان لینگے۔ اور آئندہ پرچہ تہذیب میں اس غلطی کا اعتراف چھاپ کر مشتہر کرینگے۔ اور تفسیر سورۃ ص میں اس غلطی کی اصلاح کر دیں گے۔ انشاء اللہ تعالے۔

پنجم وجہ تعجب یہ کہ صاحب تہذیب نے حضرت سلیمان کے حکم اول کو غلط قرار دیکر اس سے انکے رجوع کو قرآن کے لفظ اناب کا ترجمہ و مصداق ٹھیرایا ہے۔ یہ اون کی ادبی اور عربیت کی غلطی ہے۔ حکم اول حضرت سلیمان کا غلط ہونا اور اوس سے رجوع کرنا مقصود خداوندی ہوتا تو اوسکو لفظ اناب سے تعبیر نہ کیا جاتا۔ بلکہ رجع یا تاب سے کیونکہ انابت عام رجوع یا غلطی سے رجوع پر نہیں بولا جاتا۔ بلکہ اسکا اطلاق خاص رجوع الی اللہ (خدا کیطرف رجوع کرنی) پر ہوا ہے۔ جو ایک اخص اطلاق ہے۔ قرآن میں ارشاد ہوا ہے ویهدی الیه من اناب اے الی اللہ (رعد۔ ع ۳۔) واتبع سبیل من اناب الی (لقمن۔ ع ۲۔) وخر راکعا واناب اے الی اللہ (ص۔ ع ۲۔) و الیک انبنا (ممتحنہ ع ۱۔)

حدیث میں ادعیہ ماثورہ میں وارد ہے الیك انبت۔ مجمع البحار میں ہے الانابة الرجوع الی اللہ بالتوبة من اناب اذا اقبل ورجع۔ قاموس

میں ہے ناب الی اللہ تاب کا ناب ان شواہد سے اطمینان خاطر نہ ہو تو ہمارے دوست مولوی شبلی صاحب نعمانی سے اس کی تحقیق کرالیں جو کالج کے عربی مدرس ہیں

ششم وجہ تعجب یہ ہے کہ روائت کتاب یہود میں مردہ لڑکے کو حضرت سلیمان کے پاس لانے کا ذکر تک نہیں ہے تو اس سے یہ کیونکر ثابت ہوتا ہے کہ وہ لڑکا حضرت سلیمان کے تخت یا کرسی پر ڈالا گیا۔ اور نہ کسی دربار شاہی یا عدالت مجسٹریٹی یا پنچائتی کا دستور و رسم ہے۔ کہ مردہ کو جسکے متعلق کوئی کیس ہو تخت شاہی یا میز ججی یا خاص چوکی یا چارپائی جائے نشست پنچوں پر لا ڈالیں۔ ہاں ہسپتال کی میزوں پر جہاں مردے چیرے جاتے ہیں لاشیں ڈالی جاتی ہیں۔ مگر مردوں کی میز کا نہ قرآن میں ذکر ہے نہ اس کتاب یہود میں۔ پھر وہ قصہ کتاب یہود اس آئت کی تفسیر کیونکر ہو سکتا ہے جس میں یہ بیان ہے کہ حضرت سلیمان کی کرسی پر دھڑ ڈال کر اوسکو آزمایش کیا۔

جب یہ قصہ ان وجوہات سے اس لائق نہ ٹھیرا کہ وہ قرآن کی آئت مذکورہ کی تفسیر ہوسکے تو اب صاحب تہذیب کو بجز اسکے کیا چارہ ہے۔ کہ وہ اس قصہ کو جو حدیث میں آیا ہے۔ اور اسمیں بنا بر بیان امام رازی یہ تصریح بھی موجود ہے کہ وہ مردہ لڑکا حضرت سلیمان کی گود میں انکی کرسی پر لایا گیا تھا۔ اس آیت کی تفسیر و مورد نزول مان لیں۔ کیونکہ وہ حکایات و روایات مفتریات یہود کو ہماری مانند اکاذیب جان چکے ہیں۔ اور امام رازی کے بیان کردہ ان دو وجہوں کو۔ جنکو بمقابلہ روائت حدیث بخاری ناقابل وقعت سمجھ کر ہمنے نقل نہیں کیا۔ وہ ناپسند کر چکے ہیں۔ اور پہلی وجہ بیان کردہ امام صاحب کو کہ وہ آئت اس لڑکے حضرت سلیمان کی نسبت ہے جو بادلوں میں پرورش پاتا تھا۔ وہ بعید از قیاس سمجھ کر

قبول نہ کرینگے۔ پھر اس آئت کا محمل صحیح ہے تو یہی ہے۔ جو حدیث بخاری میں ہی۔ لہذا امید ہے کہ اب اسکے ماننے میں ان کو کوئی عذر نہ ہوگا۔ اور تفسیر سورہ ص میں اس قصہ کو آپ اس آیت کا مورد و محمل قرار دینگے۔ انشاء اللہ تعالےٰ۔

ناظرین و محبین تہذیب الاخلاق و اشاعۃ السنہ ہماری اس نکتہ چینی پر انصاف سے رائے زنی کریں اور آئندہ کے لئے بھی امید رکھیں کہ جس نکتہ چینی تہذیب الاخلاق کا ہمنے رسالہ نمبر ۷ جلد ۱۶ میں وعدہ کیا تھا۔ وہ اسی دوستانہ و ملائمانہ طرز سے ہوگی جسکو صاحب تہذیب بھی پسند کرینگے۔ اور اُسپر داد انصاف دینگے انشاء اللہ تعالےٰ

حضرات انبیاء علیہم السلام سے جنمیں ابتلا الٰہی آیا ایک حضرت ایوب علیہ السلام بھی تھے۔ جنکا سخت تکالیف مالی و جانی و اہلی میں مبتلا ہونا قرآن مجید میں مجملاً اور تفاسیر میں مفصلاً آیا ہے۔ مگر قرآن میں انکا کوئی قصور یا خطا بیان نہیں ہوا۔ اور نہ کسی حدیث صحیح میں اسکا ذکر آیا ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ ابتلا حضرت [illegible] انکی خطا یا گناہ کے بدلے۔ **ان کے سوائے بہت سے انبیاء ہیں** جنکا ذکر قرآن میں ہے جیسے حضرت یعقوب۔ حضرت ہارون۔ حضرت ادریس۔ حضرت شعیب۔ حضرت ہود۔ حضرت صالح۔ حضرت زکریا۔ حضرت یحییٰ۔ حضرت الیسع وغیرہم صلوات اللہ و سلامہ علیہم اجمعین۔ ان سب حضرات کا بھی کوئی گناہ صغیرہ یا کبیرہ یا کوئی خطا و نسیان قرآن اور حدیث صحیح میں نظر سے نہیں گذرا۔

عیسائی جو جملہ انبیاء کو گنہگار جانتے ہیں وہ ان حضرات کا کوئی گناہ بیبل سے نکالیں تو اس سے اہل سلام پر الزام قایم نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ اہل اسلام بیبل کو محفوظ کلام الٰہی نہیں جانتے۔ اور اسمیں یہود و نصاریٰ کے مفتریات کے دخل کا یقین رکھتے ہیں۔ لہذا اہل اسلام کو اس الزام کا جواب دینا ضروری نہیں ہی؛

اب رہی عصمت سید المرسلین و خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم۔ (جنسے عیسائیوں کو زیادہ تر پرخاش ہے۔ اور اون ہی کو گنہگار بنانے کے لئے اون کی سرتوڑ کوشش ہو رہی ہے۔) سو اس عصمت کا ثابت کرنا۔ اور جو اعتراض آپ کی عصمت پر مخالفوں نے اور اسلام کے نادان دوستوں نے کئے ہوئے ہیں۔ اُنکا جواب دینا ہمارا اوّل فرض تھا۔ ہمنے اس کے ادا کرنے کو اسلئے مؤخر کیا کہ اوسمیں ہمکو زیادہ تفصیل سے بحث کرنا۔ اور ریز روڈ فورس دکھانا مدنظر تھا جو خدا کی توفیق اور توقیف سے عمل میں آتا ہے۔

پس واضح ہو کہ جن واقعات اور اقوال خداوندی اور افعال نبوی کی دست آویز سے آنحضرت کی عصمت پر اعتراض کیا جاتا ہے وہ کئی ہیں۔

ازانجملہ ایک واقعہ قرءت سورۃ نجم ہے جسکا ذکر ص۲۹ وغیرہ میں ہوا ہے اور اوسکا جواب بھی ص۳۰ وغیرہ میں گذرا ہے۔

وازانجملہ واقعہ قیدیان بدر ہے جسکا ذکر ص۳۳ میں ہوا۔ اور اُسکا جواب بھی ص۳۴ وغیرہ میں گذرا۔

وازانجملہ واقعہ نکاح حضرت زینب ہے۔ جسکا مفصل ذکر بیان رسالہ نمبر ۲ جلد ۱۷ ص۶۹ میں ہوا ہے۔ اور اس میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ اس نکاح میں آنحضرت نے خدا کا کوئی گناہ نہیں کیا۔

وازانجملہ یہ قول خداوندی ہے جسمیں آنحضرت کو خطاب ہوا ہے۔ کہ ہم نے تجھے بھولا ہوا پایا پس راہ دکھایا۔

(ووجدك ضالا فهدىٰ (والضحیٰ))

وازانجملہ یہ قول خداوندی ہے کہ ہمنے تیرا بوجھ جس نے تیری پیٹھ کو توڑ دیا تھا تجھسے اوتار دیا۔

(ووضعنا عنك وزرك الذی انقض ظهرك (الم نشرح))

منکرین عصمت آنحضرت خصوصاً عیسائی خیال کرتے ہیں کہ آنحضرت دین میں گمراہ تھے۔ اور آپ کی پشت پر گناہوں کا بوجھ تھا۔

اسکا جواب خود ان ہی آیتوں میں موجود ہے کہ جو تھا نبوت سے پہلے تھا خدا نے آپ کو نبی کیا تو آپ کو راہ دکھایا۔ اور آپ کا بوجھ اوٹھا دیا۔ لہذا اس آیت سے آنحضرت کا حالت نبوت میں گنہگار رہونا نکالنا حماقت وجہالت مستدل کی دلیل ہے۔ نہ دلیل نفی عصمت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم۔

امام رازی اور دیگر مفسرین نے شہادت واقعات عینیہ سے ان دو نو آیتون کی ایسی تفسیر کی ہے کہ اس سے نبوت سے پہلے بھی آپ سے گمراہی یا گناہ کرنے کی نفی ثابت ہوتی ہے۔

پہلی آیت کی تفسیر میں آپ فرماتے ہیں۔ جمہور علماء اسلام کا اسپر اتفاق ہے کہ آنحضرت نے کفر کا ارتکاب ایک لمحہ نہیں کیا۔ آپ کے حق میں خدا نے فرما دیا ہی (اما الجمھور من العلماء فقد اتفقوا علی انہ علیہ السلام ما کفر باللہ لحظۃ واحدۃ قولہ تعالیٰ ما ضل صاحبکم وما غوی و ذکروا فی تفسیر ھذہ الآیۃ وجوھا کثیرۃ احدھا وجدک ضالا عن معالم النبوۃ واحکام الشریعۃ غافلا عنھا فھداک الیھا وھو المراد بقولہ ما کنت تدری ما الکتاب ولا الایمان وقولہ وان کنت من قبلہ عن الغافلین)

(کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم) نہ کبھی بہکا نہ گمراہ ہوا۔ اور جس بھول کا اس آیت والضحیٰ میں ذکر ہے اسکی تفسیر میں کئی وجوہات بیان ہوئی ہیں تو ایک یہ کہ تجھے نبوت کے اعلام اور شریعت کے احکام سے بے خبر پایا۔ تو تجھے اون کی طرف رستہ دکھایا۔ یہی مراد اس قول خداوندی سے ہے کہ تو نہ جانتا تھا کہ کتاب کیا ہوتی ہے اور ایمان کس کس چیز کے ماننے کو کہتے ہیں

وثانيها ضلّ عن مرضعه حليمة
حين ارادت ان ترده الى جده
حتى دخلت على هبل وشكت
ذلك اليه فتساقطت الاصنام
وسمعت صوتا يقول انما هلاكنا
بيد هذا الصبى وفيه حكاية طويلة
وثالثها ما روى مرفوعا انه
عليه السلام قال ضللت عن
جدى وانا صبى ضائع كاد الجوع
يقتلنى فهدانى الله ذكره الضحاك
وذكر تعلقه باستار الكعبة وقوله
يارب [illegible] محمدا
اُردُدہُ ربى واصطنع عندى يدًا
فما زال يردد هذا عند البيت
حتى اتاه ابو جهل على ناقة و
محمد بين يديه وهو يقول
لاندرى ماذا ترى من ابنك
فقال عبد المطلب ولم قال انى
انخت الناقة واركبته من
خلفى فابت الناقة
ان تقوم فلما اركبه

اور اس قول خداوندی سے کہ تو اس سے پہلے غافلوں سے تھا۔ وجہ دوم یہ کہ آپ اپنی دائی حلیمہ سے جُدا ہو کر رستہ بھول گئے تھے۔ جب وہ آپ کے دادا (عبدالمطلب) کے پاس پہنچانے آئی تھی۔ وہ ہبل نامی بُت کے پاس آپ کے بھول جانے کی شکائیت بطور فریاد کرنے لگی۔ تو سب کے سب بُت گر پڑے اور اوس نے یہ آواز بُت کی سنی کہ ہماری ہلاکت اس لڑکے کے ہاتھوں سے ہوگی۔ یہ حکائیت طویل ہے۔ تیسری وجہ یہ جو خود آنحضرت نے فرمائی ہے۔ کہ [illegible] ہونے والا تھا۔ کہ میں دادا سے جُدا ہو کر بھول گیا۔ اور بھوک سے مرنے لگا۔ تو خدا نے مجھے رستہ بتا دیا یہ ذکر ضحاک نے کیا ہے۔ اور اوس نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ آپ کے دادا کعبہ کے پردہ کو پکڑ کر یہ مضمون شعریں کہنے لگے۔ کہ اے رب میرے بیٹے کو میری طرف پھیر لا اور ہمیں مجھ پر احسان اور مہربانی کر وہ یار یا یہ کہتے تھے کہ ابو جہل اونٹنی پر سوار ہو کر آیا اور اوسکے آگے آنحضرت سوار تھے۔ وہ بولا

اما می قامت الناقة
کان الناقة تقول یا
احمق ھو الامام فکیف یقوم
خلف المقتدی وقال ابن عباس رضی
ردہ اللہ الی جدہ بید عدوہ
کما فعل بموسی حین حفظہ علی
ید عدوہ الی ان ذکر تسعة عشر
وجھًا - ثم قال العشرین روی
علی علیہ السلام عن النبی صلی اللہ
علیہ وسلم انہ قال ما ھممت
بشیٔ مما کان اھل الجاھلیة
یعملون بہ غیر مرتین کل ذلك
یحول اللہ بینی وبین ما ارید من
ذلك ثم ما ھممت بعدھا بسوء
حتی اکرمنی برسالتہ فانی قلت
لیلة لغلام من قریش کان یرعی
باعلی مکة لو حفظت غنمی حتی
ادخل مکة فاسمر بھا کما یسمر
الشبان فخرجت ارید ذلك
حتی اتیت اول دار من دور
مکة فسمعت عزفا بالدفوف

ہم نہیں جانتے تیرے اس بیٹے سے ہم
کیا کچھ دیکھیں گے۔ عبد المطلب بولے
کیا ہوا۔ وہ بولا مینے اونٹنی کو بٹھایا اور
اسکو اپنے پیچھے سوار کیا۔ تو اونٹنی نہ اوٹھی
پھر جب مینے اسکو اپنے آگے بٹھایا۔ تو
وہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔ اور بولی کہ او احمق
یہ امام ہے۔ یہ پیچھے کیونکر ہوتا۔ ابن
عباس نے کہا ہے خدا تعالےٰ نے آپکو
دشمن کے ہاتھ سے دادا کے پاس پہنچایا۔
جیسے دشمن کے ہاتھ میں موسےٰ کو پرورش کیا۔
پھر انہوں نے اور وجوہ بیان کیں جسکا
شمار انیس تک پہنچایا۔ پھر فرمایا۔ بیسویں
وجہ یہ ہے جو حضرت علی نے روائیت کی ہے
کہ آنحضرت نے فرمایا کہ مینے کسی بُرے کام
کا جو زمانہ جاہلیت میں لوگ کرتے تھے۔
بجز دو دفعہ کے جنہیں خدا تعالےٰ میرے ارادہ
میں حایل اور آڑ ہوگیا۔ قصد نہ کیا تھا۔
یہانتک کہ خدا تعالےٰ نے مجھے نبوت سے
سرافراز فرمایا۔ پھر مینے کبھی بھی برائی کا قصد
نہیں کیا۔ ایک شب مینے ایک نوجوان
قریش لڑکے کو جو مکے کے اوپر کی جانب

والمزامیر فقالوا فلان بن فلان تزوج بفلانة فجلست انظر الیهم فضرب الله علی اذنی فنمت فما ایقظنی الا مس الشمس ثم قلت له لیلة اخری مثل ذلك فضرب الله علی اذنی فما ایقظنی الا مس الشمس فما هممت بعد هما بسوء (تفسیر کبیر صفحہ ۶۴۰ جلد ۸)۔

بکریاں چراتا تھا۔ کہا کہ تو میری بکریاں بھی سنبھال رکھے تو میں مکہ جاؤں۔ اور وہاں نوجوانوں کی طرح گپ شپ سنوں اور کہوں۔ جب میں نکلا اور مکہ کے پہلے گھر پہنچا تو وہاں سے گانے بجانے کی آواز سنی اور یہ کہ فلاں شخص کا فلاں عورت سے نکاح ہوا۔ میں وہاں بیٹھکر دیکھنے لگا تو خدا نے مجھے ایسا سولایا کہ پھر مجھے آفتاب ہی نے جگایا۔ ایسا ہی ایک اور رات اتفاق ہوا۔ پھر مینے کبھی ایسی برائی کا بھی قصد نہ کیا۔

اور دوسری آیت کی تفسیر [illegible] سے جس نے

والوزر ما یکرهه من تغییرهم لسنة الخلیل وکان لا یقدر علی منعهم الی ان قواه الله تعالی وقال له ان اتبع ملة ابراهیم الی ان ذکر وجوها تسعة (تفسیر کبیر صفحہ ۶۰۹)

آپ کی پیٹھ کو توڑا تھا وہ مراد ہے جو کفار مکہ نے سنت ابراہیم خلیل اللہ میں تغیر ڈال رکھا تھا۔ اور آپ کو اس سے منع کرنے کی طاقت نہ تھی۔ یہانتک کہ اللہ تعالے نے آپ کو طاقت منع کرنے کی دی۔ اور فرمایا کہ تو دین ابراہیم کی پیروی کر۔

اور شرح مواقف میں ہے کہ وزر کے معنے بوجھ کے ہیں جیسے اس آیت

قد جاء الوزر بمعنے الثقل کقوله تعالی حتی تضع الحرب اوزارها فجاز ان یکون هنها مستعملا

میں ہے۔ جسکا ترجمہ یہ ہے "کہ لڑائی اپنا بوجھ رکھدے"۔ یہاں لفظ وزر کا بمعنے بوجھ استعمال کرنا جائز ہوا تو اس بوجھ سے

للثقل الذی کان علیه من الغم الشدید لاصرار قومه علی انکاره و الشرك بالله ولعدم استطاعته علی تنفیذ امر الدین فلما اعلی الله شانه وشد ازره فقد وضع عنه وزره وثقله ویقوی هذ التاویل قوله ورفعنا لك ذکرك (شرح مواقف ص۶۹۷)

وہ غم کا بوجھ مراد ہے جو آپ کو قوم کے کفر والنکار پر اصرار کرنے سے اور آپ کو روکنی کی طاقت نہ ہونے سے ہوتا تھا۔ جب اللہ تعالےٰ نے آپ کی شان و رتبہ کو بلند کیا اور آپ کی پشت مضبوط کر دی تو وہ بوجھ دور کر دیا۔ اس تاویل کی تقویت اس قول خداوندی سے ہوتی ہے جسمیں فرمایا کہ ہمنے تیرے ذکر یعنے شان کو بلند کیا۔

بالجملہ یہ آیات کریمہ آنحضرت کی عصمت پر دلیل ہیں۔ نہ نفی عصمت پر۔

وازانجملہ یہ قول خداوندی ہے جس میں ارشاد ہوا ہے کہ خدا نے تجھے معاف کیا

عفا الله عنك لم اذنت لهم (سورہ توبہ۔ ع۔ ۷۔)

تو نے لڑائی سے ہٹ رہنے والوں کو پیچھے رہنے کی اجازت کیوں دی۔

منکرین عصمت کہتے ہیں۔ (۱) پیچھے رہنے کی اجازت دینا گناہ تھا۔ تب ہی تو اس سے معافی ہوئی۔ (۲) اور کہتے ہیں کہ اسیواسطے یہ اعتراض ہوا۔ کہ تو نے کیوں اجازت دی۔ اسکا جواب یہ کہ آنحضرت کو پہلے کوئی حکم نہ ہوا تھا۔ کہ جو شخص کوئی عذر

والجواب عن الاول لانسلم ان قوله عفا الله عنك یوجب لذنب ولم لا یجوز ان یقال ان ذلك یدل علی مبالغة الله فی تعظیمه وتوقیره کما یقول الرجل لغیره اذا کان معظما عنده

بیان کرے اسکو قبول نہ کیا جائے۔ اور پیچھے رہنے کی اجازت نہ دیجائے۔ تاکہ اوس حکم کا خلاف کرنے سے گناہ لازم آتا اور یہ فرمانا کہ خدا نے تجھے اجازت دینا معاف کیا۔ خود بتا رہا ہے۔ کہ یہ فعل گناہ لایق مواخذہ نہیں بلکہ صرف خطا قابل عفو و

عفا اللہ عنک ما صنعت فی امری ورضی اللہ عنک ما جوابک عن کلامی وعافاک اللہ ما عرفت حقی فلا یکون غرضہ من ھذا الکلام الا مزید التبجیل الی ان تمسک علیہ باشعار علی بن الجھم الجواب عن الثانی ان تقول لا یجوز ان یقال المراد بقولہ لم اذنت لھم الانکار فقولہ عفا اللہ عنک یدل علی حصول العفو وبعد حصول العفو یستحیل ان یتوجہ الانکار ویحمل قولہ لم اذنت علی ترک الاولی الاکمل لا سیما وھذہ الواقعۃ کانت من جنس ما یتعلق بالحروب ومصالح الدنیا (تفسیر کبیر صفحہ ۶۵۱ جلد ۴)

درگذر ہے بلکہ اس سے تو اور آنحضرت کی تعظیم اور توقیر منجانب اللہ ثابت ہوتی ہے کہ قول آیندہ سے آپکے دل میں گناہ کا خیال پیدا ہو کر ملال نہ ہو۔ جیسا کوئی کسی بزرگ کو کہتا ہے کہ خدا آپ کو معاف کرے۔ یا خوش رکھے۔ یا راضی ہو۔ آپ نے میرے فلان امر میں کیا کیا ہے۔ یا میرا حق نہیں پہچانا۔ اور یہ فرمانا کہ تونے کیوں اجازت دی بطور انکار و اعتراض نہیں ہے۔ کیونکہ معافی کے بعد کے اعتراض و انکار نا مناسب ہے۔ اس سے مقصود یہی ہے کہ آپ ایسا نہ کرتے تو بہت اچھا ہوتا۔ مگر جو ہوا لائق معافی ہے نہ قابل مواخذہ اور گناہ۔

وازانجملہ یہ فعل آنحضرت کا ہے۔ کہ آپ نے ابن ام مکتوم نابینا کے

عبس وتولی ان جاءہ الاعمی (سورہ عبس - ع)

ولا تطرد الذین یدعون ربھم بالغداۃ والعشی یریدون وجھہ (انعام - ع -)

بے موقعہ آکر ایک سوال کرنے پر اس سے منہہ پھیر لیا۔ اور رؤسا و کفار قریش کے پاس خاطر سے مسکین اصحاب کو اُنکی آمد کے وقت اپنے پاس سے ہٹانیکا ارادہ کیا جبپر ان اقوال خداوی کا نزول

ہوا۔ جو حاشیہ میں منقول ہیں۔

منکرین عصمت کہتے ہیں۔ اس فعل پر خدا نے عتاب کیا۔ اور اس ارادہ سے آپ کو روک دیا تو اوس سے معلوم ہوا کہ وہ فعل و ارادہ گناہ تھے۔ اسکا جواب یہ ہے کہ آنحضرت نے اس فعل یا ارادہ میں کسی سابق امر و نہی کا خلاف نہیں کیا تھا۔ کہ اوسکو گناہ سے تعبیر کیا جا سکے۔ جو کیا یا کرنا چاہتا تھا وہ آپ نے فہم و اجتہاد سے کیا۔ اور کرنا چاہا۔ اور آپ کی نیت و سمجھ میں وہ فعل و ارادہ اچھا تھا۔ ابن ام مکتوم کا تو سوال ہی بے موقعہ تھا۔ اور اسمیں قطع کلام غیر پایا جاتا تھا جس سے آنحضرت نے اوس سے مُنہ پھیرا۔ اور کفار قریش کی آمد کے وقت میں فقراء صحابہ کو روکنے میں آپ نے خیال فرمایا کہ جو لوگ مسلمان اور میرے اصحاب ہیں وہ ہر وقت میری صحبت سے فیضیاب ہوتے رہتے ہیں۔ کفار قریش جو اپنے کفر اور تکبر دنیا کے سبب ان فقیروں کے پاس بیٹھنے سے عار کرتے ہیں۔ اون کو کوئی وقت خاص دیا جاوے جسمیں فقیر نہ ہوں تو وہ بھی فیض صحبت سے فائدہ اوٹھاویں۔ مگر چونکہ اس فعل و ارادہ میں ابن ام مکتوم کی اور اون فقیروں کی دل شکنی ہوتی تھی۔ اور اوس سے یہ بھی آنحضرت پر کسی بدگمان کی بدگمانی ہو سکتی تھی۔ کہ آپ نے اون کی دنیا کا لحاظ کیا۔ اسلیئے خدا نے

القائلون بصدور الذنب عن الانبیاء تمسکو بھذہ الآیۃ وقالوا لما عاتبہ اللہ فی ذلک الفعل کان معصیۃ و ھذا بعید فانا قد بینا ان ذلک کان ھو الواجب للتعین الا بحسب ھذا الاعتبار الواحد وھو انہ یوھم تقدیم الاغنیاء علی الفقراء و ذلک غیر لائق بصلابۃ الرسول علیہ السلام واذا کان کذلک کان جاریا مجری ترک الاحتیاط و ترک الافضل فلم یکن ذنبا۔ (تفسیر کبیر صفحہ ۸۷ جلد ۸)

والجواب انہ ترک الاولی مما یلیق بخلقۃ العظیم و مثلہ یعاتب

علی مثلہ (شرح مواقف صفحہ ۶۹۸)

والجواب عن الاول انہ علیہ السلام ما طردہم لاجل الاستخفاف ؕ الاستنکاف من فقرھم وانما عین لجلوسھم وقتاً معیناً سوی الوقت الذی کان یحضر فیہ اکابر قریش فکان غرضہ التلطف فی دخالھم فی الاسلام ولعلہ علیہ السلام کان یقول ھؤلاء الفقراء لایفوتھم بھذہ المعاملۃ امرھم فی الدنیا وفی الدین و ھؤلاء الکفار یفوتھم ھذا المعاملۃ الدین والاسلام فکان ترجیح ھذا الجانب اولی فاقصے ما یقال ان ھذا الاجتھاد وقع خطاء الا ان الخطاء فی الاجتھاد مغفور وانہ من باب ترک الاولی و الافضل لامن باب ترک الواجب

(تفسیر کبیر صفحہ ۷۲ جلد ۴)

بہ نظر علو شان و عظیم خلق آنحضرت کے اس فعل پر عتاب ظاہر فرمایا - اور اس ارادہ سے آپ کو روک دیا - جس سے صرف یہ ثابت ہوا - کہ آپ کا فعل و ارادہ گو نیک نیتی پر مبنی تھا - مگر اس میں آپ سے خطا اجتہادی ہوئی - آپکے خلق و شان کو یہی شایاں تھا - کہ اندھے کے سوال بے موقعہ پر حوصلہ و تحمل کو کام میں لاتے - اور کفار قریش کی آمد کے وقت بھی فقراء المسلمین کو روکنے کا ارادہ نہ کرتے - اور اون کی دل شکنی کا لحاظ فرماتے - آس فعل و ارادہ میں آپسے ترک اولے و ترک افضل ہوا - اسپر آپ کو خدا تعالے کا متنبہ کرنا عین عصمت ہے - نہ خلاف عصمت خلاف عصمت تب ہوتا جبکہ آپ اپنے اس خیال و خطاء اجتہادی پر قائم و مصر رہتے -

واز انجملہ یہ قول خداوندی ہے کہ اے نبی اپنے گناہ کی خدا سے بخشش مانگ

واستغفر لذنبک - (سورہ محمد - ع)

اور یہ ارشاد کہ تا کہ خدا تعالے تیرے اگلے

یغفرلک اللہ ما تقدم من ذنبک و ما تاخر (سورہ فتح ع ۱)	پچھلے گناہ معاف کر دے۔ اور آنحضرت کا دائمی و مدت العمری فعل کہ آپ خدا سے
قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انی قد استغفر اللہ واتوب الیہ فی الیوم سبعین مرۃ (بخاری)	دن میں ستر دفعہ یا سو دفعہ بخشش مانگتے اور توبہ کرتے رہتے۔ یہ بھی آپ سے
ولمسلم انہ لیغان علی قلبی حتی استغفر اللہ فی الیوم مائۃ مرۃ	مروی ہے کہ میرے دل پر پردہ یا حجاب آ جاتا ہے۔ یہاں تک کہ میں دن بھر میں سو دفعہ خدا سے بخشش مانگتا ہوں۔

منکرین عصمت کہتے ہیں کہ آپ کے دل پر پردہ یا حجاب کا آ جانا۔ پھر آنحضرت کا اس سے توبہ کرنا۔ اور بخشش مانگنا صاف بتاتا ہے کہ آنحضرت گنہگار تھے۔

مسٹر اکبر مسیح وغیرہ عیسائی اس دلیل پر بڑا زور دیتے ہیں۔ مسٹر اکبر مسیح اس کی تفصیل میں آنحضرت کے بعض ادعیہ کو اپنے خط مورخہ ۷۔ جنوری ۱۸۹۶ء مندرجہ کشف نمبر ۱ و ۷ جلد ۲ میں نقل کرتے ہیں جنہیں آنحضرت نے چھوٹے بڑے قصدی

اللھم اغفرلی ذنبی کلہ دقہ وجلہ وعلانیتہ وسرہ اللھم اغفرلی جدی وھزلی وخطائی وعمدی وعلانیتی وسری۔	غیر قصدی کھلے چھپے گناہوں سے بخشش مانگی ہے۔ اور چونکہ مسٹر اکبر مسیح کو یہ معلوم تھا کہ اہل اسلام ان گناہوں سے ترک اولیٰ و ترک افضل مراد بیان کرتے ہیں

اور آپ کا بخشش مانگنا ایسے امور سے بلحاظ کمال ورع احتیاط و تقوے ہوا ہے اسلئے انہوں نے اسکے رد جواب میں ایسے الفاظ قرآن کو پیش کیا ہے۔ جنمیں ذنب کا اطلاق کبیرہ گناہوں پر ہوا ہے۔ اور بخشش مانگنے کا حکم ایسے لوگوں کو ہوا ہے جنہوں نے کبیرہ گناہ کئے تھے۔

(۱) استغفری لذنبک (یوسف ع ۳)

(۲) ربنا فاغفرلنا ذنوبنا و قنا عذاب النار (آل عمران - ع ۲)

(۳) قل فلم یعذبکم بذنوبکم (المائدہ - ع ۳ -)

(۴) فدمدم علیھم ربھم بذنبھم (والشمس)

(۱) جیسے زلیخا کو کہا گیا ہے - کہ تو اپنے گناہ (فعل بد کے ارادہ وسطالبہ) سے بخشش مانگ -

(۲) عام مومنوں کی دعا قرآن میں منقول ہے کہ اے رب ہمارے گناہ معاف کر اور ہمکو دوزخ کے عذاب سے بچا -

(۳) یہودیوں کو الزام دیا گیا ہے - کہ تم خدا کے بیٹے ہوتے تو تم کو خدا تمہارے گناہوں کے بدلے عذاب کیوں کرتا -

(۴) قوم ثمود کے حق میں کہا گیا ہے - کہ اون کو اون کے گناہ کے بدلے خدا نے اُلٹ مارا -

مسٹر اکبر مسیح اس خط میں لکھتے ہیں کہ ذنب کا لفظ قرآنی محاورہ میں کتنا واضح ہے جسکی کوئی تاویل نہیں ہوسکتی - یعنے پھر آنحضرت کے ذنب کی ترک افضل سے کیوں تاویل کیجاتی ہے -

پھر اکبر مسیح یہ بھی اس خط میں لکھتے ہیں کہ آنحضرت نے کُھلے الفاظ سے اپنے گناہوں اور ظلم کا اقبال کیا ہے - اور برطبق "من آنم کہ من دانم" - اپنا گنہگار ہونا خود کھول کر بتا دیا ہے - پھر اون کے لوگ کیوں اون کی خوبیاں بیان کرتے ہیں - اور اون کے گناہوں کی یہ تاویلیں کرتے ہیں -

پھر اکبر مسیح نے آنحضرت کے تاریخی حالات کی طرف بھی اشارہ کیا ہے مگر اوسکو مجمل رکھا ہے - کسی تفصیل یا تمثیل سے تعرض نہیں کیا -

اس قول خداوندی اور اقوال و افعال نبوی کا وہی جواب ہے جسکو مسٹر اکبر مسیح نے عجیب و بے جا تاویل سمجھا ہے - واقعہ میں آنحضرت سے نبوت سے

پہلے اور نبوت کے بعد کوئی ایسا فعل نہیں ہوا جسکو اونکی شریعت یا اون سے پہلے دیگر واقعی نہ بناوٹی) شریعتوں کے روسے یا عام اخلاق کی نظر سے گناہ کہا جاسکے و معہذا جو آپ نے رات دن خدا سے گناہ کی معافی چاہی ہے۔ اور بخشش مانگی ہے تو اوسکی وجہ بجز اسکے اور کچھ نہیں ہے کہ آپ نے بنظر اوس عالی رتبہ قرب الٰہی واتقاء کے ایسی باتوں کو جو عام لوگوں کے لئے مباح (جیسے جائز لذات دنیا سے نفع اوٹھانا) بلکہ بعض حسنات (جیسے اولاد ازدواج سے پیار و التفات کرنا۔) تھیں اپنے حق میں گناہ سمجھا ہے۔ اور بعض باتیں آپ سے ایسی بھی سرزد ہوئی ہیں۔ جنہیں بمقتضائے بشریت آپ سے ترک اولے ہوا۔ (جیسے کسی تفتیشِ خدا سے غافل ہونا) یا اونہیں خطا وسہو واقع ہوا۔ وہ باتیں بھی بحکم عام اصول شریعت گناہ نہیں کہلاتیں۔

مسٹر اکبر مسیح نے جو آنحضرت کے حق میں لفظ گناہ یا ذنب سے وہ عام معنے مراد قرار دیئے ہیں جو عام لوگوں کے حق میں اس لفظ کے معنے مراد لئے جاتے ہیں۔ اور اوسپر چار آیات قرآن اور ایک دو حدیثوں کے محاورات کو سند بناکر پیش کیا ہی اسمیں وہ اپنے مذہب وتحقیق و اعتقاد سابق کو بھول گئے ہیں۔ اون کی غرض پرقاش نے اون کو اپنی قلم سے لکھی ہوئی اور منہ سے کہی بات بھولادی ہے۔ کیا سچ کہا گیا ہی

۵ چوں غرض آمد ہنر پوشیدہ شد ٭ صد حجاب از دل بسوئے دیدہ شد ٭

مسٹر اکبر مسیح کو اپنی وہ بات وتحقیق یاد نہیں رہی۔ جو رسالہ تنقیح الوہیت مسیح کے صلا۹ میں انہوں نے کہی ہے کہ "ہم اس کتاب کے صلا۶۳ میں لکھ چکے ہیں کہ محض ایک سے الفاظ استعمال کرنے کی وجہ سے دو مختلف اشخاص ہم مرتبہ نہیں ہوجاتے۔" پھر اسکی تمثیل میں آپ اسکے متصل ہی فرماتے ہیں۔ جو الفاظ خدا کے لئے غیر محدود وہی انسان کے لئے بالکل محدود اور اونے معنے ادا کرتے ہیں۔ ازلیت و

ابدیت خدا کی صفات مسلم ہیں۔ اسلئے ان الفاظ "الفا و امیگا" اوّل و آخر سے خُدا کی ازلیّت و ابدیّت بغیر کسی تشریح زائد کے ثابت ہوتی ہے۔ اسیطرح باوجودیکہ جملہ سب کچھ جانتا ہے۔ سے فی نفسہ علم غیر محدود یا ہمہ دانی ثابت نہیں ہوتی۔ تاہم چونکہ کلام مقدس ہیں خدا سے صفات ہمہ دانی بہت واضح طور پر منسوب ہوتی ہے۔ اسلئے جہاں کہیں لکھا ہے۔ خدا سب کچھ جانتا ہے۔ (۱۔یوحنا ۳/۲۰) بلا تامل اس سے مراد ہمہ دانی لیتے ہیں۔ برخلاف اسکے چونکہ کلام مقدس انسان کو نہائیت وضاحت سے کم عقل و ناقص تبلاتا ہے۔ لہذا جب اوسکے لئے وہی الفاظ تم سب کچھ جانتے ہو۔ (۱یوحنا ۲/۲۰) مستعمل ہوتے ہیں۔ تو اوس کا مفہوم ہمیشہ محدود دانی جانتے ہیں۔ اور اس کتاب کے صـ ۶۳ میں جو آپ نے کہا ہے۔ وہ بھی اسی کو معنے ہیں ہے۔ اصل عبارت اس صفحہ کے یقینی مضمون "عیسائیوں کے باہمی جنگ پر اسلامی رائے" کے پہلے ہی صفحہ میں منقول ہوگی۔ مگر افسوس آپ ان باتوں کو آنحضرت کی عصمت سے پرخاش کرنے کے وقت بالکل نسیًا منسیًا کر گئے۔ اور اسباب کو قلم میں لانے کے وقت کہ "لفظ ذنب (یا گناہ) جو آنحضرت کے حق میں بولا گیا ہے۔ بعینہ وہی لفظ ہر جو زلیخا کے حق میں (جبکہ اُسنے بدکاری کا ارادہ کیا تھا) اور مسلمان گنہگاروں کے حق میں جو دوزخ سے پناہ مانگتی ہے اور یہودی اور مفسدین قوم ثمود کے حق میں بولا گیا ہے اور معنے بھی اوس کے آنحضرت کے حق میں وہی مراد ہیں۔ جو زلیخا اور گنہگار مسلمانوں اور یہودیوں اور ثمودیوں کے حق میں اس لفظ سے مراد ہیں۔

ایسا ہی لفظ استغفر (یا بخشش مانگ) جس سے آنحضرت کو خطاب ہوا ہے بعینہ وہی لفظ ہے۔ اور اسکے وہی معنے مراد ہیں۔ جو زلیخا کے خطاب میں

بولا گیا - اور اس سے ارادہ بدکاری سے بخشش مانگنے کے معنے مراد ہیں"۔
مسٹر اکبر مسیح اپنی ان عبارات و تمثیلات کو بالکل بھول گئے - ہم اون کی اس کلام کے جواب میں اخلاص سے اور پیار سے کہتے ہیں کہ دل مسٹر اکبر مسیح دو مختلف اشخاص کے حق میں یا خطاب میں ایک سے الفاظ (ذنب یا استغفار) استعمال کرنیسے وہ دو نو ہم مرتبہ نہیں ہو جاتے - اور ان الفاظ کے معنے ایک ہی طرح کے نہیں لئے جاتے - بلکہ جب وہ الفاظ ایک مقدس رسول کے حق میں اور اوس کے خطاب میں استعمال کئے جاویں (جسکی عصمت پر اولہ قطعیہ عقلیہ و نقلیہ قایم ہوں) تو اون سے ایسے محدود و مخصوص غیر ظاہری و تاویلی معنے مراد لئے جائیں گے - جسنے اون کی ثابت و مسلم عصمت میں فرق نہ آوے - اور جب وہی الفاظ کسی گناہ گار کے حق میں اور اوسکے خطاب میں استعمال کئے جاوینگے (جسنے زنا - چوری - قتل نفس - وغیرہ کبیرے گناہ کئے ہوں - یا کرنے کی کوشش کی ہو - مگر اوسمیں وہ مجبوراً ناکام رہا ہو) تو ان الفاظ سے غیر محدود وسیع اور ظاہری معنے مراد لئے جائینگے - جیسا کہ آپ نے صفحہ ۱۹ و ۶۳ تنقیح میں کہا ہے - اور اوسکو ایک اصول قرار دیا ہے - آپکا آنحضرت کے (جنکے تقدس اور ایفا رمیشن مصلح وہادی ہونیکو اور اون کی کتاب قرآن مجید کے بڑا کار آمد خلاصہ بیبل ہونے کو آپ اپنے خط مورخہ ۱۱ - اکتوبر ۱۸۹۵ء کشف الحقایق نمبر ۳ جلد ۲ صفحہ ۴۶ میں تسلیم کر چکے ہیں[1]) خطاب کو زلیخا کی حالت

[1] آپ کے اس خط کی اصل عبارت یہ ہے - جو بقدر متعلق مطلب نقل کیجاتی ہے "اب میں آپ کو یہ بتاؤں کہ میں حضرت محمد صاحب کو کیا مانتا ہوں حضرت محمد صاحب یہودی اور عیسائی دین والونکے درمیان بلحاظ اپنے اثر کے سب سے بڑے مصلح تھے - وہ ایمان اور عقاید کے اعتبار سے ابتدائی زمانہ میں پکی ناصری تھی - جو اپنے اصل میں یہودی بھی ہوا کرتے تھے - فرق

بقیہ حاشیہ بر صفحہ (۱۲۲)

فسق کے خطاب پر یا یہودی یا ثمودی فاسقوں ظالموں کے خطاب پر قیاس کرنا اور دونو کے الفاظ کو یکساں قرار دیکر انکے ایک ہی معنے مراد لینا کمال التعجب و افسوس کا محل ہے۔ اور یہ قیاس مع الفارق نہیں تو اور کیا ہے۔؟

نقل از سابق صفحہ (۱۲۱)

یہ ہے۔ کہ اور کسی مصلح نے دعوائے نبوت کا نہیں کیا۔ گو غیر نبی کے لئے وحی کا دعوے غیر معمولی نہ تھا۔ چنانچہ سویڈن بارگ یورپی مصلح کا جس کا فرقہ آجکل رونق پر ہے۔ وحی کا دعوے تھا۔ حضرت محمد صاحب نے دعوے وحی کے ساتھ ایک دعوے نبوت کا بھی کیا۔

محمد صاحب دین عیسوی کے ایک صورت کے مناد تھے قرآن دین عیسوی کے ایک صورت کا بیبل کا خلاصہ ہے۔ جو عربی زبان میں عربی لوگوں کے لئے اس سے مصلح نے مرتب کیا۔ وہ خلاصہ بڑا کارآمد ہے۔ اور یہ مناد مصلح بھی بڑے کام کا۔ (خط مسٹر اکبر مسیح توحیدی عیسائی مورخہ ۱۱۔ اکتوبر ۱۸۹۵ء)

اس کلام میں جو حضرت [illegible] قیاس کو کہ انہوں نے آنحضرت اور زلیخا وغیرہ کے خطاب میں الفاظ کو یکساں و ہم معنے سمجھا صاف رد کر رہی ہے۔ اور اس کلام میں جو آنحضرت کو دین موسوی و عیسوی کا تابع بنایا ہے۔ اور آپ کی کتاب کو اونکی کتابوں کا خلاصہ کہا ہے۔ اسکا جواب ہم عنقریب دینگے۔ اور ثابت کرینگے کہ آنحضرت تابع نہیں متبوع ہیں۔ شاگرد نہیں استاد ہیں۔ اور آپ کی کتاب صرف خلاصہ نہیں بلکہ محاکمہ و فیصلہ۔ ان ھذا القرآن یقص علی بنی اسرائیل اکثر الذی ھم فیہ یختلفون۔ و انزلنا الیک الکتب مصدقا لما بین یدیہ و مھیمنا علیہ۔ یہ آیات ہمارے دعوے کی مصدق ہیں۔ ناظرین انکی تفسیر کا انتظار کریں۔ جو اس مضمون میں بصفحہ ۴۰۳،۴۰۴ ہو گی انشاء اللہ تعالے۔

ہم مسٹر اکبر مسیح پر اُن کے اس اعتراف کے سبب جو خط منقولہ حاشیہ میں پایا جاتا ہے
زیادہ بدگمانی نہیں کرتے۔ صرف یہی تجویز کرتے ہیں کہ مسٹر اکبر مسیح اپنے تحقیق رسالہ تنقیح
کو اس کلام کے وقت بھول گئے۔ اور نیز وہ اپنے اس اعتراف کو جو خط ۱۱- اکتوبر ۱۸۹۵ء
میں کر چکے تھے۔ فراموش کر گئے۔ امید ہے اب وہ ہماری یاد دہانی پر اپنی اس تحقیق
کو یاد و خیال میں لائیں گے۔ اور نیز آنحضرت کی اس تعریف کو جو وہ خط ۱۱- اکتوبر
۱۸۹۵ء میں کر چکے ہیں۔ یاد میں لا کر صاف اقرار کرینگے۔ کہ ہمنے اس قیاس میں
غلطی کی آنحضرت کے خطاب میں الفاظ ذنب اور استغفار ان معنے میں مستعمل نہیں
ہوئے جن معنے میں بحالت ارادہ فسق و فجور زلیخا کے یا اور فاسقوں کے خطاب
میں مستعمل ہوئے ہیں۔

اور اگر مسٹر اکبر مسیح دل سے آنحضرت کو ایک مقدس مصلح نہیں جانتے اور اعتراف
خط ۱۱- اکتوبر ۱۸۹۵ء [illegible] (نعوذ باللہ)
صریح گناہوں کا مرتکب خیال کرتے ہیں۔ چنانچہ انکا تاریخی حالات آنحضرت کی
طرف اشارہ مشعر ہے تو پھر وہ مرد میدان نہیں۔ آنحضرت کا کم سے کم ایک گناہ
(جس میں آپ نے قرآن اور اپنی شریعت کا عمداً خلاف کیا ہو۔ یا عام اخلاقی اصول
اور اتفاقی سابق محقق شریعتوں کا خلاف کیا ہو۔ اور آنحضرت کیطرف سے مسلمانوں
نے اسکا کافی عذر نہ کیا۔ اور شافی جواب نہ دیا ہو) ثابت کریں اور اُنکا اس
خاکسار سے ایک ہزار روپیہ انعام لیں۔

اس ثبوت دینے اور انعام پانے کے بعد اُن کو یہ کہنا کہ جو لفظ ذنب یا استغفار
کا آنحضرت اور زلیخا وغیرہ کے خطاب میں وارد ہے۔ وہ دونو جگہ ایک ہی معنے
رکھتا ہے۔ زیبا ہوگا۔ ہنوز زیب نہیں دیتا۔ اور اگر آپ کو اپنا انداز ظاہری
تہذیب و طرز ملائمت اس ثبوت سے مانع ہو تو آپ ان عیسائیوں میں سے جو

اسلام سے مرتد ہو کر کرسچن ہوئے ہیں۔ اور اون کا مقصود اس تبدیل مذہب سے صرف ٹکڑا کما کھانا ہے کہ سیکو پیش کریں۔ اور وہ بھی یہی انعام لیں۔ مگر جو شخص بطمع مال یا بغیرت یا حمیت مذہب اس امر کی جرأت کرنے لگے تو اوسکو پہلے یہ سوچ لینا مناسب ہے کہ اوس سے پہلے اسلام اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی کس قدر یہودی و نصرانی مخالف و معاند گذرے ہیں۔؟ کوئی بھی اس ارادہ میں کامیاب ہوا ہے؟۔ اور کسی نے کوئی بات ایسی آنحضرت کی ثابت کی ہے جس کا مسلمانوں نے دنداں شکن جواب نہ دیا ہو۔ سیل صاحب مترجم قرآن نے باوجود سمت پرخاش کے آنحضرت کے حق میں کوئی ایسی بات نکالی جسکا جواب اہل اسلام کے لائق فاضلوں نے نہ دیا ہو۔ سر ولیم میور۔ جیسے متعصب انگریز نے آنحضرت کے " لالف " (حالات زندگی) میں کوئی ایسی بات کہی [illegible] میں ایک بڑا اون لوگوں کا الزام قتل عام کا ہے۔ اسکا جواب بھی صاحب خطبیات احمدیہ نے رسالہ جواب ڈاکٹر ہنٹر میں۔ مولوی چراغ علی صاحب نے اپنی کتاب بسط جہاد میں اور اس خاکسار نے اپنے رسالہ اقتصاد فے مسائل الجہاد میں ایسا دیا ہے کہ عیسائیوں کے پاس اسکا جواب نہیں۔

ایک الزام بابت نکاح حضرت زینب ہے جسکا جواب بھی عیسائیوں کو رسالہ اشاعت السنہ نمبر ۶ جلد ۱۰ وغیرہ تالیفات اہل اسلام میں خاطر خواہ مل چکا ہے۔ اور آئندہ جو صاحب اس میدان میں اوتریں سمجھ سوچکر اوتریں۔ ایسا نہو کہ لینے کے دینے آویں۔

ہم بصورت لاجوابی و اسکات مدعی الزام کے اوس سے نقد کچھ نہ لیں گے اوس سے یہی درخواست کرینگے کہ اگر وہ آنحضرت کا کوئی گناہ ثابت نہ کر سکے اور

اپنی بات میں ساکت ولاجواب ہو جائے۔ تو پھر عیسائی مذہب کو سلام کر کے اسلام اختیار کرے۔

اس بیان میں آیات ذنب و استغفار سے تمسک کرنے والے عیسائیوں کا کافی وشافی ادا ہوا ہے۔ اب ہم اقوال اہل اسلام سے اپنے جواب کے مؤیدات نقل کرتے ہیں۔ جس سے اہل اسلام کی مزید اطمینان ہو۔ اور یہ جواب نقل سے مؤید ہو جیسا کہ عقل سے مؤید ہو چکا ہے۔

پہلی آیت سورہ محمد کی تفسیر میں فتح البیان میں کہا ہے۔ کہ اس سے

ای استغفر الله ان یقع منك ذنب او استغفر الله لیعصمك او استغفره عما ربما یصدر منك من ترك الاولیٰ۔ قال القاضی عیاض المراد به الفترات والغفلات من الذکر الذی کان شانه صلی الله علیه وسلم الدوام علیه فاذا فتر وغفل عد ذلك ذنبا۔ (فتح البیان صفحہ ۳ جلد ۴)۔ ویکون المراد بالذنب بعد الرسالة ترك ما هو الاولیٰ و سمی ذنبا فی حقه لجلالة قدره وان لم یکن ذنبا فی حق غیره فهو

مراد یہ ہے کہ خدا سے یوں بخشش مانگ کہ گناہ تجھ سے وقوع میں نہ آوے۔ یا یہ کہ خدا تجھے اس گناہ سے بچا کر رکھے۔ یا یہ کہ جو تجھ سے اولے و افضل امور ترک ہوتے ہیں وہ معاف کرے۔

قاضی عیاض نے کہا ایسے امور سے مراد یہ ہے جو آپ سے یاد الٰہی میں جس پر آپ کی عادت اور شان مداومت کرنے کی تھی، سستی یا غفلت واقع ہو جاتی تھی۔ جب آپ اس یاد سے سست یا غافل ہوتے، تو اسکو گناہ سمجھتے۔ اور اس سے بخشش مانگتے۔

ایسا امر آپ کے حق میں گناہ آپکے عالی قدر کی نظر سے سمجھا گیا ہے۔ گو یہ دوسرے

من باب حسنات الابرار سیئات المقربین (فتح البیان ص۲۹۶ جلد ۴)

وثانیهما المراد هو النبی والذنب ترک الافضل وهو بالنسبة الیه ذنب وحاشاه من ذلک وثالثها وجه حسن مستنبط وهو ان المراد توفیق العمل الحسن و اجتناب العمل السیئ ووجهه ان الاستغفار طلب الغفران والغفران هو الستر علی القبیح ومن عصم فقد ستر علیه قبائح الهوی ومن طلب الغفران طلب ان لا تفضحنا وذلک یکون بالعصمة منه فلا یقع فیه کما کان للنبی صلی الله علیه وسلم وقد یکون بالستر علیه بعد الوجود کما هو فی حق المؤمنین والمؤمنات (تفسیر کبیر ص۴۴۲ جلد ۷)

وثانیها المراد ترک الافضل وثالثها الصغائر فانها جائزة علی الانبیاء بالسهو والعمد

کے حق میں گناہ نہیں ہے۔ یہ وہی بات ہے۔ کہ عام نیکوں کی نیکیاں خاص قرب والوں کی برائیاں ہیں۔"

پہلی آیت کی تفسیر میں امام رازی فرماتے ہیں کہ اسمیں دوسری تاویل یہ ہے۔ کہ اسمیں آنحضرت کو خطاب مراد ہے۔ اور گناہ سے مراد ترک امور افضل ہے۔ جو آپ کی نسبت گناہ ٹھیرایا گیا ہے۔

تیسری تاویل جو ایک عمدہ وجہ مستنبط یہ ہے کہ اس استغفار سے مراد نیک عمل کی توفیق اور عمل بد سے کنارہ کشی طلب کرنا مراد ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے۔ کہ استغفار کے معنے طلب غفران ہے۔ اور غفران بری بات کو ڈھانکنا ہے۔ اور جسکو خدا گناہ سے بچاتا ہے۔ گویا اوسکی خواہش نفس کی برائیوں کو ڈھانک لیتا ہے۔ اور جو شخص بخشش مانگتا ہے۔ وہ یہ کہتا ہے خدایا میری بے پردگی نہ کر۔ یہ امر گناہ سے بچا رکھنے سے بھی ہوتا ہے۔ جیسا کہ آنحضرت کے حق میں ہوا ہے۔ اور گناہ واقعہ ہو جانے کے بعد اسپر پردہ ڈال دینے سے بھی ہوتا ہے

وھو یصونھم عن العجب (تفسیر کبیر ص۵۵۵ جلد ۷)

ویمکن ان یجاب عنہ بان الانسان لا ینفک عن ترک الافضل و الاولی وحینئذٍ یحتاج الی طلب المغفرۃ لان حسنات الابرار سیئات المقربین ولانھم ابدًا فی مقام ھضم النفس و اظھار الذلۃ والخضوع کما قال صلی اللہ علیہ وسلم وانی لاستغفر اللہ فی الیوم واللیلۃ سبعین مرۃ (تفسیر کبیر ص... جلد ۷)

جیسے عام مومنوں کے لئے ہوتا ہے۔ اور دوسری آیت کی تفسیر میں امام نے کہا ہے کہ دوسری تاویل اسمیں یہ ہے کہ اس گناہ سے ترک افضل مراد ہے۔ تیسری تاویل یہ کہ صغیرہ گناہ مراد ہے اور صغیرہ گناہ کا صدور انبیاء سے ہوسکتا ہے اور وہ اون کو عجب (خود پسندی) و پندار سے بچاتا ہے۔ اور سورہ ص کی آیت سابق الذکر کی تفسیر میں امام نے کہا ہے کہ حضرت داؤد کے استغفار کرنے کا یہ جواب بھی ممکن ہے کہ انسان امر افضل و اولےٰ کے ترک کرنے سے کبھی خالی اور جدا نہیں ہوتا۔ اور اسوقت اوسکو بخشش مانگنے کی حاجت پڑتی ہے۔ کیونکہ عام نیکوں کی نیکیاں خاص قرب والوں کے برائیاں سمجھی جاتی ہیں اور نیز وہ لوگ ہمیشہ کسر نفسی اور جناب باری میں اظہار ذلت اور عاجزی کے مقام میں رہتے تھے۔ چنانچہ آنحضرت نے فرمایا کہ میں رات دن میں ستر دفعہ بخشش مانگتا ہوں۔

اور حدیث استغفار اور پردہ یا حجاب کی شرح میں شیخ عبدالحق رحمہ نے

قد تحیر العلماء فی بیان معنی ھذا الحدیث وحق بھم ان یتحیروا فی ذلک لانہ لا مجال

لمعات شرح مشکوۃ میں کہا ہے۔ کہ علماء اس حدیث کے معنے بیان کرنے میں حیرت میں پڑے ہوئے ہیں۔ اور یہی

لاحد ان يعرف حقيقة القلب
المصطفوی وما يتطرأ فيه
من الحال كما قيل فيه فهو قول
بالظن والتخمين الا ما وقع فی
بواطن بعض المحققين من العارفين
من نوره المبين وتنقل من
كلامهم ما ذكروا فی ذلك فقيل
ان ذلك بسبب ما اطلع عليه
من احوالهم بعده فكان يستغفر لهم
هكذا قالوا - وقيل انه بسبب
يشتغل من النظر فی امور امته
ومصالحهم ومحاربة الاعداء
يری انه يشتغل بذلك وان كان
اعظم طاعة واشرف عبادة
من ملازمة عالی مقاماته و
رفيع درجته وتفرده بربه و
خلوص قلبه وصرف همته عن كل
شئ سواه وكان يعد ذلك ذنبا
ويستغفر منه وقيل قد يكون
هذا الغين السكينة التی تغشی
قلبه واستغفاره اظهار العبودية

حیرت اونکو سزاوار ہے - کیونکہ کسی کی مجال
نہیں کہ وہ آنحضرت کے دل کی حقیقت
جانے - اور جو حالات اوسپر طاری ہوتے
ہیں اون کو پہچانے - اس باب میں جو کچھ کہا گیا
ہے صرف ظن اور تخمین سے کہا گیا ہی
بجز ان باتوں کے جو عارفوں نے آنحضرت
سے صاف روشنی حاصل کرکے کہی ہیں
یہاں ہم اون کے اقوال نقل کرتے ہیں
بعض عارفوں نے کہا ہے کہ اس پردہ
سے وہ حالات مراد ہیں کہ آنحضرت کے
بعد اُمت پر وارد ہوئے - اون کو خیال
میں لانے سے آپ کو رنج ہوتا - اور آپ
ان حالات کی نظر سے اس اُمت کے لیے
بخشش مانگتے - بعض عارفوں نے کہا ہی
کہ یہ پردہ بعض امور متعلق اُمت کی مصلحتوں
اور دشمنوں کی اونسے لڑائیوں کے فکر
میں مشغول ہوجانے کے سبب ہوتا تھا -
یہ شغل اگرچہ بڑی طاعت اور اشرف
عبادت تھی - مگر جو عالی مقام اور بلند
درجہ آپ کو خدا سے خلوت اور اخلاص
اور ماسوی اللہ سے دل پھیر لینے کا حاصل

والافتقار ویحتمل ان یکون حالۃ خشیۃ واعظام یغشی القلب واستغفارہ شکر اللہ تعالی وملازمۃ العبودیۃ وقال بعض الصوفیۃ ھذا مین الانوار لاغین الاغیار کما قال بعض العارفین من انہ کان یکشف علی قلبہ الشریف فی کل ساعۃ انوار صفات الحق وکان یترقی فی کل ان فی ھذہ التجلیات ویعد بعد الترقی الی درجۃ الفوق ماتحتھا بمثابۃ ذنب استغفر منہ وھذا حال قلبہ دائما بل ابد الاباد۔

(لمعات شرح مشکوۃ)

تھا۔ اسکے لئے یہ شغل ایک حجاب ہو جاتا تھا۔ اسلئے آپ اوسکو گناہ سمجھتے۔ اور اس سے بخشش مانگتے بعض نے کہا ہے کہ یہ پردہ اس تسکین کا نام ہے جو آپکے دل کو ڈھانک لیتی۔ اور استغفار اظہار عبودیت اور احتیاج کا نام ہے۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ پردہ سے حالت خشیت و تعظیم الہی مراد ہو۔ اور استغفار سے اوسکا شکر اور ملازمت عبودیت بعض صوفیہ نے کہا ہے کہ یہ انوار کا پردہ ہے نہ اغیار کا جیسا کہ بعض عارفین نے کہا ہے۔ کہ آنحضرت کے مبارک دل پر انوار صفات الہی کے تجلے ہوتے۔ اور ہر آن ترقی کرتے جب آپ نیچے کے درجہ سے اوپر کے درجہ پر پہنچتے تو نیچے کے درجہ کو اوپر کے درجہ کی نسبت گناہ سمجھتے اور اوس سے بخشش مانگتے۔ آپ کے دل کا ہمیشہ ابد الاباد یہی حال ہے۔

ملا علی قاری نے اس حدیث کی تشریح میں شرح فقہ اکبر میں کہا ہے۔

واما قولہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ لیغان علی قلبی وانی لاستغفر اللہ فی الیوم مائۃ مرۃ فقال الرازی فی التفسیر الکبیر اعلم ان الغین

کہ پردہ وہ ہے جو دل کو ڈھانک لیتا ہے جیسے باریک بدلی ہوا میں سورج کی آنکھ کے لئے حجاب نہیں ہوتی۔ صرف پوری روشنی کو روک لیتی ہے۔ پھر اس

بغشی القلب ویغطیه بعض التغطیة
وهو کالغیم الرقیق الذی یعرض
فی الهواء فلا یحجب من عین الشمس
ولکن یمنع کمال ضوئها ثم ذکروا
لهذا الحدیث تاویلات -
اولها ان الله اطلع نبیه علی مایکون
فی امته من بعده من الخلاف وما
یصیبهم فکان اذا ذکر ذلک وجد
غینًا فی قلبه فاستغفر لامته قلت
وفیه بعد ظاهر فی الافهام من
جهة دوام تذکر ذلک المقام مع
انه صلی الله علیه وسلم کان فی مرتبة
عالیة من المرام -
وثانیها انه صلی الله علیه وسلم
کان ینتقل من حالة الی اخری رفع
من الاولی فکان الاستغفار لذلک
یعنی لتوقفه وظنه انه حالة الاعلی
وهذا المعنی هو الاولی لمطابقته قوله
تعالی وللاخرة خیر لك من الاولی
وثالثها ان الغین عبارة عن السکر
الذی کان یلحقه فی طریق المحبة

حدیث کی کئی تاویلیں علماء نے کی ہیں
ایک تاویل یہ کہ خدا نے آنحضرت کو
امت کے ان باہمی اختلاف اور مصیبتوں پر
اطلاع دی تو اون کی یاد سے آپ کے دل میں
پردہ ہوجاتا۔ جس کے لئے آپ بخشش مانگتے
ہیں (ملا علی قاری) کہتا ہوں یہ تاویل
بعید ہے اور اس حجاب کا ہمیشہ
آنحضرت کے دل پر وارد ہوتے رہنا۔
آپ کے عالی رتبہ کے مخالف ہے۔
دوسری تاویل یہ کہ آپ ایک ادنے
حالت سے اونچی حالت کی طرف انتقال
کرتے تو پیچھے کی حالت کو اعلے سمجھنے۔ اور
اسمیں توقف کرنے کے سبب اوسکو گناہ
سمجھتے۔ یہ تاویل اس قول خداوندی کے
مطابق ہے۔ جو فرمایا ہے۔ البتہ تیری
دوسری حالت پہلی حالت سے بہتر ہی
تیسری تاویل یہ کہ پردہ اس حالت سکر
وبے خودی سے مراد ہے۔ جو سلوک
راہ محبت میں آپ کو لاحق ہوتی تھی۔
یہانتک کہ آپ اپنی ذات کے حالات
سے بالکل فنا و بے خبر ہوجاتے۔ پھر جب

حتی یصیر فانیًا عن نفسه بالکلیة فاذا عاد الی الصحو کان الاستغفار من ذلك الصحو وهو تاویل ارباب الحقیقة قلت ویؤیدہ حدیث لی مع الله وقت لا یسعنی فیه ملك مقرب ای جبرئیل المقدس او نبی مرسل ای نفسه الانفس الا انه قد یقال الاستغفار لیس من الصحو بل من المحو لظاهر قوله علیه السلام وانه لیغان علی قلبی حتی یمنعنی عن شهود ربی فی مقام جمع الجمع الذی لا یحجب الکثرة عن الوحدة ولا یمنع الوحدة عن الکثرة لاسیما وهو فی منصب الرسالة وفی مقام تبلیغ الدعوة والدلالة فکل ما یمنعه عن المقام الاکمل فنسبة الاستغفار الیه امثل - وقد یقال ان الغین کنایة عن الغیر من ملاحظة الخلائق - ومرابطة العلائق ومضائقة العوائق کما ان العین

ہوش میں آتے - تو اوس ہوش کیحالت سے استغفار کرتے - یہ تاویل اون لوگون کی ہے - جو حقائق آگاہ کہلاتے ہیں + میں (ملا علی قاری) کہتا ہوں اس تاویل کی موید وہ حدیث ہے جو آپ نے فرمائی ہے - کہ مجھے خدا کے ساتھ ایسا وقت خلوت و تجرد بھی ہوتا ہے - جسمیں میرے ساتھ کسی مقرب فرشتے (جبریل امین) یا نبی (نفس نفیس خود حضرت رسالت) کی گنجائش نہیں ہوتی - یہ بھی کہا گیا ہے - کہ یہ استغفار حالت ہوش سے نہیں - بلکہ حالت سکر و بےخودی سے ہے - اسکی تائید آپ کا یہ قول کرتا ہے - کہ میرے دل پر پردہ ہو جاتا ہے - جو مجھے تجلے الٰہی سے (جو جمعیت کے مقام میں ہوتے ہیں) اور اسمیں نہ کثرت وحدت کی حجاب ہوتی ہے نہ وحدت کثرت کی) روک لیتا ہے یہ معنے حجاب کے خاص کر آپ کے منصب رسالت اور مقام تبلیغ دعوت کے لئے مناسب ہیں جو محویت و بےخودی آپکو ایسے کامل مقام تبلیغ رسالت اور دعوت

كناية عن مراقبة الذات و
هو عين العلم والايمان و
زين العمل والاحسان كما
يشير اليه حديث الاحسان
ان تعبد الله كانك تراه اى
تكون فى مقام العبودية لله
بحيث لا يخطر ببالك ما سواه
والخواطر لا تنفك عن السرائر
فكلما خطر بباله سوى الله
قال استغفر الله - كما اشار
شيخ مشايخنا ابو الحسن البكرى
فى حزبه الى هذا المقام العلى
والحال السرى واومى اليه
العارف ابن الفارض ايضا
بقوله ولو خطرت لى سواك
ارادة * على خاطرى سهوا
حكمت بردتى * ومن هذه
العبارات يفهم مضمون
كلام من قال من اهل الاشارات
حسنات الابرار سيئات
الاحرار -

سے روکے اس سے استغفار بہت بہتر ہے
اگرچہ وہ حالت آپ کے ذاتی حظ کے لحاظ
سے مفید ہے - یہ بھی اوسکی تاویل میں کہا گیا
ہے - کہ پردہ سے مراد غیر اللہ (مخلوقات) کا
خیال میں آنا اور اُنسے تعلقات کا ربط ہونا - اور ایسی
مانعات کی تنگی کا پیش آنا جیسا کہ عین سے مراد خدا کی
ذات کا خیال رہنا اور اوسکی صفات کا مشاہدہ ہونا ہی
جو عین علم و ایمان اور زینت عمل و احسان ہے - جیسا کہ حدیث
میں آیا ہی - کہ عبادت کا احسان (یعنی اچھا کرنا) یہی کہ تو خدا کی
ایسی عبادت کرے - کہ گویا تو اوسکو دیکھ رہا ہی یعنی تو عبودیت
کے مقام میں ایسا ہو کہ تیرے دل میں خدا کے سوا کسیکا خیال نہ گذرے اور
[illegible] لہذا جب
آنحضرت کے دل میں کسی غیر کا خطرہ
گذرتا - آپ اوسکو پردہ سمجھتے اور اوس سے بخشش
مانگتے - چنانچہ ہمارے مشایخ کے شیخ ابو الحسن بکری
نے اپنے حزب میں اس عالی مقام اور مخفی حال
کیطرف اشارہ کیا ہی - اور اوسی مقام کی
ابن الفارض عارف نے وصیت کرکے شعر
میں کہا ہے - اے خدا اگر تیرے غیر کا ارادہ
و خطرہ میرے دل میں بھولے سے بھی
پیدا ہو - تو میں اپنے اوپر مرتد ہو جانے کا

ورابعها وهو تاويل اهل الظاهر ان القلب لا ينفك عن الخطرات وخواطر الشهوات وانواع الميل والارادات وكان يستعين بالرب في دفع تلك الخواطر قلت

وخامسها تبعاً لارباب الظاهر انه كان استغفاره من رؤية العبادات او من تقصيره في الطاعات او عجزه عن شكر النعم في الحالات ولذا كان عليه السلام يستغفر اذا فرغ عن الصلوة وكذا اذا خرج من قضاء الحاجات ومن هذه القبيل قول رابعة العدوية استغفارنا يحتاج الى استغفار كثيرة وله معنيان - احدهما ادق من الاخر فتامل وتدبره

(شرح فقه اكبر ص۲۶)

حکم و فتوے لگا دوں - آں ہی عبارات سے اہل اشارات کے اس قول کا مضمون سمجھ میں آتا ہے کہ عام نیکوں کی نیکیاں خاص مقربین - اور قیود نفس سے آزاد لوگوں کی برائیاں سمجھی جاتی ہیں -

چوتھی تاویل اہل ظواہر کی ہے - کہ دل میں ہمیشہ خطرات اور نفسانی خواہشات و ارادات وارد ہوتے رہتے ہیں - جن سے کوئی دل خالی نہیں ہوتا - ان خطرات کو آنحضرت نے پڑھ کہا ہے - اور اس سے بخشش مانگی ہے -

پانچویں تاویل یہ کہ اپنی عبادت کو عبادت سمجھنا بھی ایک حجاب ہے - اس لئے آپ بخشش مانگتے - یا طاعت میں کچھ قصور کر رہنے اور تمام حالات میں ادائے شکر نعمت سے عاجز رہنے سے آپ استغفار کرتے - اسی واسطے جب آنحضرت نماز سے فارغ ہوتے تو استغفار کرتے ایسا ہی جب آپ قضا حاجت ضروریہ سے فارغ ہو کر نکلتے تو بخشش مانگتے - اس تاویل کی قسم سے مشہور ولیہ رابعہ بصریہ عدویہ کا قول ہے کہ ہمارا استغفار (بخشش مانگنا) کئی استغفاروں کا محتاج ہے - اس قول کے دو معنے ہیں - جن میں ایک دوسرے سے زیادہ باریک ہیں - کلام ملا علی قاری

خاکسار ناقل عبارت ومترجم کہتا ہے۔ کہ ان دو معنے سے اوّل یہ
ہیں (واللہ اعلم) جو ظاہری۔ اور سرسری ہیں کہ جب ہم خدا سے بخشش مانگتے
ہیں۔ اور استغفار پڑہتے ہیں تو ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم نہ صرف زبان سے
استغفر اللہ کہنے پر اکتفا کریں۔ بلکہ سیکڑوں بلکہ ہزاروں گناہوں کو جو ہمارے
دل۔ زبان۔ ہاتھ۔ پاؤں وغیرہ اعضا ظاہری و باطنی سے سرزد ہوتے ہیں
پیش نظر رکھیں۔ اور ان سب گناہوں سے بخشش مانگیں۔

معنے دوم جو دقیق ہیں یہ ہیں کہ جو ہم استغفار کرتے ہیں اور استغفر اللہ کہتے
ہیں۔ یہ فعل اور کلمہ خود اس لائق ہے۔ کہ ہم اس سے استغفار کریں۔ اور خدا
سے اوس کے لئے بخشش مانگیں۔ کیونکہ یہ کلمہ جسطرح پر ہم کہتے ہیں۔ اور جس قدر
خلوص وحضور قلب اس میں ہم بجالاتے ہیں وہ خدا کی عظمت وتقدس اور
شان کے شایاں نہیں ہوتا۔ لہذا ہم کو اس استغفار سے استغفار کرنا چاہیئے۔
پھر اس استغفار سے جو اس استغفار کی ندامت واعتراف تقصیر میں کریں گے۔
وعلے ہذا القیاس۔

محققین کا یہ خیال* ہے۔ کہ نماز کے بعد آنحضرت کا تین دفعہ استغفار
اور توبہ کرنا یعنے استغفر اللہ الذی لا الٰہ الا ھو الحی القیوم واتوب الیہ
پڑہنا اسی اصول وخیال پر مبنی تھا جس کا مطلب ومقصود یہ ہوتا تھا۔ کہ اے الٰہ العالمین
ہم نے جو یہ نماز پڑہی ہے۔ اسمیں ہم نے تیرا حق عبادت جیسا کہ چاہیئے تھا
ادا نہیں کیا۔ اور جو عجز وخشوع وخلوص وحضور وقطع تعلق ماسوے اللہ تیرے
شان کے لائق تھا۔ وہ ہم سے پورا ادا ماعبدناک حق عبادتک
نہیں ہوا۔ ہم اس تقصیر کی معافی چاہتے ہیں۔ اور اس سے توبہ کرتے ہیں
اس استغفار سے یہ مطلب ومقصود نہ ہوتا تو نماز اور کونسے گناہوں کا محل تھا

* صفحہ (۱۴۸) نمبر ۵ جلد ہذا ملاحظہ ہو۔

کہ سلام پھیرتے ہی اُنسے توبہ کرنے کا وقت آگیا تھا۔

عیسائی ان اسرار و معارف روحانیہ کو سمجھنے سے ایسے کورے و عاری ہیں۔ جیسا اندھا مادرزاد دیکھنے یا عنین (پیدائشی نامرد) لذت مباشرت سے وہ ان معارف کو کیونکر سمجھیں جبکہ اون کے ہادی نے اون کے زعم میں کبھی استغفار نہیں کیا۔ اور نہ اون کو استغفار سکھایا۔ اون کو عبادت و دعا سکھائی تو یہہ سکھائی* کہ "اے خدا ہم کو روز کی روٹی دے"۔ لہذا اون کی دعا و عبادت یہی ہے۔ کہ خوب کھائیں اور عیش و خوشیاں مناویں۔ گرجا میں جاویں تو وہاں بھی راگ گائیں اور باجے بجائیں۔ اور ماہ جبینوں کے نظارہ کا لطف اوٹھائیں اور اون کے ہاتھوں سے ہاتھ ملاویں۔ اور خدا پر یا مسیح پر بہت مہربانی کریں تو بیچ میں یہ کلمہ بھی کہدیں کہ ہم نے مسیح کا خون پیا۔ یا وہ ہمارا کفارہ ہوگیا اور اتنے پر یقین کرلیں کہ بس ہم نے خدا کی عبادت کا حق ادا کیا اب ہمارا حق خدا کے ذمہ ثابت ہوگیا۔ کہ وہ ہم کو اپنی آسمانی بادشاہت میں داخل کرے۔

وہ حضرات ان اسرار و معارف کو سنیں گے تو امید نہیں کہ ان سے نفع اوٹھاویں۔ بلکہ خوف ہے کہ اپنی ہنسی اوڑاویں۔ اور قہقے لگا کر تالیاں بجائیں یہ اسرار معارف ہم نے اون کی خاطر سے بیان نہیں کئے۔ بلکہ حقائق شناس و نکتہ رس اہل اسلام کے لئے بیان کئے ہیں۔ اور خدا تعالے سے قوی امید ہے کہ ان اسرار کو سننے اور پڑہنے سے اون کے ایمان تازہ ہونگے۔ اور وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے استغفار اور اظہار عجز وانکسار سے آپ کے تقدس وحقانیت ولاہیت کا اور یقین بڑہائینگے۔

ذیل میں ہم قرآن وحدیث سے ان باتوں کی تائیدات نقل کرتے ہیں۔ جو علماء کرام نے توجیہات و تاویلات مذکورہ بالا میں کہی ہیں۔ تاکہ اُنسے

* دیکھو انجیل متی باب ۶ آیت ۹ سے ۱۱۔ ‡ صفحہ ۲۲۸ ملاحظہ کرو

اہل ایمان کو یقین زیادہ ہوں - اور عیسائی وغیرہ مخالفین کی اس نکتہ چینی سے دہان بندی ہو کہ یہ تاویلات و توجہات پیروان و ثناخوانان پیغمبر از خود کرتے اور کہتے ہیں - اور مثل مشہور "پیراں نمے پرند - مریداں مے پرانند" پر عمل کر رہے ہیں - اور درحقیقت اون کے پیغمبر نے نہ یہ باتیں کہی ہیں اور نہ توبہ استغفار واعتراف گناہ سے یہ باتیں آپ کو مد نظر تھیں - لہذا یہ توجیہات توجیہ القول بما لایرضی بہ قائلہ کا مصداق ہیں - جیسا کہ مسٹر اکبر مسیح نے اپنے خط ۷ - جنوری ۱۸۹۶ء مندرجہ کشف الحقایق نمبر ۷ جلد ۲ صفحہ ۱۰۵ وغیرہ کہا اور انصاف کا خون کیا - اور مسلمانوں کی گردن پر بیرحمی کا چھرا چلایا ہے - وہ آنحضرت کی حدیث رب انی ظلمت نفسی ظلما کثیرا یعنے الہی مینے اپنی جان پر بہت سا ظلم کیا - نقل کر کے یہ فقرہ لکھتے ہیں "سچ ہے من آنم کہ من دانم" چاہے لوگ کسی بزرگ کی خوبیوں کے بارہ میں کسقدر مبالغہ کیوں نہ کریں مگر پوچھا چاہیئے کہ وہ اپنی نظروں میں اپنے تئیں کیسا دیکھتا ہے ؟

ان تائیدات کو پڑھ کر اور سنگ سخت دل سے سخت دل اور بے انصاف سے بے انصاف عیسائی بھی مان لے گا - اور کہیگا کہ اہل اسلام نے جو توجیہات آنحضرت کے استغفار و اعتراف ظلم و اظہار و انکسار کے متعلق بیان کی ہیں - وہ آنحضرت کے منشاء اور نیت کے عین مطابق اور اون کے اقوال سے مستنبط ہیں - اون کے پیروان کی از خود بے جا خوشامد صرف معتقدانہ تعریف نہیں ہے - اور نہ توجیہ القول بما لایرضی بہ قائلہ کا مصداق ہے -

آیات واحادیث سے اس بات کا ثبوت کہ جسقدر انسان بلند رتبہ ہوتا ہے اسیقدر خدا سے زیادہ ڈرتا ہے

ایک آیت میں ارشاد ہوا ہے - جنکو یہ لوگ پکارتے (اور پوجتے) ہیں

اولٓئک الذین یدعون یبتغون الی ربھم الوسیلۃ ایھم اقرب ویرجون رحمتہ ویخافون عذابہ (بنی اسرائیل - ع - ۶)

(یعنے حضرت عیسے وعزیر وغیرہ انبیاء) اون میں سے جو خدا کے حضور میں زیادہ قرب رکھتا ہے وہی خدا کی طرف وسیلہ (عبادت وطاعت) تلاش کرتا ہے - اور خدا کی رحمت کی امید رکھتا ہے - اور اوسکے عذاب سے ڈرتا ہے -

ایک اور آیت میں حضرت ابراہیم واسحق ویعقوب واسمعیل ولوط ونوح و

انھم کانوا یسارعون فی الخیرات ویدعوننا رغبا ورھبا وکانوا لنا خاشعین (انبیاء - ع - ۶)

داود وسلیمان و ایوب و یونس و زکریا و یحیی (بحسب بیان انجیل پیرومرشد حضرت عیسے) سلام اللہ علیھم اجمعین کا ذکر فرماکر ارشاد فرمایا ہے کہ یہ لوگ نیکیوں میں جلدی کرتے اور ہمکو رغبت اور خوف سے پکارتے اور ہم سے ڈرنے والے تھے

ایک آیت میں نیکیوں میں جلدی کرنے والوں کی بطور تفسیر یہ حالت

والذین یؤتون ما اتوا وقلوبھم وجلۃ انھم الی ربھم راجعون اولٓئک یسارعون فی الخیرات وھم لھا سابقون (المؤمنون - ع ۴)

بیان ہوئی ہے - کہ وہ طاعت کرتے ہیں (نماز روزہ وغیرہ ادا کرتے ہیں) اور پھر ڈرتے ہیں - کہ ہم کو خدا کیطرف جانا ہے - (یعنے دیکھئے وہاں ہماری نمازیں قبول ومنظور ہوتی ہیں یا نہیں - اور وہ نمازیں ٹھیک ادا ہوئی نکلتی ہیں یا نہیں) یہی لوگ ہیں جو نیکیوں میں جلدی کرتے ہیں - اور یہی سب سے اگاڑی بڑہنے والے ہیں -

اور آنحضرت نے فرمایا ہے سن رکھو خدا کی قسم ہے میں تم سب

اما واللہ انی لاخشاکم للہ و

کی نسبت خدا تعالے سے زیادہ ڈرنے والا

اتقاکم لہ (مشکوۃ صفحہ ۱۹ بروایت بخاری مسلم)

اور اوسکے گناہوں سے زیادہ بچنے والا۔

اس قول آنحضرت کا عملی ثبوت یہ تھا کہ آپ نماز تہجد میں اسقدر دراز قیام

قام رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم حتی تورمت قدماہ فقیل لہ لم تصنع ھذا وقد غفر اللہ لک ما تقدم من ذنبک وما تاخر قال افلا اکون عبدًا شکورًا متفق علیہ (مشکوۃ صفحہ ۱۰۱)

کیا کرتے تھے کہ آپ کے مبارک قدم سوج جاتے۔ کسی نے عرض کیا۔ کہ آپ تو بخشے بخشائے ہوئے ہیں۔ (یعنے پھر اتنی تکلیف کیوں اوٹھاتے ہیں) تو آپ فرماتے کہ پھر کیا میں شکر گذار بندہ نہ ہوں۔

سجدہ میں آپ بعض اوقات اسقدر طول کرتے کہ دیکھنے والا یہ گمان کرتا کہ

خرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی دخل نخلا فسجد فاطال السجود حتی خشیت [illegible] اللہ تعالی قد توفاہ (مشکوۃ صفحہ ۷۹)

اس حالت میں آپ کی روح مبارک نکل گئی [illegible] آپ نماز میں گریہ و زاری کرتے رہتے۔

ایسا ہی عمل کمال خشیت آپ کے روزہ رکھنے اور راہ خدا میں تمام مال خرچ کردینے اور کھانے۔ پینے۔ پہننے۔ سونے۔ وغیرہ حاجات میں لذات و نعماء دنیا ترک کرنے میں آپ سے پایا گیا ہے۔ اور روداد بن سنت میں مروی ہے شائقین بلاحظہ تمثیلات اشاعۃ السنۃ نمبر ۶ جلد ۱۰ کا صفحہ (۱۷۱) وغیرہ دیکھیں۔

اس کمال پر آپ کا یہ خیال تھا کہ مینے کچھ نہیں کیا۔ اور مجھ سے خدا کی عبادت و اطاعت کا حق ادا نہیں ہوا۔ ما عبدناک حق عبادتک

لا احصی ثناءً علیک انت کما اثنیت علی نفسک (ابوداود ترمذی وغیرہ)

اور یہ مقال کہ خدایا تیری صفت و تعریف میں نہیں کرسکا۔ تیری شان

وہی ہے۔ جو تونے خود اپنی شان بیان کی ہے۔ اور یہ اعتراف کہ میرا عمل میری

لن ینجی احداً منکم عمله - قال رجل ولا ایاك قال ولا ایای الا ان یتغمدنی الله منه برحمته (مسلم ص۳۷۶ و مشکوٰۃ ص۱۹۹)	نجات کا موجب نہیں ہوسکتا جب تک کہ خدا کی رحمت مجھے ڈھانپ نہ لے۔

اس بات کا ثبوت کہ بڑوں کا چھوٹا قصور بھی چھوٹوں کے بڑے گناہ کے برابر سمجھا جاتا ہے۔ اور اُس پر بڑا مواخذہ ہوتا ہے

ایک آیت میں آنحضرت کو خطاب ہوا ہے۔ کہ اگر ہم تجھے ثابت قدم

ولولا ان ثبتناك لقد كدت تركن اليهم شيئا قليلا و اذا لا ذقناك ضعف الحيوة و ضعف الممات ثم لا تجد لك علينا نصيرا (بنی اسرائیل ع)	نہ رکھتے تو قریب تھا۔ کہ تو (قوم ثقیف کی ناجائز درخواست کی طرف) کسی قدر جھک جاتا تب ہم تجھے دُگنا عذاب زندگی میں [illegible] قیامت کو چکھاتے۔ پھر تو کسی کو نہ پاتا۔ جو ہمارے

مقابلہ میں تیرا مددگار ہوتا۔

ایک اور آیت میں آنحضرت کے ازواج مطہرات کو خطاب ہوا

یا نساء النبی من یات منکن بفاحشة مبينة يضاعف لها العذاب ضعفين وكان ذلك على الله يسيرا (احزاب - ع - ۴)	اے نبی کی بیویاں جو کوئی تم میں سے۔ کھلی بے حیائی کی مرتکب ہوگی اوسکو دوگنا عذاب ہوگا۔ اور یہ کام خدا پر آسان ہے۔

اسی اصول پر آنحضرت کا اپنے اصحاب اور احباب کے ساتھ عمل درآمد تھا۔ اکابر صحابہ سے چھوٹے امر بھی آپ زیادہ عتاب فرماتے۔ چھوٹوں کی بڑی

باتوں پر درگذر فرماتے۔

ان رجلا ام قوما فبصق فی القبلۃ ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ینظر فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حین فرغ لا یصلی لکم الحدیث۔ (ابوداؤد صـ۶۸)

ایک صحابی نے جو قوم کا امام ومقتدا تھا۔ قبلہ کی طرف کو تھوکا۔ تو آپ نے اوس کو امامت سے معزول کردیا۔

قام اعرابی فبال فی المسجد فتناولہ الناس فقال لھم دعوہ وھریقوا علی بولہ سجلا من ماء الحدیث (بخاری صـ۳۵)

اور ایک اعرابی (جنگلی گنوار) نے صحن مسجد کے کونہ میں پیشاب کردیا۔ تو اوس کو لوگوں نے ڈانٹا۔ آپ نے اون کو منع کیا۔ اور اوسکو نہ جھڑکا۔ اور نہ مارا۔ بلکہ نرمی سے سمجھادیا۔ کہ مسجدیں اس کام کے لئے نہیں بنائی گئیں۔

عام مسلمانوں کے مباحات خواص کیلئے ممنوعات ہونے وخواص کے بعض حسنات [illegible] سیئات ہونیکا ثبوت

یا یھا النبی قل لازواجک ان کنتن تردن الحیوۃ الدنیا وزینتھا فتعالین امتعکن واسرحکن سراحا جمیلا۔ وان کنتن تردن اللہ ورسولہ والدار الاخرۃ فان اللہ اعد للمحسنات منکن اجرا عظیما۔

(احزاب ع ۴)

ایک آیت میں آنحضرت کے ازواج مطہرات کے خطاب میں زینت کا لباس اور عمدہ پردے طلب کرنے پر (جو عام مستورات کے لئے حلال تھا۔ چنانچہ قرآن وحدیث سے ثابت ہے اور عمل زمانہ آنحضرت اسپر دلیل ہے) آنحضرت کو یہ کہدینے کا حکم ہوا۔ کہ تمہیں دنیا کی زینت بکار ہے۔ تو آؤ میں تم کو طلاق دوں۔ اور اچھی طرح چھوڑدوں اور اگر تم خدا ورسول اور پچھلے گھر (آخرت) کو چاہتے ہو۔ تو تمہارے لئے خدانے

بہت کچھ تیار کر رکھا ہے۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے عام مسلمانوں کو سونا چاندی جمع کرنیکی اجازت دے رکھی تھی۔ اور فرما دیا تھا کہ جس مال کی زکوۃ ادا ہو جائے۔ اوسکا جمع کرنا خزانہ جمع کرنا نہیں کھلاتا۔ دیکھئے جس کی مذمت قرآن کی آیت منقولہ حاشیہ میں آچکی ہے) مگر اپنی ذات کے لئے اس اجازت پر عمل کرنا پسند نہ تھا اور آپ نے صاف فرمایا۔ کہ مجھے پسند نہیں آتا کہ میرے پاس پہاڑ احد کے برابر سونا ایک رات رہے۔ بجز اوس دینار جس کو میں ادائے قرض کے لئے رکھوں۔ یہی حال و عمل آپ کے بعض اخص خواص ابو ذر غفاری جیسے عشاق نبوی۔ اور اصحاب صفہ کے صوفی تمانیون کا تھا۔ ابو ذر کا اس مسئلہ میں امیر شام سے جھگڑا کرنا۔ اور اس جھگڑے کے سبب حضرت عثمان کا ابو ذر کو شام سے مدینہ میں بلا لینا۔ بخاری وغیرہ میں منقول ہے۔ اصحاب صفہ میں ایک شخص فوت ہوا۔ تو اوسکا ترکہ ایک دینار نکلا جسپر آنحضرت ایک داغ کا ڈر سنایا دوسرے کے

ما ادی زکوتہ فلیس بکنز + (بخاری صـ۱۸۱ - ابوداؤد صـ۲۱۷)

والذین یکنزون الذھب والفضۃ ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ فبشرھم بعذاب الیم (توبہ - ع ۵)

ما یسرنی ان لی احد ذھبًا یبیت عندی منہ دینار الا دینار ارصدہ لدین اشاء علیہ من واعملات البخاری صـ۱۸۱ ومشکوۃ صـ۱۵۶)

عن ابی ذر کنت بالشام فاختلفت انا ومعویۃ فی الذین یکنزون الذھب والفضۃ الحدیث (بخاری صـ۱۸۹)

عن ابی امامۃ قال ان رجلا من اھل الصفۃ توفی وترک دینارًا فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیۃ - ثم توفی اخر فترک

دینارین فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیتان (رواہ احمد مشکوۃ صفحہ ۴۳)

ترکہ میں دو دینار نکلے۔ تو آنحضرت نے اوس کو آگ کے دو داغونکی وعید سُنائی۔

آنحضرت نے اولاد سے محبت کرنے اور اون کو گود میں لینے اور چومنے کو طاعات اور حسنات میں شمار کیا تھا۔ اور اسپر آپ کا عمل بھی تھا۔

قبل رسول اللہ الحسن بن علی و عندہ الاقرع بن حابس التیمی جالس فقال الاقرع بن حابس ان لی عشرۃ من الولد ما قبلت منھم احدا فنظر الیہ رسول اللہ فقال من لا یرحم لا یرحم (بخاری صفحہ ۸۸۶)

ایک شخص نے اپنی اولاد کو چومنے سے آپ کے سامنے انکار ظاہر کیا۔ تو آپنے اوسکو بے رحم قرار دیا۔ اور فرمایا۔ کہ جو رحم نہیں کرتا۔ اُسپر رحم نہیں ہوتا۔

خطبنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاقبل الحسن والحسین و علیھما قمیصان احمران یعثران ویقومان فنزل فاخذھما۔ فصعد بھما ثم قال صدق اللہ انما اموالکم واولادکم فتنۃ (ابوداؤد صفحہ ۱۵۷)

ومعہذا ایک دفعہ امام حسن وامام حسین علیہما السلام کو حالت خطبہ میں آنے کے وقت اٹھا لیا اور اپنے پاس بٹھا لیا۔ تو اس فعل کو فتنہ قرار دیا۔ جسکے یہی معنے ہیں کہ یہ فعل گو ایک قسم کی طاعت ونیکی ہے مگر بمقابلہ ذکر و یاد الٰہی نیکی نہیں۔ بلکہ فتنہ ہے۔ اور حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَیِّئَاتُ الْمُقَرَّبِیْن کا مصداق ہے۔

خدا کی دائمی یاد میں خصوصًا حالت عبادت میں خشوع وخضوع اور محویت اور دنیاوی خیالات و تعلقات سے قطع التعلق کے ضروری ہونے اور اس میں کمی کے داخل تقصیر ہونیکا ثبوت

ایک آیت میں آنحضرت کو خطاب ہوا ہے۔ کہ خدا کو یاد کر اور

واذکر اسم ربك وتبتل الیه تبتیلا (مزمل - ع - ۱ -)

سب سے ٹوٹکر اوس کیطرف آجا -

قد افلح المؤمنون الذین هم فی صلوتهم خاشعون ٭ (مومنون - ع - ۱)

ایک اور آیت میں عام مسلمانون کو ارشاد ہوا ہے - کہ فلاح و رستگاری پا گئے وہ مومن جو اپنی نمازوں میں دل سے عاجزی کرتے ہیں -

ایک حدیث آنحضرت نے فرمایا کہ پانچ نمازیں ہیں جنکو خدا نے فرض

خمس صلوة افترضهن الله تعالیٰ فمن احسن وضوءهن وصلاهن لوقتهن واتم رکوعهن وخشوعهن کان له علی الله عهد ان یغفر له ومن لم یفعل فلیس له علی الله عهد ان شاء غفر له وان شاء عذبه رواه احمد (مشکوة صفحہ ۵۰)

کیا ہے - پس جو شخص اون میں پورا خشوع کریگا - اُس کے لئے خدا کا وعدہ بخشش ہے - جو ایسا نہ کرے گا اوس کے لئے کوئی وعدہ نہیں - خدا چاہے تو بخشے [illegible] عذاب کرے -

ان الله لا یستجیب دعاء من قلب غافل رواه الترمذی (مشکوة صفحہ ۱۸۶)

ایک حدیث میں آنحضرت نے ارشاد کیا ہے - کہ غافل دل یعنے بے خیال و بے حضور دل دعا مانگنے والے کی دعا قبول نہیں ہوتی -

اور **ایک حدیث** ارشاد ہوا ہے - کہ نمازی خدا سے مناجاتیں کرتا ہی

المصلی یناجی ربه فلینظر ما یناجیه به (مشکوة صفحہ ۷۳)

یعنے دعا مانگتا ہے - پس چاہیئے کہ تم اپنی مناجات کی طرف نظر کرو - یعنے خیال کرو بے حضور و خیال نہ بولتے جاؤ -

اور **ایک حدیث** میں ارشاد ہوا - عبادت کا احسان (یعنے

قال وما الاحسان - قال ان

اچھا کرنا) یہ ہے کہ تو خدا کی ایسی عبادت

تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک (بخاری صـــ۱۲)

کرے کہ گویا اوسکو دیکھ رہا ہے۔ اور اگر تو اوسکو نہیں دیکھتا تو وہ تو تجھے دیکھتا ہی

یعنے اگر اول تو تو اس عبادت میں ایسا محو و ماسوی اللہ سے متجرد ہو جا کہ گویا خدا تجھے نظر آرہا ہے۔ اور اگر یہ مقام تجھے میسر نہ ہو تو اتنا ضرور خیال ہو کہ خدا مجھے دیکھ رہا ہے۔ اب میں دوسری طرف التفات و خیال نہ کروں۔ اوسی کے حضور میں عرضیں کرتا رہوں۔

ایک حدیث میں آنحضرت نے فرمایا ہے۔ جو شخص میرے اس

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من توضاء نحو وضوئی ھذا ثم صلی رکعتین لا یحدث فیہما نفسہ غفر لہ ما تقدم من ذنبہ (صحیح بخاری صـــ۲۸)

وضو کی طرح وضو کرے پھر دو رکعتیں ایسی پڑھے کہ اون میں بجز یاد خدا کوئی دوسری بات اوس کے دل میں نہ آوے اوسکے پچھلے تمام گناہ بخشے جائیں گے

آنحضرت کے اس قول سے اور جو ہمیں اپنے فعل سے تنبیہ کی ہے۔ صاف ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت کو یہ درجہ حضور و محویت و تجرد عما سوی اللہ و تبتل الی اللہ نماز میں حاصل تھا آپ کا تو بڑا رتبہ عالی تھا۔ یہ درجہ محویت تو آپ کے غلاموں اور غلامان غلاموں اور اونکے پیروان کو بھی حاصل تھا۔

ایک موقعہ جنگ ذات الرقاع پر آنحضرت نے دو صحابی (ایک

فنزل النبی صلی اللہ علیہ وسلم منزلا فقال من رجل یکلؤنا فانتدب رجل من المہاجرین و رجل من الانصار فقال کونا بفم الشعب قال فلما خرجا الرجلان اضطجع المہاجری

مہاجر ایک انصاری) کو ایک جگہہ پہرہ پر کھڑا کیا۔ ایک (مہاجر) لیٹ گیا۔ دوسرا (انصاری) نماز (نوافل) پڑھنے لگ گیا ایک شخص دشمن آیا اور اوس نے خیال کیا کہ یہ پہرہ دار ہے تو اسنے اوسپر تیر چلایا

وقام الانصاری یصلی واتی الرجل فلمّا رای شخصه قال انه ربیئة للقوم فرماه بسهم فوضعه فیه فنزعه الدم حتی رماه بثلثة اسهم ثم رکع وسجد ثم انتبه المهاجر فلما عرف انهم قد نذروا به هرب فلمّا رای المهاجری ما بالانصاری من الدماء قال سبحان الله الا انبهتنی اول مارمی قال کنت فی سورة اقرؤها فلم احب ان اقطعها (ابو داؤد صـ۲۴ وصلہ فی البخاری صـ۲۹)

جس سے اوسکا خون جاری ہوگیا۔ پھر دو تیر اور مارے مگر اس انصاری نے کچھ پروا نہ کی۔ اور نماز پوری کی پھر مہاجر بیدار ہوا۔ اور دشمن نے سمجھا کہ یہ خبردار ہوگئے ہیں تو وہ بھاگ گیا۔ مہاجر نے جب انصاری کا خون دیکھا تو بولا سبحان تمنے مجھے پہلے تیر کے وقت کیوں نہ جگا دیا۔ اوس نے کہا میں سورہ کہف پڑھ رہا تھا۔ میرے دل نے نہ چاہا۔ کہ اوسکو ناتمام قطع کروں۔

حضرات [illegible] مخصوصاً ہمارے مخاطبین! تین تیر کاری لگیں اور خون بہا دیں اور وہاں خبر بھی نہ ہو کہ کس کو لگے ہیں۔ یہ محویت و از خود رفتگی نہیں تو اور کیا ہے۔

ایک نظیر اس کی کمال شرمندگی اور ندامت کے سبب سرافگندگی سے چشم پرآب اور دل بے تاب ہونے کی حالت میں نہ کسی فخر یا بڑائی یا اظہار بزرگی کے خیال سے دفخر یا بزرگی کیا خاک ہوگی۔ جبکہ وہ نظیر چھپن سالہ عمر میں ایک دفعہ سے زیادہ پائی نہیں گئی۔ لہذا اوسکا ذکر لائق شرم ہے۔ نہ محل فخر) یہ نالائق اپنی حالت سے پیش کرتا ہے۔ تاکہ میرے حسن العقیدہ دوست اوس کے شائق ہوں اور اوس کی طلب و تحصیل میں سعی و کوشش کریں۔ اس حالت کے منکر اور اس سے تمام عمر کورے نہ رہیں وہ یہ ہے کہ یہ ناکارہ و نالائق ایک دفعہ

ظہر یا عصر کے نوافل پڑھ رہا تھا۔ کہ میرے داہنے ہاتھ کی چھوٹی انگلی پر زنبور (تتیا) یا بھڑ نے کاٹا جس سے مجھے ویسی ہی سخت سوزش ہوئی۔ جو ہوا کرتی ہے۔ میں نے اس حالت نماز میں ارادہ کیا کہ میں نماز ہی میں اسجگہ کو جہاں بھڑ نے کاٹا تھا ہاتھ سے دبا کر اوسکا زہریلا خون نکال دوں۔ تب مجھے اس انصاری کا واقعہ تیر لگنے کا یاد آگیا۔ اور یہ خیال پیدا ہوا کہ اوسکو تین تیر لگے تو بھی اوس نے کوئی پروا نہ کی۔ اور تو ایک بھڑ کے کاٹنے سے یہ ارادہ کر بیٹھا ہے۔ اس خیال سے جو مجھو ندامت اور پھر رقت اور خشیت الٰہی پیدا ہوئی تو اوس سے مجھے وہ درد و سوزش بالکل نسیًا منسیًا ہوگئی۔ اور میری وہ نماز عجیب حلاوت سے ختم ہوئی۔ اس ایک آن کی رقت و خشیت کی برکت یہ بھی ظاہر ہوئی کہ نماز پڑھنے کے بعد بھی نہ سوزش ہی نہ درد او نہ ورم۔ گویا بھڑ نے کاٹا ہی نہیں تھا۔ مگر افسوس صد افسوس ہزار افسوس کہ پھر وہ حالت کبھی [illegible] - اللھم ارزقنی [illegible]۔

بزرگان دین کے ایسے حالات اگر لکھے جاویں۔ تو یہ مضمون ایک بڑا دفتر ہو جائے۔ تاہم ایک دو نظیریں اور اسمقام میں لکھی جاتی ہیں۔ تاکہ طالبان حق ان بزرگوں کی پیروی کریں۔

حضرت امام زین العابدین سے منقول ہے۔ کہ آپ جب وضو کرنے لگتے تو آپکے چہرہ کا رنگ زرد ہو جاتا۔ کسی نے پوچھا یا ابن رسول اللہ وضوء کے وقت آپ کی ایسی حالت کیوں ہو جاتی ہے۔ تو آپ نے فرمایا کیا تو نہیں جانتا کہ وضوء کے بعد میں کس کے حضور کھڑا ہونگا؟۔

اور ایک دفعہ آپ نماز میں کھڑے ہوئے تو آپ کے پاس والے مکان میں اتفاقًا آگ لگ کر مشتعل ہوئی۔ لوگوں نے ہر چند کہا کہ النار النار یا ابن رسول اللہ۔ مگر آپ نے کچھ پروا نہ کی۔ اور نماز طمانیت کے ساتھ پوری

کی اسکے بعد آپ کو کہا گیا کہ آپ نے ہماری پکار کو کیوں نہ سُنا تو آپ نے
فرمایا مجھے اس آگ کے خیال سے ایک اور آگ نے روک رکھا تھا دیعنے
الھتنی عنھا النار الاخری
دوزخ کی آگ یا عشق الٰہی کی آگ)
ایک واقعہ اس سے بڑھکر اور سُنو بصرہ کا قاضی بنی قشیر کا امام زرارہ

کان زرارہ بن اوفی قاضی البصرۃ
فکان یؤم بنی قشیر فقرء
یوما فی صلوۃ الصبح فاذا نقر
فی الناقور فذلك یومئذٍ یوم
عسیر علی الکافرین غیر یسیر
خر میتا فکنت فیمن احتملہ
الی دارہ (ترمذی صہ ۱۱)

بن اوفی نام اون کو صبح کی نماز پڑھا رہا
تھا۔ کہ اس آیت پر پہنچا جسکا ترجمہ یہ ہی
کہ جب کرنا میں پھونک ماری جاوے گی
یعنے حشر کے لئے تو وہ دن کافروں پر بڑا
سخت ہوگا تو وہ جان بحق تسلیم کرکے گر گیا
راوی حدیث کہتا ہے کہ میں بھی ان لوگوں
میں شامل تھا جو اوس کو اوٹھا کر
گھر لے گئے

ایسے واقعات اور بھی بہت ہوئے ہیں۔ جنکا ذکر امام منذری
نے کتاب ترغیب و ترہیب میں کیا ہے۔
جو شخص ان بزرگوں کی حالت محویت پر تعجب کرے اور اوسکو تسلیم نہ کرے۔
وہ یہ خیال کرکے اون کی تصدیق کرسکتا ہے۔ کہ دنیا میں فاسق و بدکار لوگ ایسے
ہوتے ہیں جو کسی خیال بد (جیسے کبوتر بازی یا پتنگ بازی یا کسی عورت یا مرد
کے عشق) میں مصروف اور محو ہو جاتے ہیں۔ تو وہ اس خیال محویت میں نہ کسی کی
سنتے ہیں۔ نہ کوئی چیز در دیوار دیکھتے ہیں۔ اور جس چیز کے شایق و عاشق ہوتے
ہیں وہ اُسیکو دیکھتے اور اوسی کی سنتے ہیں۔ پھر کیا طالبان مولےٰ و عاشقان خدا
اون سے بھی گئے گذرے ہوئے کہ اون کی محویت و استغراق محل تعجب

وار نگار ہو۔

اسی محویت میں جب کسی قدر فتور یا قصور واقعہ ہو جاتا ہے۔ تو اہل اللہ عبادت وطاعت کر کے یہ کہہ اٹھتے ہیں۔ ما عبدناک حق عبادتک اور اپنی اس عبادت وطاعت کے بعد کلمہ استغفار پڑھتے ہیں۔ اور توبہ کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے حضرت امام اعظم علیہ الرحمۃ نے فقہ اکبر میں فرمایا ہے کہ ایسا کوئی ایک بھی نہیں جو خدا کی عبادت ایسی کرے۔ جیسا کہ اوس کا حق ہے۔

ولیس یقدر احد الی یعبد اللہ تعالیٰ حق عبادتہ کما ھو اھل لہ۔ لکنہ یعبدہ بامرہ۔ ولھذا قال بعض العارفین لولا امرہ سبحانہ بقرءۃ ایاک نعبد وایاک نستعین لما قرءتہ لعدم مقامی فی مقام حقیقۃ الاخلاص فی العبودیۃ وتخصیص الاستعانۃ فی العبادۃ وغیرھا من الحضرۃ الربوبیۃ ولعلہ علیہ السلام فی نحو ھذا المقام قال لا اُحصی ثناءً علیک انت کما اثنیت علی نفسک وکان یستغفر بعد فراغ العبادۃ ایماءً الی انہ مقصر فی اداء حق الطاعۃ (شرح فقہ اکبر صہ)

اور جس لائق خدا تعالیٰ ہے۔ و لیکن بندہ خدا کے حکم سے اسکی عبادت کرتا ہے۔ ملا علی قاری نے شرح میں لکھا ہے اور چونکہ خدا کی عبادت جیسے کہ چاہیئے ادا نہیں ہو سکتی۔ اس لئے بعض عارفوں نے کہا ہے کہ اگر خدا کا یہ حکم نہ ہوتا کہ تم نماز میں ایاک نعبد وایاک نستعین پڑھ لیا کرو تو میں نماز میں یہ کلمہ نہ پڑھتا۔ کیونکہ میں عبودیت کو خالص خدا کے لئے کرنی اور مدد چاہنے کو عبادات میں ہو یا اور کاموں میں خدا تعالیٰ کیلئے مخصوص کرنے کے اصلی مقام میں کھڑا نہیں ہوتا۔ شاید اسی مقام میں آنحضرت نے فرمایا ہے۔ لا اُحصی ثناءً علیک۔ اور اسی وجہ سے آپ نے بعد نماز استغفر اللہ کہا ہے۔ اس اشارہ سے کہ میں خدا کی حق اطاعت سے جیسا کہ چاہیئے تقصیر وار ہوں۔

باب خوف المؤمن ان یحبط عملہ وھو لا یشعر قال ابراھیم التیمی ما عرضت قولی علی عملی الا خشیت ان اکون مکذبا الخ (بخاری ص۱۲)

صحیح بخاری کے صفحہ (۱۲) میں اس مضمون کا ایک باب منعقد کیا ہے۔ کہ مومن اپنے اعمال کے بیکار ہو جانے سے ڈرتا رہتا ہی پھر ابراہیم تابعی سے نقل کیا کہ مینے اپنے قول کا اپنے عمل سے مقابلہ و موازنہ کرکے دیکھا تو مجھے ڈر لگا کہ میں اس قول میں جھوٹا ہو رہا ہوں۔ یعنے اسلئے کہ جو کہتا ہوں سو کرتا نہیں ہوں۔ پھر اس مضمون کے بہت سے اقوال امام بخاری نے نقل کئے ہیں

ان مؤیدات کے خاتمہ پر ہم حضرت فخرالدین عراقی کی غزل کے دو بیت نقل کرتے ہیں۔ جسکو وہ کعبہ معظمہ کی گلیوں میں رو رو کر پڑہتے پھرتے۔ اور اپنی نماز اور طواف کعبہ کو اس محویت کی کمی سبب بیکار قرار دیتے۔ آپ فرماتے۔ ؎

بزمیں چوں سجدہ کردم ز زمیں ندا بر آمد ؎ کہ مرا خراب کردی تو بسجدہ ریائی ؎
بطواف کعبہ رفتم بحرم رہم ندادند ؎ کہ برون در چہ کردی کہ درون خانہ آئی ؎

ان مؤیدات کو انصاف کی نگاہ سے دیکھنے اور غور و فکر کے ساتھ پڑہنے سی عیسایئوں کو معلوم ہو سکتا ہے کہ علماء کرام نے جو توجیہات و تاویلات آنحضرت کے استغفار پڑہنے اور توبہ کرنے اور اپنے گناہوں کا اقرار کرنے اور اون کی معافی چاہنے اور اوس میں خدا کی طرف سے مامور ہونے کے متعلق بیان کی ہیں وہ عین تعلیم الٰہی و حال وقال آنحضرت کے مطابق اور اسی سے مستنبط ہیں۔ علماء نے از خود وہ باتیں نہیں بنائیں۔ اور وہ توجیہ القول بما لا یرضی بہ قائلہ اور مثل "پیراں نمے پرند مریداں مے پرانند" کا مصداق نہیں ہیں۔ اور درحقیقت و فے الواقعہ آنحضرت سے کوئی گناہ ایسا نہیں کیا جسمیں امر و نہی کا خلاف پایا گیا ہو یا کسی عام اصول اخلاق کا خلاف ہو بلکہ آپنے بعض امور اولے و افضل کی ترک ہو جانے یا بعض

سیئات کے جو عام مسلمانوں کے حق میں حسنات متصور ہوں عمل میں لانے سے یا کسیوقت اسباب دنیا کیطرف خیال و توجہ ہو جانے یا خدا کی یاد یا محویت میں کمی ہو جانے کو (وعلے ہذا القیاس) گناہ قرار دیا ہے اور اس سے استغفار کیا۔ ان ہی باتوں کو اپنے چھپے اور کھلے اور چھوٹے اور بڑے۔ اور اگلے پچھلے گناہ سے تعبیر کیا ہے۔ اور اس تعبیر و اعتراف تقصیر مین اپنا کمال درجہ اتقا و خشیت اللہ کا ثبوت دیا ہے۔

افسوس مسٹر اکبر مسیح نے آن احادیث کو ایک اردو میں مترجم کتاب حدیث میں دیکھ کر اون سے آنحضرت کے گناہ گار ہونے پر تمسک کیا۔ اور اس اعتراف کو "من آنم کہ من دانم" کا مصداق قرار دیا۔ اور علماء کی توجیہات و تاویلات کو معتقدانہ تعریفات و بے جا خوشامد خیال کیا۔ اور ان موجبات و تاویلات کے شواہد مویدات کو نہ دیکھا۔ وہ بیچارے دیکھتے تو کہاں اور کیا دیکھتے۔ مثل مشہور ہے۔ صاحب البیت ادری بما فیہ اپنے گھر کی بات گھر والا ہی جانتا ہے۔ غیر جو دروازہ یا کھڑکی کے آگے سے گذر [illegible] مسٹر اکبر مسیح کے دعوے بے تعصبی اور حق جوئی کی نظر سے اگر وہ دعوے سچا اور دل سے ہے۔ ہمکو امید ہے کہ ہمارے اس مضمون کو پڑھ کر وہ اپنے اس خیال کو واپس لینگے۔ اور یقیناً جان جائیں گے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کوئی گناہ نہیں کیا۔ اون کے اعتراف گناہ سے اونکا بے گناہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔

صفحہ (۲۵) سے اسمقام تک حضرات انبیاء علیہم السلام کی عصمت پر نکتہ چینی کی مخالفین کا جواب ادا ہوا ہے جس سے بخوبی ثابت ہوا کہ جن آیات یا احادیث یا وقعات سے اسلام کے نادان دوست (منکرین عصمت) یا مخالفین اسلام جملہ انبیاء یا خاصکر خاتم المرسلین کی عصمت کا خلاف ثابت کرتے ہیں اون سے عصمت کا خلاف ثابت نہیں ہوتا۔ بلکہ بعض متمسکات سے ان حضرات کی عصمت کا ثبوت

ملتا ہے۔

ومعہذا ہم اس عصمت کے ثبوت اور ضرورت پر اسمقام میں چند عقلی ونقلی دلایل بھی بیان کرتے ہیں۔ جنکے بیان کا وعدہ صفحہ (۲۵) میں کرچکے ہیں۔

معتزلہ اس عصمت کی عقلی دلیل یہ بیان کرتے ہیں (چنانچہ تفسیر کبیر وشرح مواقف میں بیان ہوا ہے) کہ اگر انبیاء سے عمداً کبیرہ گناہوں کا صادر ہونا جایز ہو تو اس سے انبیاء کی ہیبت لوگوں کے دلوں سے اٹھ جائے اور اون کا رتبہ لوگوں کی نگاہوں میں گرجائے۔ اور کوئی اون کی پیروی نہ کرے اور اس سے خلقت کو بگاڑنا اور اون کی اصلاح نہ کرنا لازم آوے۔ اور یہ امر خدا تعالے کی حکمت اور عقل کے مخالف ہے۔

لان صدور الکبایر عنہم عمداً یوجب سقوط ھیبتھم عن القلوب وانحطاط رتبتھم فی اعین الناس فیودی الی النفرۃ عنھم وعدم الانقیاد لھم ویلزم منہ افساد الخلایق وترک استصلاحھم وھو خلاف العقل والحکمۃ۔ (شرح مواقف صفحہ ۶۸۹)

اسلئے انبیاء سے صدور کبایر محال ہے۔

ہم اہل سنت اس دلیل کو اس پیرایہ میں ادا کرتے ہیں کہ حق تعالے نے قرآن میں فاسقوں کے قول کو جو اوس کی برخلاف عمل کرتے ہوں بے اعتبار ٹھیرایا ہے۔ اور اوسپر آیات منقولہ حاشیہ میں رد وانکار ظاہر کیا۔ اور فرمایا ہے کہ کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم کرتے ہو۔ اور اپنی جانوں کو بھول رہے ہو۔ اور فرمایا اے مدعیان ایمان وہ بات کیوں کہتے ہو جو

اتامرون الناس بالبر وتنسون انفسکم وانتم تتلون الکتب افلا تعقلون (بقر ع ۵) یاایھا الذین امنوا لم تقولون مالا تفعلون کبر مقتا عند اللہ ان تقولوا مالا تفعلون (صف ع ۱)

خود نہیں کرتے۔ پس اگر انبیاء ان فواحش اور گناہوں کے عمداً خود مرتکب ہوں جنسے وہ لوگوں کو منع کرتے ہوں تو اونکا قول بے اعتبار ہو جائے۔ اور اون کی دعوت و تبلیغ بے اثر ٹھیرے۔ وہ لوگ ان ہی آیتوں سے اون کو مخاطب کریں۔ جنسے خدا نے اون فاسقوں کو مخاطب کیا ہے۔ لہذا انبیاء کی شان کو شایان نہیں ہی کہ وہ عمداً گناہ کریں۔ جو شخص خود گمراہ و فاسق ہوگا وہ دوسروں کو کیا خاک ہدائیت کرے گا۔ ؎ او خویشتن گم است کرا رہبری کند۔

یہ عقلی دلیل ہے جو نقل اور سمع سے بھی مستند ہے۔ **نقلی دلائل** امام رازی نے تفسیر کبیر میں سولہ ۱۶ بیان کئے ہیں۔ ہم اس مقام انمیں سے بعض کا خلاصہ نقل کرتے ہیں

پہلی دلیل یہ کہ اگر انبیاء گناہ کریں۔ تو وہ امت کے گنہگاروں سے زیادہ سزاء پانے کے سبب کم درجہ ہو جائیں۔ [illegible] زیادہ ملتی ہے دیکھو آنحضرت کی بیویوں کو کہا گیا کہ بیحیائی کروگے تو تمکو دُگنا عذاب ہوگا۔ اور اگر صاحب زوج زنا کرے تو اوسکو سنگسار کیا جاتا ہے۔ رنڈوا کرے تو صرف اوس کو کوڑے لگتے ہیں۔

دوسری دلیل یہ کہ فسق کرنے کی حالت میں وہ لائق شہادت نہیں رہتے چنانچہ قرآن میں حکم ہے کہ فاسق کی گواہی کی تحقیق کرو۔ اور نبی بھی تبلیغ احکام میں گواہ ہوتا ہے۔ کہ خدا نے یہ حکم دیا ہے

احدھما لو صدر الذنب عنہم لکانوا اسوء درجة من [illegible] الامة وذلک غیر جایز بیان الملازمة ان درجة الانبیاء کانت فی غایة الجلال والشرف وکل من کان کذلک کان صدور الذنب عنہ افحش الا تری الی قولہ یا نساء النبی من یأت منکن بفاحشة مبینة یضاعف لہا العذاب ضعفین والمحسن یرجم وغیرہ یجلد + وثانیہا ان بتقدیر اقدامہ علی

الفسق وجب ان لایکون مقبول
الشہادة بقولہ تعالیٰ ان جاءکم فاسق
بنبأ فتبینوا ولا معنے للنبوة
والرسالة الا انہ یشہد علی اللہ
تعالیٰ بانہ شرع هذا الحکم۔
سادسها انہ لو صدرت المعصیة
من الانبیاء لکانوا مستحقین
للعذاب واللعنة بقولہ ومن یعص اللہ
الخ و الا لعنة اللہ الخ واجمعت
الامة علیٰ ان احدًا من الانبیاء
لم یکن مستحقًا للعن ولا لعذاب۔
تاسعها قولہ تعالیٰ وانہم عندنا
لمن المصطفین الاخیار وهذا
یتناول جمیع الافعال والتروک
وذالک ینافی صدور الذنب
عنہم۔
عاشرها انہ تعالیٰ حکی عن ابلیس
قولہ فبعزتک لاغوینہم اجمعین
الا عبادک منہم المخلصین۔
الثالث عشر ان الرسول افضل
من الملک لقولہ تعالیٰ ان اللہ

پھر وہ فاسق ہوا تو اوس کی نبوت اور شہادت
احکام کہاں باقی رہے۔
چھٹی دلیل یہ کہ نبی گنہگار ہوتے تو مستحق
عذاب و لعنت ہوتے۔ کیونکہ قرآن میں
نافرمانوں کو عذاب کی خبر دی گئی ہے۔
اور ظالموں کو لعنت کہی گئی ہے۔ حالانکہ
کسی نبی کو نہ عذاب ہے نہ لعنت۔
نویں دلیل یہ کہ خدا نے انبیاء کو چیدہ
اشخاص قرار دیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے
کہ وہ ہر ایک فعل و ترک فعل میں چیدہ ہیں۔
اور یہ امر گنہگار ہونے کے مخالف ہے۔
دسویں دلیل یہ ہے کہ شیطان سے
خدا تعالیٰ نے نقل کیا ہے۔ کہ اوس نے
کہا میں تیرے مخلص بندوں کو نہ بہکاؤنگا
اور نبیوں سے مخلص کون ہے۔
تیرہویں دلیل یہ ہے کہ۔ رسول
فرشتوں سے افضل ہے۔ چنانچہ
دلیل اس کی بیان ہو چکی ہے۔ اور
جب فرشتے خدا کا گناہ نہیں کرتے
تو رسول کیونکر گنہگار ہو سکتے ہیں۔
سولھویں دلیل یہ کہ خدا تعالیٰ نے

اصطفٰے آدم ونوحا وآل ابراھیم وآل عمران علی العلمین۔ وتقدم وجہ الاستدلال والملائکۃ لا یعصون اللہ

السادس عشر قولہ تعالےٰ لا ینال عھدی الظلمین والمراد بھذا العھد عھد النبوۃ او عھد الامامۃ (تفسیر کبیر جلد اول صفحہ ۴۵۸ وغیرہ)

نے فرمایا ہے میرا عہدہ نبوت یا امامت ظالموں کو نہیں پہنچتا۔ پس اگر نبی ظالم ہوتے تو اس عہدہ پر کیوں کر مامور رہتے۔

یہ دلیلیں اور وجو دلائل اس عصمت انبیاء پر اور قائم کی گئی ہیں۔ وہ انبیاء کے نسیان و خطا (جبکہ انبیاء قایم نہ رہیں فوراً متنبہ و آگاہ کیے جاویں) کی تجویز پر (جو اہل سنت کے نزدیک مسلم ہے) عاید و قایم نہیں ہوتے۔ کیونکہ خطا و سہو و نسیان پر مخلوق کی جسکا کمال غیر ذاتی و علم محدود ہو بناوٹ اور فطرت میں داخل ہے۔ جسکا کبھی نہ کبھی صدور ناگزیر ہے۔ اور اس سے بچنا مشکل و متعذر ہے۔ لہذا وہ نہ موجب بے اعتباری [illegible] نہ [illegible] مستلزم عذاب و لعنت بلکہ وہ داخل عفو و بخشش ہے۔ چنانچہ خدا تعالےٰ اپنے بندوں کو القا و ارشاد فرمایا ہے۔ کہ وہ اوسکی جناب میں درخواست کریں کہ اے ہمارے رب اگر ہم بھول جائیں۔ یا خطا کریں تو تو ہم پر مواخذہ نہ کریو۔ اور پھر اسکا جواب بھی سنا دیا۔ کہ میں نے

ربنا لا تؤاخذنا ان نسینا او اخطأنا (بقرۃ۔ ع۔)

فانزل اللہ تعالی ربنا لا تؤاخذنا ان نسینا او اخطأنا قال فعلت (صحیح مسلم صفحہ ۷۸)

ومثلہ فی البیضاوی صفحہ ۱۲۸ فتح البیان صفحہ ۳۴۹ ومعالم صفحہ ۱۴۴)

قبول کیا۔ اور ایسا ہی کرونگا۔

اور اس خطا کے صدور سے حضرات انبیاء کا فرشتوں سے درجہ اور رتبہ کم بھی نہیں ہوتا۔ کیونکہ فرشتے بھی اس خطا سے نہیں بچے

واذ قلنا للملائکة انی جاعل فی الارض
خلیفه قالوا اتجعل فیها من یفسد
فیها ویسفك الدماء ونحن نسبح
بحمدك ونقدس لك قال انی اعلم
ما لا تعلمون وعلم آدم الاسماء
کلها ثم عرضهم علی الملٰئکة فقال
انبئونی باسماء هٰؤلاء ان کنتم
صادقین ۰ قالوا سبحانك لا علم
لنا الا ما علمتنا انك انت العلیم
الحکیم ۰ قال یا آدم انبئهم باسمائهم
فلما انبئهم [illegible] قال الم
اقل لکم انی اعلم غیب السموات و
الارض واعلم ما تبدون وما کنتم
تکتمون - (بقره - ع ۴ -)

یسفك الدماء تعجب من ان یستخلف
لعمارة الارض واصلاحها من یفسد
فیها او یستخلف مکان اهل الطاعات
اهل المعصیة واستکشاف عما
خفی علیهم من الحکمة التی بهرت تلك
المفاسد والغتها واستخبار عما یرشدهم
ویزیح شبهتهم کسوال المتعلم معلمه

جب خدا تعالے نے اون سے کہا کہ
میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں
تو وہ اسوجہ سے کہ اون کے علم کا
غیر ذاتی اور محدود تھا۔ ذاتی اور
وسیع نہ تھا۔ نہ اسوجہ سے کہ وہ تکبر یا
حسد میں مبتلا ہو گئے۔ یا قول خداوندی
کے برخلاف مرتکب عصیان ہوئے
یہ بول اٹھے کہ کیا ایسے شخص کو خلیفہ
بناتا ہے جو اپنے قوائے شہوانیہ
وغضبیہ کے تقاضے سے زمین میں فساد
کرے گا [illegible] نہیں بناتا
جو تیری تقدیس و تسبیح کے سوا کچھ
نہیں کرتے۔ اور فساد و عصیان کے
اسباب قوائے شہوانیہ و غضبیہ اور
اوسکا مادہ ہی نہیں رکھتے۔ اور
دل میں یہ خیال کر بیٹھے کہ اگر خدا نے
آدم کو خلیفہ کیا تو وہ ہمارے جیسا
مطیع کب ہوگا۔ اور اوس کو ہم
مستعدین تلمذ نہ ہو سکے اور یہ علم جلد
کیونکر حاصل ہوگا۔

پھر جب خدا تعالے نے فرشتوں کے

وعما يختلج في صدره وليس باعتراض
على الله [illegible] الطعن في بني آدم على وجه
الغيبة فانهم اعلى من ان يظن بهم
ذلك لقوله تعالى بل عباد مكرمون
لا يسبقونه بالقول وهم بامره
يعملون۔

وَنُقَدِّسُ لَكَ والمعنى التستخلف عصاة
ونحن معصومون احقاء بذلك والمقصود
منه الاستفسار عما رجحهم مع ما هو
متوقع منهم على الملائكة المعصومين
في الاستخلاف لا العجب والتفاخر و
كانهم علموا ان [illegible] خليفة ذو
ثلث قوى عليها مدار امره شهوية
وغضبية تؤديان به الى الفساد وسفك
الدماء وعقلية تدعوه الى المعرفة
والطاعة ونظروا اليها مفردة وقالوا
ما الحكمة في استخلافه وهو باعتبار
تينك القوتين لا تقتضي الحكمة ايجاده
فضلاً عن استخلافه واما باعتبار القوة
العقلية فنحن نقيم ما يتوقع منها
سليماً عن معارضة تلك المفاسد وغفلوا

خیال کا خطا ہونا ثابت کر دیا۔ اور
آدم علیہ السلام کا بعض اشیاء کے
علم میں فرشتوں سے فائق ہونا
ظاہر فرمایا۔ اور یہ بھی اون کو جتا دیا
کہ یہ آدم باوجود مزاحمت قوائے
شہوانیہ وغضبیہ کے اپنی قوت عقلیہ کو ایسا
غالب کرے گا کہ اوسمیں وہ فرشتوں
سے جو قوائے شہوانیہ وغضبیہ نہیں
رکھتے اور وہ مجبوراً و بلا اختیار عصیان
سے پاک ہیں سبقت لیجائے گا۔
تو اوسوقت انہوں نے اپنے خطاء و
عجز [illegible] کیا کہ حضور اله
العالمین تو اس غلط خیال سے جو
ہمنے تیرے فعل تیری مخلوق کی
نسبت کیا تھا پاک ہے۔ ہمارا
علم محدود اور اسیقدر تھا جسقدر
تونے ہم کو عطا کیا تھا۔ ہم نے
اس علم سے نتیجہ نکالنے میں دہوکا
کھایا۔ اور اب معلوم کیا کہ آدم
کو خلیفہ بنانے میں تونے بڑی
حکمت ظاہر کرنے والا ہے۔ اور

عن فضیلۃ کل واحدۃ من القوتین اذا صارت مھذبۃ مطواعۃ للعقل متمرنۃ علی الخیر کالعفۃ والشجاعۃ ومجاھدۃ الھوی والانصاف ولم یعلموا ان الترکیب یفید ما یقصر عنہ الاحاد کالاحاطۃ بالجزئیات واستنباط الصناعات واستخراج منافع الکائنات من القوۃ الی الفعل الذی ھو المقصود من الاستخلاف والیہ اشار تعالی اجمالا بقولہ قال انی اعلم ما لا تعلمون۔

اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا باعتراف بالعجز والقصور واشعار بان سؤالھم کان استفسارا ولم یکن اعتراضا وانہ قد بان لھم ما خفی علیھم من فضل الانسان والحکمۃ فی خلقہ واظھار لشکر نعمتہ بما عرفھم وکشف لھم ما اعتقل علیھم ومراعات للادب بتفویض العلم کلہ الیہ۔

مَا كُنْتُمْ تَكْتُمُونَ وفیہ تعریض بمعاتبتھم علی ترک الاولی وھو ان یتوقفوا مترصدین لان یبین لھم وقیل ما تبدون قولھم اتجعل فیھا من یفسد فیھا ویسفک الدماء وما یکتمون استبطانھم انھم احقاء بالخلافۃ وانہ تعالی لا یخلق خلقا افضل منھم (بیضاوی صفحہ ۴۴-۴۵-۴۶-)

بے شک تو خوب جاننے والا ہے۔

اس کے جواب میں خدائے تعالے کا یہ ارشاد کہ میں جانتا ہوں جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے تھے بطور تعریض ایک عتاب ہے۔ کہ کیوں اونہوں نے بیان حکمت استخلاف آدم تک صبر نہ کیا اور کیوں اپنے دل میں یہ غلط خیال کر لیا کہ اگر خدا نے آدم کو خلیفہ بنایا تو وہ ہمارے برابر علم و فضل نہ ہوگا۔

خدائے تعالے اور ملائکہ کے اقوال مذکور کا تفسیر بیضاوی وتفسیر جلالین وغیرہ میں یہی مطلب ومقصود بیان کیا ہے۔ جو معروض ہوا

ان الذین اعتقدوا ان الملائکة اتوا بالمعصیة فی قولهم اتجعل فیها قالوا انهم لما عرفوا خطأهم فی ذلک السوال رجعوا تابوا واعتذروا عن خطائهم لقولهم سبحانک لا علم لنا الخ (تفسیر کبیر صـ ۴۲۳ جلد ۱)

تفسیر کبیر میں منکرین عصمت ملائکہ سے نقل کیا ہے۔ کہ وہ اعتراف وعذر ملائکہ سے انکا گنہگار ہونا نکالتے ہیں پھر اس اعتراف وعذر کے ایسے معانی بیان کئے ہیں جنسے اونکا صرف خطا کار ہونا ثابت ہوتا ہے۔ نہ گنہگار ہونا۔

بالجملہ ملائکہ کے اس قول سے اُن کی خطا ثابت ہوتی ہے۔ اور یہ خطاء عصمت کی منافی ومخالف نہیں ہے۔ لہذا حضرات انبیاء علیہم السلام کے حق میں نسیان وسہو وخطا کی تجویز سے اونکا رتبہ ملائکہ سے کم نہیں ہوتا۔ اس بیان سے ثابت ہوا کہ [illegible] گنہگار رفرض و تسلیم کرنے پر عاید ہوتے ہیں وہ اون کے سہو وخطا کی تجویز پر وارد نہیں ہوتے اور خطاء ونسیان سہو کسی نقص کا موجب واعتراض محل نہیں ہے۔ ہاں اگر خطاء ونسیان پر انبیاء متنبہ نہ کئے جاتے۔ اور لوگ اوسی خطاء میں اون کی پیروی کرتے تو یہ امر ہدائیت اور منصب نبوت کے مخالف تھا۔ مگر ایسا ہرگز وقوع میں نہیں آیا۔ جہاں کسی نبی سے سہو وخطا واقع ہوئی اوسپر اون کو فوراً آگاہی ہوئی۔ خواہ خدائے تعالےٰ کی طرف سے یا اون کے دل سے یا غیر کے بتانیسے۔ عدد رکعات یا افعال نماز میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو سہو واقع ہوا تو آنحضرت کو لوگوں نے بھی آگاہ کر دیا۔ اور ادہر خدا تعالےٰ کے اعلام سے اون کو یقین سہو ہو گیا۔ تو آپ نے سجدہ سہو کیا

مالک انه بلغه عن رسول الله صلی الله علیه وسلم قال انّی لَاَنسیٰ اَوْ اُنَسّیٰ لِاَسُنَّ (موطا مالک صـ ۳۵)

اور ایک حدیث میں یہ بھی فرمایا کہ میں اسلئے بھولتا ہوں (یعنی مجھے سہو بلا قصد تو عمیں آتا ہی) یا یوں فرمایا کہ بھلایا جاتا ہوں (یعنی خدا کیطرف سے یہ غیر قصدی فعل وقوع میں آتا ہے) کہ یہ طریق بھی جاری کروں یعنے اور بھولنے والوں کے لئے راہ نکالوں کہ وہ نماز میں بھولیں تو کیا کریں۔

نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار میں کہا ہے۔ کہ مجوزین سہو آنحضرت کا

اتفق من جوز ذلك على انه لا يقر عليه بل يقع له بيان ذلك اما متصلا بالفعل او بعده كما وقع فى هذا الحديث وفائدة جواز السهو فى مثل ذلك بيان الحكم الشرعى اذا وقع مثله لغيره (نيل الاوطار صـ ۳۵۸ جلد ۲)

اسپر اتفاق ہے۔ کہ آنحضرت اس سہو پر قائم نہیں رہے۔ بلکہ آگاہ کئے گیے ہیں اور اس سہو کا یہی فائدہ ہے کہ ایسے واقعات کا حکم شرعی بیان ہوا۔ اسصورت میں یہ خطا بھی ایک ہدایت ٹھری۔ جس سے ایک شریعت معلوم ہوئی۔ اور یہ خطا مقرون بہ اطلاع بھی گویا ایک نوع کی عصمت ہوئی نہ خلاف عصمت۔

شائد سہو وخطا ونسیان کے لائق بخشش ومحل عفو قرار دینے پر کوئی بھی اعتراض کرے کہ اسصورت میں حضرت آدم کے نسیان حکم ممانعت قرب شجرہ پر عتاب کیوں ہوا۔ اور حضرت موسےٰ کے خطاء قتل قبطی پر اس فعل کو ظلم کیوں کہا گیا۔ اسکا جواب بارہا دیا گیا ہے۔ کہ ان حضرات کی علو شان اور بلند مکان کی نظر سے جس میں بحکم حسنات الابرار سیئات المقربین بعض نیکیاں بدیاں متصور ہو جاتی ہیں۔ چہ جائے خطا ونسیان کہ یہ تو ایک قسم کے تقصیرات ہیں گو لائق عفو ہیں۔

عصمت انبیاء کا ثبوت کمال اور اختتام کو پہنچا۔ اور شبہات واستدلات منکرین عصمت کا جواب بھی کافی وشافی ادا ہوا۔ اب ہم عیسائیوں

سے مخاطب ہوتے ہیں۔ اور اس امر میں نظر کرتے ہیں۔ کہ حضرت مسیح کی عصمت بھی اسی معنے کر اور اسیقدر ثابت و مسلم ہے جسقدر اور جس معنے کر اور انبیاءؑ کی (جیسا کہ اہل اسلام کا اعتقاد ہے۔) یا اس عصمت میں حضرت مسیح کو اور انبیاء پر فوقیت و مزیت ہے۔ جیسا کہ عیسائی خیال کرتے ہیں۔

پس واضح ہو کہ مسٹر اکبر مسیح توحیدی عیسائی نے اپنے خط ۲۸ ۔ نومبر ۱۸۹۵ء (مندرجہ کشف نمبر ۵ جلد ۲ صفحہ ۴۷۔) یہ کہا ہے کہ میرا پہلا دعوے یہ ہے۔ کہ خداوند مسیح معصوم محض تھے نہ اون سے کوئی خطا ہوئی نہ نسیان نہ وہ کسی ذنب کے مرتکب ہوئے۔ نہ ترک اولے کی۔ ہر ایک لغزش سے وہ پاک تھے"۔

اور خط ۱۱۔ اکتوبر ۱۸۹۵ء (مندرجہ کشف نمبر ۲ جلد ۲ صفحہ ۴۷) میں یہ دعوے کیا ہے۔ [illegible] کہ حضرت مسیح معصوم مطلق تھے تسلیم کیا ہے۔

اور خط ۷ جنوری ۱۸۹۶ء مندرجہ نمبر ۶ و ۷ جلد ۲ کشف میں ان دعاوی پر چار دلائل پیش کئے ہیں جنکو ہم اون ہی الفاظ سے بلا حذف و اختصار نقل کرتے ہیں۔ کیونکہ اون پر ہم کو بہ تفصیل کلام کرنا منظور ہے۔ آپ لکھتے ہیں "میں اس امر کی تسلیم کرتا ہوں کہ عدم عصمت انسان کو ایسی عارض ہو گئی کہ ہم کو کوئی شخص معصوم نہیں ملتا۔ باستثناء مسیح کے جس نے اپنی عصمت کو خدا کے فضل سے حقیقت میں پورے طور سے نگاہ رکھا۔ دلیل اسکی موافق دین محمدی کی یہ ہے

(۱) باوجودیکہ انبیاء اولوالعزم جنکی تاریخ یا حالات قرآن میں قلمبند ہیں مثلاً آدم۔ نوح۔ ابراہیم۔ موسے۔ یا اور انبیاء مثل داؤد۔ سلیمان۔ ایوب یوسف۔ یونس وغیرہ کے سب نے ضرور سمجھا۔ کہ اپنے خطا و ذنب سے اپنے پروردگار

کے روبرو توبہ کریں یا اپنے گناہوں کا اقرار کریں۔ صرف مسیح ایک نبی ہے جسکے حالات قرآن میں ہمکو مشرح ملتے ہیں۔ مگر تاہم کسی ایک مقام پر بھی کوئی حرف نہیں جس سے ثابت ہو کہ وہ اپنے تئیں خاطی یا عاصی جانتے ہیں۔ یا خدا سے انہوں نے خطا کی معافی چاہی یا خدا نے کوئی وعدہ مغفرت یا عفو کا اون سے کیا۔ استغفار کی ہدایت کی اور اسحالت کے لحاظ سے وہ بالکل فرشتوں کی مانند ہیں۔ جنکو نہ کوئی ضرورت ہے کہ وہ خواستگار عفو کے ہوں کیونکہ کسی خطا کا سرزد ہونا اون سے ثابت نہیں نہ خدا کا کوئی وعدہ اون کی بابت مغفرت کا ہے۔ پس اس دلیل منفی سے عصمت مسیح اوسی طرح ثابت ہوتی ہے جسطرح عصمت ملائکہ۔ اسوجہ سے شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں "کان عیسی علیہ السلام کانہ ملک یمشی علی وجہ الارض" "عیسے علیہ السلام گویا فرشتے تھے جو زمین پر چلتے تھے۔ (تاویل الاحادیث)

(۲) نص قرآن ہے کہ مادر مقدسہ مریم نے خدا سے دعا کی "انی سمیتہا مریم وانی اعیذھا بک وذریتہا من الشیطٰن الرجیم ہ فتقبلہا ربہا بقبول حسن" یعنے اوسکا نام رکھا مریم اور میں تیری پناہ میں دیتی ہوں اوسکو اور اوسکی اولاد کو شیطان مردود سے۔ پھر قبول کیا اوسکو اوسکے رب نے اچھی طرح کا قبول (آل عمران۔ ع ۴) مقدسہ مریم اور اوس کی اولاد شیطان سے اللہ کی پناہ میں سونپی گئی۔ اور اللہ نے قبول کر لیا۔ اسکے معنے صاف ہیں کہ مریم اور حضرت مسیح شیطان یعنے گناہ سے مطلقاً محفوظ ہوئے اونکی حفاظت کا کفیل خود خدا ہے۔ اور عصمت اور معصومیت کے یہی معنے ہیں تمام مفسرین قرآن آیت کے اس معنے پر متفق ہیں اور یہ روشن ہے کہ اسطرح محفوظ شیطان سے ہونا کسی اور کا قرآن سے ناپیدا ہے۔ پس ہم مسیح کی عصمت پر

اوسکو نص قطعی گردانتے ہیں۔

(۳) قرآن کے معارضہ میں حدیث کو کوئی وقعت نہیں پر تاہم قرآن کی تائید میں حدیث کو بھی ہم پیش کرتے ہیں بخصوصًا اس حال میں کہ وہ ہمارے مخاطبین کی مسلمہ ہیں اور ایسی مشہور و معروف حدیث مسلم و بخاری کی کہ ہر مفسرین قرآن نے آیت متذکرہ کی تفسیر میں اون کو پیش کیا ہے " مامن مولود یولد الا یمسه الشیطان حین یولد فیستهل من مسه الا مریم و ابنها " کوئی بچہ پیدا نہیں ہوتا۔ مگر کہ اوسکو شیطان وقت تولد کے چھوتا ہی پس وہ چلاتا ہے۔ اوسکے چھونے سے مگر مریم اور اوسکا بیٹا۔ اور بیضاوی آیت قرآن اور حدیث دونو کے معنے یہ بیان کرتا ہے کہ " ومعناه ان الشیطان یطمع فی اغواء کل مولود بحیث یتأثر منه الا مریم و ابنها فان الله عصمهما ببرکة هذه الاستعاذة " اور معنے اسکے یہ ہیں کہ تحقیق شیطان طمع کرتا ہے بیچ اغوا [illegible] مگر مریم اور اوسکا بیٹا۔ اللہ نے محفوظ کیا دونوں کو ببرکت استعاذہ یعنے دعا کے اور اس معنے پر دیکھو تحفۃ الاخیار حدیث نمبری ۹۲۷۔

(۴) ایک اور حدیث ہے بخاری اور مسلم کی۔ میں اسجگہ اوسکو تحفۃ الاخیار سے نقل کرتا ہوں۔ (پھر وہ حدیث شفاعت نقل کی جس میں پیغمبروں کا اپنی گناہوں کو یاد کرکے لائق شفاعت ہونے سے انکار کرنا بیان ہوا ہے۔) اس کے بعد کہا ہے کہ اب جائے غور ہے کہ ان پیغمبروں نے جنکو اہل قرآن اولو العزم مانتے ہیں ہر ایک قیامت کے روز اپنے اپنے خطاؤں کو یاد کرتا ہوا اپنے رب سے اونکے باعث شرماویگا۔ اس گروہ میں صرف ایک عیسیٰ روح اللہ و کلمۃ اللہ ہے جس کی کوئی خطا نہیں کہ وہ یاد کرے۔ اور اوس کے باعث اپنے رب سے شرماوی

الی

اون کا کوئی گناہ اپنا نہیں کہ اوسکا ذکر کریں۔ وہ حضرت محمد صاحب کے اگلے اور پچھلے گناہوں کا مذکور کرتے ہیں۔ اور یہہ کچھ قیامت کے منطق کی خامی ہے کہ جسنے گناہ کئے ہوں وہ درجہ شفاعت پاوے اسوجہ سے کہ گناہ اوس کے معاف ہوئے۔ (حالانکہ گناہ تمام اہل بہشت کے معاف ہونگے) اور وہی محروم رہے جس سے کوئی گناہ سرزد ہیں نہیں ہوا۔ گویا عصمت بھی خطا ٹھری"۔

اس دعوے اور اوس کے دلائل اربعہ کے جواب میں ہم خدا کی توفیق و تایید سے کہتے ہیں کہ اس دعوے کی بحسب تصریح مسٹر اکبر مسیح (بصفحہ ۴۲ و ۱۰۱ و ۱۷۱ کشف الحقایق) دو جزء ہیں اول یہ کہ حضرت مسیح ایسے معصوم مطلق ہیں کہ اُنسے خطا بھی سرزد نہیں ہوئی۔ اور یہ فضیلت مسیح کی قرآن سنے اور آنحضرت نے تصریح کے ساتھ تسلیم کی ہے۔

دوسرا یہ کہ اور کوئی معصوم نہیں سب کے سب خطاکار اور گنہگار ہیں۔

اور جو دلائل اربعہ مسٹر اکبر مسیح نے پیش کئے ہیں وہ اون کے اس دعوے کی پہلی جزء کے دلائل ہیں۔ اور دوسری جزء کے دلائل انہوں نے وہ پیش کئے ہیں جنکے جوابات ہم بتفصیل دیچکے ہیں یعنے آنحضرت کا استغفار کرنا اور اس استغفار سے منجانب اللہ مامور ہونا اور اپنے گناہوں کا اعتراف کرنا علے ہذالقیاس۔

اس مقام میں ہمکو صرف ان کے اون ہی دلائل اربعہ میں نظر کرنا باقی ہے جو اپنے جزء اوّل دعوے مذکورہ کے دلائل انہوں نے پیش کئے ہیں۔

اون کی پہلی دلیل کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ قرآن میں اور سب نبیوں کے خطاؤں اور گناہوں کے اقرار اور توبہ کے اظہار و استغفار کا ذکر ہے۔ صرف ایک مسیح کے خطا یا استغفار کا ذکر نہیں جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ فرشتوں کے مانند ہیں نہ اون سے خطا ہوئی نہ اون کو استغفار و توبہ کی ضرورت پڑی۔ اسوجہ سی

شاہ ولی اللہ صاحب نے تاویل الاحادیث میں اون کے حق میں کہا ہے۔ کہ گویا وہ فرشتے تھے جو زمین پر چلتے تھے۔ اور یہ دلیل دلیل منفی کہلاتی ہے"۔

اس دلیل کے جواب میں بڑی محبت و دلی اخلاص کے ساتھ مسٹر اکبر مسیح کو کہا جاتا ہے کہ دعوے تو آپ کا یہ تھا کہ قرآن نے اور آنحضرت نے تصریح کے ساتھ یہ کہکے کہ حضرت مسیح معصوم مطلق تھے مسیح کی فضیلت تسلیم کی ہے۔ اور یہ دلیل آپ ایسی لائے ہیں جسمیں مسیح کی عصمت پر قرآن اور رسول کی کوئی تصریح نہیں ہے تو اون کے خطاء و استغفار کے ذکر و اظہار سے سکوت ہے جسکو آپ دلیل منفی سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور سکوت محض کو یا بقول آپ کے دلیل منفی کو کوئی دانشمند یا منطقی جسکو منطق یا مناظرہ میں ادنے مداخلت ہو تصریح نہیں کہہ سکتا۔ لہذا آپ کی دلیل آپکے دعوے کی مثبت نہیں۔ اور آپ کی تقریب تمام نہیں ہوئی۔

اسکے جواب میں اگر آپ یہ کہیں کہ ہم صرف انگریزی خواں ہیں عربی منطق نہیں جانتے اسوجہ سے ہم سکوتی دلیل (یا بقول خود منفی دلیل) کو تصریح لکھ بیٹھے ہیں اور اس کی نسبت غلطی سے خط ۱۱۔ اکتوبر ۱۸۹۵ء میں یہ دعوے کر بیٹھے ہیں کہ قرآن نے اور محمد صاحب نے یہ کہکے کہ حضرت مسیح معصوم مطلق تھے۔ فضیلت مسیح کو تسلیم کیا ہے"۔ اور در اصل ہم کو یہ کہنا چاہیئے تھا۔ کہ قرآن مجید اور آنحضرت مسیح کے گنہگار ہونے اور استغفار کرنے کے ذکر و اظہار سے ساکت ہیں۔ اون کا یہ سکوت اس فضیلت و معصومیت کی دلیل ہے۔ تو اسکا جواب یہ ہے کہ اس سکوت قرآن و آنحضرت کو حضرت مسیح کے ساتھ کوئی خصوصیت نہیں ہے بہت سے انبیاء اور ہیں جنکا قرآن میں مشرحاً ذکر ہے۔ اور معہذا اونکے خطاء و استغفار کا ذکر نہیں ہے چنانچہ صفحہ ۱ میں ہم اس امر پر تصریح کر چکے ہیں۔ لہذا یہ سکوت (یا بقول آپکے دلیل منفی) آپ کے دعوے خصوصیت و فوقیت مسیح کی دلیل نہیں ہوسکتی۔ اسیوجہ سے

خاکسار نے اپنے خط مورخہ ۱۵ جنوری ۱۸۹۶ء مندرجہ کشف نمبر ۷ جلد ۲ میں عرض کیا تھا کہ آپ کی دلیل آپ کے دعوے کی مثبت نہیں جسکو آپ نے نہ مانا۔ اور اوس کی وجہ بیان کرنے پر مجبور کیا۔ اب تو آپ نے وجہ سُن لی۔ اب بھی اس دلیل کو واپس لیں گے یا کچھ کسر رہی ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کا قول نقل کرنے کی تکلیف آپ نے ناحق و بلا فایدہ اٹھائی۔ حضرت شاہ صاحب نے مسیح کو فرشتہ کہا تو اس سے ثابت نہیں ہوتا۔ کہ حضرت مسیح سے خطا سرزد نہ ہوتی تھی۔ خطا سے تو فرشتے بھی خالی اور پاک نہ تھے۔ چنانچہ ابھی آپ کو معلوم ہو چکا ہے۔ پھر جس شخص کو شاہ صاحب نے فرشتے کے مشابہ کیا ہو وہ اس خطا سے کیونکر پاک ہوگیا۔

حضرت شاہ صاحب نے اور خوص انسانوں کو بھی جو نیک اعمال کرکے فرشتوں کے خصایل حاصل کرتے ہیں۔ فرشتوں کی جماعت میں شامل و داخل کیا ہے

وقسم هم [illegible] المأخذ من الملاء الاعلى مازالت تعمل عملاً منجية تفيد اللحوق بهم حتى طرحت جلاليب ابدانها فانسلكت في سلكهم وعدت منهم (حجة الله البالغة صفحہ ۱۵) وكان في دين عيسى سهولة وسعة فاحل لهم بعض ما حرم عليهم لان النواميس الشاقة انما تنعقد في مصادمة الملكية بالبهيمية وكان عيسى عليه السلام كانه ملك يمشي على وجه الارض

چنانچہ حجۃ اللہ البالغہ وغیرہ تصنیف میں آپ کی موجود ہیں۔ پھر کیا آپ ان لوگوں کو بھی خطاء سے پاک مان لینگے ایسا ہوگا تو آپ کا دعوائے خصوصیت مسیح کافور ہو جایگا۔

جس مقام تاویل الاحادیث سے شاہ صاحب کا قول مذکور آپ نے نقل کیا ہے۔ وہاں حضرت مسیح کے خطا سے پاک ہونے کا کوئی صریح بیان یا اشارہ نہیں ہے بلکہ وہاں ملکیت سے بہیمیت

(تاویل الاحادیث صفحہ ۵۷) کے مقابلہ کا ذکر ہے جسکا نتیجہ گناہ ہوتا ہے

شاہ صاحب اس قول میں یہ فرماتے ہیں کہ مسیح مین بہیمیت کا جو گناہ کراتی ہے غلبہ نہ تھا۔ اسلئے خدا تعالےٰ اون کو سخت احکام والی شریعت جو بہیمیت کو روکے ندی تھی۔ وہ تو فرشتے تھے۔ یعنے گناہ نہ کرتے تھے۔ لہذا وہ سخت احکام والے کی شریعت کے محتاج نہ تھے۔ شاہ صاحب کا قول نقل کرنیکے وقت یہ بھی آپ نے سوچا ہوتا کہ جس دعوے کی تائید و تصدیق میں ہم اس قول کو نقل کرتے ہیں۔ اس دعوے کو ہمنے قرآن یا آنحضرت کے صریح قول سے ہنوز مدلل و ثابت نہیں کیا۔ تاکہ اسکی تائید میں اس قول کی نقل کرنے کی گنجائش نکل آوے۔ اور اوس کے بھی وہی معنے کئے جاویں جو قرآن اور قول نبوی کے صریح بیان سے ثابت ہوں۔ خدا و رسول کی کلام میں مسیح کے خطا سے پاک ہونے کا نام و نشان نہیں اور نہ منقول کیا ہے [illegible] علم کو کب پہنچتا ہے کہ حضرت مسیح کی نسبت ایسا دعوے کرے۔ اور اسکے قول سے ایسا دعوے استنباط کیا جاسکے۔

آپ کی دوسری دلیل کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ مریم کی مادر مقدسہ نے مریم کو اور اس کی اولاد (مسیح) کو شیطان سے خدا کی پناہ میں سپرد کرنے کی دعا کی۔ اور خدا نے مریم کو قبول کرلیا۔ اور اوس کے معنے صاف یہی ہیں کہ حضرت مسیح شیطان یعنے گناہوں سے محفوظ ہوئے۔ چنانچہ تمام مفسرین نے اس معنے آیت پر اتفاق کیا ہے۔ اور یہی عصمت کے معنے ہیں۔ اور یہ امر (شیطان سے محفوظ ہونا) کسی اور نبی کیلئے قرآن میں نہیں آیا۔ لہذا یہ آیت عصمت مسیح پر نص ہی۔

اسکے جواب میں ہم کسی قدر مسٹر اکبر مسیح کی ناواقفی اور کم توجہی پر افسوس ظاہر کرنے کے بعد کہتے ہیں۔ کہ مسٹر اکبر مسیح اتنا نہیں جانتے کہ لفظ عربی میں اور مسلمانوں کی

محاورہ ہیں (جسکا یہ لفظ ہے) کسکو کہتے ہیں۔ اور یہ بھی وہ بھول گئے۔ کہ دعوے تو ہمارا یہ تھا کہ مسیح خطا بھی نہیں کرتے۔ اور اس امر کو قرآن اور آنحضرت صاف تصریح سے تسلیم کر چکے ہیں۔ (اور اسی معنے عصمت میں بحث و نزاع تھی گناہوں سے انبیاء کے معصوم ہونے میں کس کو نزاع تھی) اور اس دلیل سے صرف گناہوں سے مسیح کا محفوظ ہونا ہم نے (سو بھی مفسرین کا قول اسمیں شامل کر کے نہ قرآن کی صریح آیت یا آنحضرت کا صاف قول دکھا کر) ثابت کیا ہے۔ نہ خطا سے محفوظ ہونا۔ لہذا یہ دلیل ہمارے دعوے کی دلیل کیونکر ہو سکتی۔

ہم مسٹر اکبر مسیح کو بتاتے ہیں۔ کہ نص مسلمان اس کلام کو کہتے ہیں جو ظاہر سے بڑھ کر وضاحت سے مراد بتاوے۔ ظاہر میں تاویل خلافِ ظاہر کا احتمال ہوتا ہے نص اپنی وضاحت سے اس تاویل کے احتمال کو مٹا دیتی ہے۔ اس کی مثال یہ کلام ہے۔ "وضو کا پانی لاؤ"۔ اگر صرف پانی لاؤ کہا جاتا تو احتمال تھا کہ اس سے کوئی عرق یا شراب مراد [illegible] پانی [illegible] ہے۔ [illegible] وضو کا لفظ بولا گیا۔ تو اس سے وہ احتمال اوٹھ گیا۔ اور معلوم ہوا کہ وہی پانی مراد ہے جو متعارف ہے۔ یہ معنے نص کے مسٹر اکبر مسیح کے خیال آئیں گے تو وہ سمجھ جائینگے کہ اون کی دوسری دلیل مسیح کے گناہوں سے معصوم ہونے میں نص تب ہوتی۔ جب اسمیں اون الفاظ سے تصریح ہوتی کہ خدا نے مسیح کو گناہوں سے بچا لیا۔ اسمیں تو صرف مریم کو قبول کرنے کا ذکر ہے۔ اوسکو کوئی نص کے معنے واقف مسیح کے گناہوں سے محفوظ ہونے میں نص نہیں کہہ سکتا۔

اس دلیل کے نص نہونے کے علاوہ یہ بھی مسٹر اکبر مسیح کو بتایا جاتا ہے۔ کہ اس دلیل کو اون کے دعوے سے کچھ بھی تعلق نہیں۔ دعوے یہ تھا کہ مسیح خطا سے بھی محفوظ ہیں۔ اور یہ کہ قرآن نے اور آنحضرت نے اس محفوظیت کو بتصریح مان لیا ہے۔

اور اس دلیل سے اگر بحسب زعم و بقول مسٹر اکبر مسیح ثابت ہوتا ہے تو صرف اسقدر ثابت ہوتا ہے کہ مسیح کو خدا نے گناہوں سے بچا لیا ہے جو اس دعوے کی دلیل نہیں ہو سکتے اور تقریب تمام نہیں ہوتی۔

ہمارا یہ کہنا کہ یہ بات بھی بحسب زعم و بقول مسٹر مسیح اس آئیت سے ثابت ہوتی ہے یعنے نفس الامر میں نہیں۔ یہ وجہ رکھتا ہے کہ آئیت میں صرف خدا تعالی کا حضرت مریم کو قبول کرنا۔ اور اچھی طرح بڑھانا مذکور ہے۔ اس سے حضرت مسیح کے گناہوں سے عصمت نکالنا بجز مسٹر اکبر مسیح کسی دوسرے کے خیال میں نہیں آیا۔

مسٹر اکبر مسیح کا یہ کہنا کہ تمام مفسرین مسٹر اکبر مسیح کی مانند اس آئیت۔ فتقبلها ربنا بقبول حسن یعنے خدا نے مریم کو اچھی طرح قبول کیا۔ کے یہی معنے کرتے ہیں کہ خلاف [illegible] محض غلط اور مغالطہ ہے

جوابات مفسرین۔ بیضاوی ابو السعود وغیرہ نے لکھی ہے کہ شیطان تمام بچوں کو پیدائش کے وقت چھونے سے بہکانے کی طمع کرلیتا ہے بجز مریم اور اوسکے فرزند کے کہ وہ والدہ مریم کی دعا سے بچگئے۔ وہ اس دعا کی نسبت حضرت اپنی حُسن ظنی سے کہی گئی ہے۔ نہ آیت مذکورۂ بالا کے لفظ تقبلها یا قبولیت مریم کے معنے و تفسیر میں۔

انی اعیذها بك وذریتها من الشیطان الرجیم معناه ان الشیطان یطمع فی کل مولود بحیث یتاثر منه الا مریم وابنها فان الله عصمها ببرکة هذه الاستعاذة (بیضاوی ص ۱۳۶) (ابو السعود ص ۲۵۹ جلد ۲)

طرفہ یہ کہ مسٹر اکبر مسیح نے بھی اپنی دوسری دلیل کے ضمن میں یہ قول بیضاوی کا تفسیر انی اعیذها بك میں ذکر کیا۔ اور اسی کے معنے کا بیان ٹھہرایا ہے نہ تقبلها یا قبولیت مریم کی تفسیر میں۔

ان دو تفسیروں کے علاوہ کئی تفسیریں معالم التنزیل ۔ و فتح البیان وغیرہ ہمارے سامنے اسوقت ایسی موجود ہیں ۔ جنمیں یہ بات سرے سے بیان ہی نہیں ہوئی ۔ پھر مسٹر اکبر مسیح کا وہ دعوے اتفاق مفسرین غلط نہیں تو اور کیا ہے ۔

ہمکو اس بات کے تسلیم کرنے میں عذر نہیں اور حضرت مسیح کی ببرکت دعا والدہ مکرمہ مریم علیہا السّلام گناہوں سے محفوظ و معصوم ہونے میں بھی کلام نہیں ۔ بلکہ یہ اعتقاد ہی کہ والدہ مریم کی دعا سے حضرت مسیح اغوا شیطان سے بچائے گئے تھے ۔ گو اس اعتقاد پر ہمارے ہاتھ میں بجز حسن ظنی کوئی دلیل نہین ہے ۔ کیونکہ اس آیت میں قبولیت اس دعا کا ذکر نہیں ۔ بلکہ حضرت مریم کو بجائے لڑکے کے قبول کر لینے کا ذکر ہے ۔

ایسا ہی قسطلانی نے شرح بخاری میں کہا ہے ۔ اسکے بعد جو قسطلانی نے

> ولیس فی الآیۃ دلیل علی انہ تعالیٰ استجاب دعاءھا بل انما ھی فی قولہ تعالیٰ فتقبلھا ربھا المریم ای فرضی بھا ربھا فی النذر مکان الذکر ۔ نعم الحدیث یدل علی الاجابۃ فتامل (قسطلانی جلد ۷ صفحہ ۹۵)

کہا ہے ۔ کہ ہاں حدیث میں (یعنے حدیث ...) اس دعا کا اشارہ ہے ۔ مگر وہ حدیث آنحضرت کی حدیث نہیں ۔ بلکہ ابو ہریرہ کا قول ہے جو اون کی غلط فہمی پر مبنی ہے ۔ چنانچہ ہم اوس کی تفصیل عنقریب کریں گے ۔ شاید اسکی طرف قسطلانی نے لفظ فتامل سے اشارہ کیا ہے ۔

ہمکو کلام صرف اس میں ہے کہ یہ بات خدا تعالےٰ نے کہی ہے ۔ یا خدا تعالےٰ کے کسی قول کا یہ اتفاقی مفہوم ہے ۔ جسکا مسٹر اکبر مسیح کو دعوے ہے ۔

پھر مسٹر اکبر مسیح کا یہ کہنا کہ اسطرح (یعنے جیسا کہ مسیح کے لئے آیا ہے) شیطان سے محفوظ ہونا کسی اور کا قرآن میں نہیں آیا ۔ بھی غلط در غلط ہے ۔ خاص کر مسیح کا محفوظ ہونا ۔ تو جیسا قرآن میں مذکور ہے ناظرین کو ابھی معلوم ہو چکا ہے ۔ اور عموماً

فبعزتک لاغوینہم اجمعین الا عبادک منہم المخلصین۔ (قال ھذا صراط علی مستقیم ان عبادی لیس لک علیہم سلطان (الحجر ۴۲)	اللہ کے مخلص اور چنے ہوئے بندوں کا شیطان سے محفوظ ہونا قرآن کی آیات منقولہ حاشیہ وغیرہ میں کثرت کے ساتھ موجود ہے۔ مسٹر اکبر مسیح کو نظر نہ آوے تو

کس کا قصور اور خاص کر آنحضرت کے لئے تو یہ محفوظیت بہت بسط و تفصیل کے ساتھ قرآن میں وارد اور صفائی سے ثابت ہے۔ چنانچہ مسیح پر آنحضرت کی ترجیح و فوقیت کے ثبوت میں ان آیات کا ذکر ہوگا۔ انشاء اللہ تعالے۔

بالجملہ آپ کی دوسری دلیل بھی ناتمام ہے۔ اور وہ مسیح کے گناہوں سے عصمت ثابت نہیں کرتی۔ چہ جائے خطاؤں سے۔

آپ کی تیسری دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ بشہادت حدیث بخاری و مسلم صرف ایک مسیح ہی ہیں جو منجملہ تمام انبیاء کے شیطان سے محفوظ [illegible] ہیں کہ شیطان اون کو اغوا نہیں کرسکا۔

اسکے جواب میں بھی افسوس سے کہا جاتا ہے کہ مسٹر اکبر مسیح کو استدلال کے وقت نہ اپنا دعوے یاد رہتا ہے نہ دلیل کے مضمون کی طرف توجہ ہوتی ہے۔

اس حدیث میں کہاں آنحضرت نے فرمایا ہے کہ خدا تعالےٰ نے مسیح کو اوس کی تمام زندگی میں شیطان اور اوسکے گناہوں سے محفوظ رکھا تھا۔ حدیث میں تو صرف اتنا ذکر اور یہی لفظ ہے۔ کہ وقت تولد شیطان نے نہیں چھوا۔ وبس۔ اب اس سے یہ نکالنا کہ تمام زندگی میں اون کو شیطان گمراہ نہ کرے گا۔ یہ علماء کا اجتہاد ہے نہ رسول کا ارشاد۔ اور کسی عالم کا اجتہاد دوسرے شخص عالم کے لئے شرعی دلیل نہیں ہی جو چاہے اور موافق دلیل پاوے۔ اوسکو مانے۔ جو اوسکو مخالف دلیل سمجھے رد کرے۔ آپ نے اپنے مخاطب کے سامنے جسکو آپ غیر مقلد اہل علم جانتے ہیں۔ اور اپنے خط

۱۱- اکتوبر ۱۸۹۵ء مندرجہ کشف نمبر ۳ جلد ۶ صفحہ ۴۷ - مان چکے ہیں بیضاوی وغیرہ کے قول
کی دست آویز اسحدیت کو عصمت مسیح کی دلیل سمجھ لیا - اور یہ خیال نہ کیا کہ حدیث میں تو
گناہوں سے عصمت کا نام ونشان ہی نہیں - بیضاوی کا قول میرے دعوے کی
تصدیق کیونکر کرے گا - اور اگر فرض بھی کرلیں اور بطور فرض محال مان لیں کہ آنحضرت
نے یہ الفاظ فرمادئے ہیں جو بیضاوی نے کہے ہیں - تب بھی ان الفاظ سے ہمارا
دعوے کہ مسیح خطا بھی نہیں کرتے تھے - کہاں ثابت ہوتا ہے شیطان کا اغواء
اور چیز ہے جس سے کبیرہ گناہوں کا ارتکاب ہوتا ہے - اور خطا کرنا اور چیز اور ایک
بشری صفت ہے جسکی وراثت بحکم حدیث خطا آدم فخطاءت ذریتہ - اولاد
آدم سے ہر ایک کو (جنمیں آپ کے اور ہمارے اعتقاد میں حضرت مسیح بن مریم بھی ہیں)
پہنچتی ہے - یہی بات سوچکر اسحدیث کی نقل کرنے سے قلم کو روکتے اور اپنے دعوے کے
اثبات سے اسکو قاصر سمجھ کر اوسکی دست آویز سے تامل کرتے - گذشتہ را صلوٰۃ اب
بھی مہربانی کریں اور اس حدیث [illegible] اپنے دعوے سے کوئی تعلق
نہیں ہے -

اسمقام میں غالباً ناواقف اہل اسلام سوال کرینگے - اور یہ کہیں گے
کہ مسٹر اکبر مسیح کے دعوے کو جانے دو - بیضاوی وغیرہ کے مفسرین کی تقلید کو بھی
چھوڑ دو - اس حدیث کی بعض روایات میں حضرت ابو ہریرہ راوی حدیث کا یہ

عن ابی ھریرۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال مامن مولود یولد الا والشیطان یمسہ حین یولد فیستہل صارخا من مس الشیطان ایاہ الا مریم وابنھا	قول بعد روایت حدیث نبوی مروی ہے کہ چاہو تو اس عدم مس مریم وابن مریم کی تصدیق میں یہ قول خداوندی پڑھ لو کہ اے خدا میں اس مریم کو اور اوس کی اولاد (مسیح) کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں سپرد

ثم یقول ابو ھریرۃ واقرؤا ان شئتم وانی اعیذھا بک وذریتھا من الشیطان الرجیم (بخاری صفحہ ۳۵۳)	کرتی ہوں جس سے صاف ثابت ہوتا ہی کہ شیطان کا حضرت مسیح کو مس نہ کرنا اسی دعا والدہ مریم کے اثر و برکت سے ہے۔

جسکا نتیجہ گناہوں سے بچے رہنا تم نے بھی مان لیا ہے۔ اور اس تسلیم کا یہ نتیجہ تم کو ماننا پڑے گا۔ کہ منجملہ انبیاء اغواء شیطان سے صرف حضرت مسیح محفوظ ہیں۔ نہ دوسرا کوئی نبی۔ اس سے مسٹر اکبر مسیح کے دعوے کے مطابق محفوظیت از خطا نہ سہی عصمت از گناہ تو حضرت مسیح کے لئے خصوصیت کے ساتھ ثابت ہوئی۔

اسکا جواب یہ ہے کہ بیشک احدیث کے ظاہری الفاظ کو دیکھکر نا واقف اور حقیقت ناشناس اشخاص کو بھی شبہ پیدا ہوتا ہے۔ اور شبہ بھی ایسا کہ بادی الرای میں برجستہ اور قوی اور ما لاینحل معلوم ہوتا ہے۔ مگر غور کرنے کے بعد یہ شبہ ہبآء منثوراً اور کافور ہو جاتا ہے۔ اس خاکسار نے خداداد غور و فکر سے کام لیا تو محض خدا کے فضل و توفیق و تعلیم سے اسکا حل خیال میں آگیا۔ ہر چند وہ حل مستقل و مرتب جیسا کہ عرض کیا جاتا ہے۔ کتب متقدمین و متاخرین میں نہیں دیکھا گیا۔ مگر اس حل کا اصل اصول علماء سابقین کی اشارات و تصریحات میں پایا تو اس حل کے پیش کرنے کا حوصلہ ہو گیا۔ اور وہ یہ ہے کہ احدیث میں کلام بلاغت نظام حضرت رسالت تو اسی حد تک ہے۔ جہاں ذکر ہے۔ کہ مسیح اور اوسکا بیٹا۔ اس مس شیطان سے محفوظ ہیں۔ اسکے بعد جو اس کی تصدیق کے لئے آیت پڑھنے کو کہا گیا ہے۔ وہ حضرت ابو ہریرہ کا اپنا قول ہے۔ جسکو اونہوں نے آنحضرت کی طرف منسوب نہیں فرمایا۔ اور غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قول حضرت ابو ہریرہ نے اپنے فکر و اجتہاد سے کہا ہے۔ اور اس میں دہوکا کھایا ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے یہ قول نہیں سُنا۔ اور نہ یہ قول بحکم عقل سلیم و فہم مستقیم آنحضرت کا قول ہو سکتا ہی

کیونکہ یہ قول ابوہریرہ کا آنحضرت کے قول سے جو آنحضرت سے ابوہریرہ نے نقل کیا صریح مخالف ہے۔ بلکہ صریح بیان قرآن کے بھی مخالف ہے۔ اس قول آنحضرت میں صاف تصریح ہے۔ کہ جب بچہ پیدا ہونے لگتا ہے۔ تو اس خاص پیدائش کیوقت شیطان اس بچہ کو مس کرتا ہے۔ بجز مریم وابن مریم کہ وہ اس مس سے محفوظ ہیں۔ اور اس قول ابوہریرہ میں جس دعاء والدہ مریم کا ذکر ہے۔ اور اسی دعاء کی برکت اور اثر سے حضرت مریم اور اون کے بیٹے کی محفوظیت کا اشارہ ہے۔ وہ دعاء حضرت مریم کے پیدا ہو جانے اور اسکا نام مریم مقرر کردینے کے بعد وقوع میں آئی ہے چنانچہ

رب انی وضعتہا انثی ولیس الذکر کالانثی وانی سمّیتہا مریم وانی اعیذھا بک۔ الخ

نص قرآن میں بتصریح آچکی ہے۔ پھر عقل سلیم کے نزدیک کیونکر ممکن ہے۔ کہ مریم کا مس شیطان سے محفوظ رہنا اس دعاء کے اثر و برکت سے ہوا اور جبکہ مریم علیہا السلام کا مس شیطان سے محفوظ رہنا اس دعاء کا اثر نہ ہوسکا۔ تو انکے بیٹے حضرت عیسیے کا محفوظ ہونا بھی اس دعاء کا اثر نہیں ہوسکتا کیونکہ وہ ایک ہی وقت کی ایک دعاء ہے جسکا ایک ہی اثر ہونا چاہیئے یہہ تو نہیں ہوا۔ کہ والدہ مریم نے دو وقتوں میں دو دفعہ دعاء کی تھی۔ مریم کے لئے اون کے پیدا ہونے سے پہلے۔ اور مسیح کے لئے مریم کے پیدا ہو جانے کے بعد تاکہ اون کی محفوظیت کو اس دوسری دعاء کا اثر قرار دیا جاوے۔ اس بیان سے قول مذکور ابوہریرہ کا مخالف قول نبوی و نص قرآنی ہونا ثابت ہوا۔ تو اس سے یقین پیدا ہوتا ہے کہ یہ قول ابوہریرہ نے آنحضرت سے سنکر نہیں فرمایا۔ بلکہ اپنے فہم و اجتہاد سے کہا ہے جسمیں اُنہوں نے دہوکہ کھایا۔ اور غلطی کا ارتکاب کیا۔ لہذا وہ قول کسی کے استدلال کے لائق نہیں۔ اور اس سے جو نتیجہ پیدا ہو وہ لائق قبول نہیں۔

جن مفسرین بیضاوی وغیرہ نے حضرت مریم وابن مریم کی مس شیطان سے

محفوظیت کو اون کی والدہ کی دعا، کا اثر و برکت قرار دیا ہے۔ اور اوسپر قول ابوہریرہ سے استشہاد کیا ہے اونہوں نے اس قول ابوہریرہ کو غور سے نہیں دیکھا۔ اور جن مفسرین (علامہ زمخشری صاحب کشاف۔ شیخ سلیمان جمل۔ صاحب فتح البیان وغیرہ) نے اوسکو غور سے پڑہا اور سمجہا ہے۔ اونہوں نے اس کو محل اشکال و اشتباہ قرار دیا۔ پھر ازانجملہ بعض نے جو فن حدیث کے امام نہیں۔ اور بہ نسبت حدیث معقولات سے زیادہ تعلق و توغل رکھتے ہیں (جیسے صاحب کشاف) اونہوں نے اس تمام حدیث کو صحیح تسلیم کرنے میں تامل کیا۔ اور بفرض تسلیم اس میں ایسی تاویل کے جو اوس کے ظاہری مفہوم کی مخالف ہے۔ اور وہ انکار صحت حدیث سے بڑہ کر ہے۔

تفسیر کشاف میں کہا ہے کہ جو حدیث مروی ہے (جس میں ہر مولود کو بجز مریم اور اوس کی اولاد کے شیطان کے مس کرنے کا ذکر ہے) اس کی صحت خدا ہی کو معلوم ہے (یعنے وہ صحیح نہیں ہے) اور اگر وہ صحیح ہو تو اسکے معنے یہ ہیں کہ شیطان

وما یروی من الحدیث ما من مولود یولد الا والشیطان یمسه حین یولد فیستهل صارخا من مس الشیطان ایاه الا مریم وابنها فالله اعلم بصحته فان صح فمعناه ان کل مولود یطمع الشیطان فی اغوائه الا مریم وابنها فانهما کانا معصومین وکذلک کل من کان فی صفتهما۔ لقوله تعالی لاغوینهم اجمعین الا عبادک منهم المخلصین۔ واستهلاله	ہر ایک مولود کے بہکانے کی طمع رکھتا ہے۔ بجز مریم اور اوس کی اولاد کے کہ وہ معصوم ہیں ایسی ہی اَور لوگ جو اون کی صفت رکھتے ہیں اسپر دلیل یہ قول خداوندی ہے کہ شیطان نے کہا میں تیرے بعض بندوں کو نہ بہکاؤں گا۔ اور بچہ کا چلانا ایک خیالی تشبیہ ہے

صار خامن مسه بتخییل و تصویر لطمعه فیه کانه یمسه و یضرب بیدہٖ علیه و یقول هذا ممن اغویه۔ و نحوہٗ من التخییل قول ابن الرومی شعر

لما تؤذن الدنیا به من صروفها ٭ یکون بکاء الطفل ساعة یولد ٭

اما حقیقة للمس و النخس کما یتوهم اهل الحشو فکلا و لو سلط ابلیس علی الناس ینخسهم لامتلئت الدنیا صراخا و عیاطا مما یبلونا من نخسه (کشاف خت۲)

اور اوس کے طمع کی تصویر گویا کہ وہ اوسکو چھوتا اور ہاتھ مارتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ یہ بچہ اون لوگون میں سے ہے جنکو میں گمراہ کرونگا

ایسے خیالی تشبیہ ابن الرومی کے ایک شعر میں پائی جاتی ہے اور حقیقۃً شیطان کا چھونا اور چوکنا جیسا کہ اہل حشو خیال کرتے ہیں ہرگز نہیں ہے۔

اور بعض نے جنکو کہ حدیث سے زیادہ تعلق و دلچسپی ہے اور اون کے دل میں حدیث کی خصوصاً صحیحین کی عظمت ہے اونہوں نے حدیث کو غیر صحیح کہنے کی جرأت نہیں کی۔ صرف اس اشکال کو ظاہر کر دیا ہے۔ مگر اوسکو حل نہیں کیا۔

جمل اور تفسیر فتح البیان میں کہا ہے۔ اس مقام میں ایک قوی شبہہ پیدا ہوتا ہے

فی المقام اشکال قوی لم ار من نبه علیه من المفسرین و حاصله ان قولها و انی اعیذها بك معطوف علی ما قبله الواقع فی حیز لما وضعتها فیقتضی ان طلب هذه الاعادة انما وقع بعد الوضع فلا یترتب علیه حفظ مریم من طعن الشیطان

ہمنے نہیں دیکھا کہ کسی مفسر نے وہ شبہ بیان کیا ہو۔ وہ یہ کہ قول والدہ مریم کا کہ اے خدا میں اس مریم کو شیطان سے تیری پناہ میں سپرد کرتی ہوں۔ ما قبل پر معطوف ہے جو لما وضعتها کے نیچے داخل ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اونکی یہ دعا بعد تولد مریم ہوئی تھی۔ پھر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس

وقت نزولها وخروجها من بطن امها فلا يتلاقى الحديث مع الآية بل يقتضي ظاهر الآية ان اعاذتها من الشيطان انما كان بعد وضعها وهذا لا ينافي تسلط الشيطان عليها بطعنها ونخسها وقت ولادتها الذي هو عادته فان عادته طعن المولود وقت خروجه من بطن امه فتامل [illegible] سليمان الجمل (فتح البيان صفحہ ۳۸۴ جلد ۱-)

دعاء کی برکت واثر سے مریم مس شیطان سے (جو عین تولد اور بچہ کے پیٹ سے نکلنے کے وقت ہوتی ہے) محفوظ ہوئیں - اس صورت سے یہ حدیث قرآن سے متفق نہ ہوئی - قرآن کے ظاہر الفاظ سے تو یہ پایا جاتا ہے - کہ جب والدہ مریم اوسکو جن چکی تب اونہوں نے دعاء کی - اور یہ دعا اس مس شیطان کی نفی نہیں کرتی - جو پیدائش بچہ کے وقت ہوتی ہے - کیونکہ شیطان کی عادت ہے کہ وہ بچہ کو ماں کے پیٹ سے نکلنے کے وقت مس کرتا ہے [illegible] سلیمان جمل کا قول ہے -

محدثین میں سے قسطلانی شارح بخاری کے دل میں بھی یہ شبہ پیدا ہوا - اور اونہوں نے شرح صحیح بخاری میں اس شبہ کو بیان کرکے اسکا جواب بھی دیا - جو ضعیف جواب ہے -

اس مقام میں آپ کی عبارت نقل کیجاتی ہے - پھر اون کے جواب کا ضعف ثابت کیا جائیگا انشاء اللہ تعالے -

آپ فرماتے ہیں ابوہریرہ کے اس قول میں کہ چاہو تو آیت پڑھ لو اعتراض

ثم يقول ابوهريرة واقرءوا ان شئتم واني اعيذها بك وذريتها من الشيطان الرجيم - وهذا

وارد ہوتا ہے - کیونکہ آیت کا مضمون بتاتا ہے کہ حنتہ والدہ مریم کی دعاء جسکی تفسیر اس حدیث (یعنے قول ابوہریرہ) میں یہ

فیہ شئ من حیث ان سیاق
الآیة یدل علی ان دعاء حنة
امّ مریم باعاذتها وذریتها
من الشّیطان المفسر فی الحدیث
بان یعصمهما من مسّ الشّیطان
عند ولادتهما متاخر عن
وضعها مریم ولم ار من نبه
علی هذا والذی یظهر لی ان
تکون حنة علمت انوثة مریم
قبل تمام وضعها عند بروزها
الی ما یعلم منه ذلك فقالت
حینئذٍ انی وضعتها انثی وانی
اعیذها فاستجیب دعائها
ثم تکامل وضعها فاراد الشّیطان
التمکن من مریم فمنعه اللہ ببرکة
دعاء امها والتعبیر عن البعض
بالکل سائغ شائع ولیس فی الآیة
دلیل علی انه استجاب دعائها
الی اخر ما نقلناه (قسطلانی صفحہ ۹ جلد ۶)

ہوئی ہے۔ کہ وہ دونو مس شیطان سے
بچائے گئے۔ حنہ کے مریم کو جننے سے
پیچھے ہوئی تھی۔ یعنے پھر مس شیطان سے
اسکا محفوظ رہنا اس دعاء متاخر کا اثر
کیونکر ہوسکتا ہے۔ قسطلانی فرماتے
ہیں کہ مینے اور کسی کو نہیں دیکھا جسنے
اس اعتراض پر تصریح کی ہو۔ پھر کہا
اسکا جواب جو مجھے ظاہر ہوا ہے
وہ یہہ ہے۔ کہ حنہ کے مریم کو پورے
جننے سے پہلے صرف اسقدر حصۂ جسم کے
دیکھنے سے معلوم ہوسکے کہ وہ لڑکی ہے
اور انہیں [illegible] نکلنے سے
معلوم ہوگیا ہوگا۔ کہ وہ لڑکی ہے۔ اسیوقت
انہوں نے دعاء کی جو قبول ہوگئی۔
اور جب وہ پوری جنی گئی تو شیطان نے
اوسکو مس کرنا چاہا۔ مگر حنہ کی اس دعاء
کی برکت سے خدا نے اوسکو روک دیا
اور اس سوال کے جواب میں کہ خدا نے
تو مریم کے پوری پیدا ہوجانے کے
بعد دعاء کرنے کا ذکر فرمایا ہے۔" یہ کہا جائے گا کہ جزء پر کل کا اطلاق مجازاً ہوتا ہے
اور یہ امر جائز اور مروج ہے یعنے دعاء کے وقت پیٹ نکلا تو بعض حصۂ جسم تھا۔

جس سے عورت کی شناخت ہو سکے۔ مگر خدا نے مجازاً کل کا باہر آجانا ظاہر فرمایا۔ مگر آیت میں یہ نہیں پایا جاتا کہ اون کی والدہ کی وہ دعا مقبول ہوگئی تھی۔ آخر قول اہتر تک جو پہلے بصفحہ (۱۶۹) منقول ہو چکا ہے۔

راقم خاکسار کہتا ہے۔ علامہ قسطلانی کا یہ جواب نہائیت ضعیف ہے۔ یہ جواب یہ ظاہر کرتا ہے۔ کہ علامہ قسطلانی نے قرآن مجید کے اس بیان کا خیال و لحاظ نہیں فرمایا۔ کہ حضرت مریم کی والدہ نے اسکا نام بھی مریم رکھدیا تھا۔ اور اوس کے بعد وہ دعا مانگی تھی جس میں نام رکھنے کا پہلے ذکر کیا ہے۔ اور نہ یہ خیال فرمایا یہ امر دین یہود یا کسی اور مذہب میں معمول و مروج نہیں تھا۔ اور نہ اب ہے۔ کہ بچہ آدھا پیٹ کے اندر ہو اور آدھا باہر اور اُسیوقت اُسکا نام رکھدیا جائے۔ قرآن کے یہ الفاظ دانی سمیتہا مریم و انی اعیذ ھا یعنے میں نے اسکا نام رکھدیا اور میں نے اوسکو تیری پناہ میں سپرد کیا۔ صاف یقین دلاتے ہیں کہ وہ دعا والدہ مریم کی وضع حمل اور مریم نام [illegible] بعد ہی کی تھی۔ بلکہ مریم نام رکھنے کی سنت بھی رسم یہود کے موافق ادا ہوگئی تھی۔ اس بیان سے ناظرین کو معلوم ہوگا کہ یہ شبہ تو قول ابوہریرہ پر بہت لوگوں کے دل پر گذرا۔ مگر اسکا جواب شافی کسی نے نہیں دیا۔ اور اسکا حل کسی سے نہیں ہوا۔ اور اسکا جواب شافی و حل کافی وہی ہے۔ جو خدا نے اس خاکسار کو سمجھایا۔ اور اس کی قلم سے نکلوایا ہے۔ کہ وہ قول ابوہریرہ نے اپنی رائے و اجتہاد سے کہا ہے۔ یا اوراس میں دہوکہ کھایا۔ آنحضرت سے سُنکر نہیں فرمایا۔ اور نہ وہ آنحضرت کا وہ قول ہو سکتا ہے۔ لہذا وہ لائق اعتماد و قبول نہیں ہے۔

اس جواب پر اگر کوئی ناواقف یہ اعتراض کرے۔ کہ یہ کہنا کہ یہ قول ابوہریرہ غلط ہے۔ اور اون کی غلط فہمی پر مبنی ہے۔ صحیح بخاری کے اس عالی رتبہ

اور والاشان کے مخالف ہے۔ جو تمہارے نزدیک بھی مسلم ہے۔ کہ جو روایت بسند
متصل اس کتاب میں وارد ہے وہ اتفاقی صحیح ہے۔ اور لایق اعتماد و قبول ہے۔ تو
اسکا جواب یہ ہے کہ صحیح بخاری یا صحیح مسلم کے مرویات کے صحیح و لایق اعتماد
و قبول ہونے کے یہ معنے ہیں کہ جس شخص کا قول ان کتابوں میں بسند متصل نقل کیا گیا ہو
اس شخص سے وہ قول صحیح و ثابت ہے۔ اور اس قول پر اعتماد کرنا یہ معنے رکھتا ہے کہ
وہ قول ضرور اوس شخص کا قول ہے۔ اور اس سے بسند صحیح مروی ہے۔ اسکے یہ معنے
نہیں کہ جو قول کسی شخص سے ان کتابوں میں منقول ہے۔ وہ معنے و مطلب کے لحاظ
سے بھی صحیح اور واجب القبول ہے۔ امام بخاری یا امام مسلم یا اور محدثین کی نقل و
تصحیح لفظوں کے متعلق ہے۔ اور ان الفاظ کے اپنے قایل سے ثابت ہونے کا
طمانیت بخش وسیلہ ہے۔ انکی نقل و تصحیح کسی حدیث یا قول کے معنے و مطلب کے
ثبوت کی [illegible] حضرت ابوہریرہ
نے بیشک وہ قول فرمایا ہے۔ جو امام بخاری نے اون سے نقل کیا ہے۔ تو ہم نے
صحیح بخاری کی عظمت کو مان لیا۔ اسکے ساتھ اس قول کے معنے و مطلب کو بھی صحیح
مان لینا اس عظمت ماننے کی جزو یا شرط نہیں ہے۔ کسی کے قول کو معنے اور مطلب
کی نظر سے صحیح مان لینا اس قول کی ذاتی صحت اور اوسکی عظمت قایل کی وقعت
و عظمت پر موقوف ہے۔ اگر وہ قول ایسے شخص کا ہے۔ جسکے قول کو خدا نے تمام
مسلمانوں کے لئے لائق سند و حجت قرار دیا ہے۔ جیسے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم
تو اوسکا مان لینا سب پر فرض و وجب ہے۔ اور اگر وہ قول ایسے شخص کا ہے جسکا
فہم و اجتہاد و رائے حجت شرعی اور تمام لوگوں کے لئے واجب العمل و التسلیم نہیں
تو اوس کا ماننا دوسرے لوگوں پر واجب نہیں خصوصاً جبکہ وہ مخالف دلیل ہو
اب شاید کوئی یہ سوال کرے اور کہے کہ اس بیان سے یہ تو ثابت ہوا

کہ والدہ مریم کی دعا سے حضرت مسیح کا مس شیطان سے محفوظ ہونا حدیث نبوی سے بھی ثابت نہیں ہوتا۔ جیسا کہ آیت قرآن سے ثابت نہیں۔ مگر حدیث نبوی سے اس قدر تو ثابت ہوتا ہے۔ کہ مس شیطان سے محفوظ ہونے کو صرف حضرت مسیح سے خصوصیت ہی۔ اور یہ محفوظیت ان ہی کا خاصہ ہے۔ خواہ اسکا سبب و موجب کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ اس سے بھی حضرت مسیح کی اور انبیاء پر فضیلت و فوقیت ثابت ہوتی ہے۔ تو اسکا **جواب** یہ ہے کہ شیطان کا ہر مولود کو تولد کے وقت مس کرنا اگر صرف بغرض ایذاء جسمانی ہے اور اوس کا اثر ایمان و اخلاق مولود پر کچھ نہیں ہوتا۔ تو اس مس سے حضرت مسیح کا بچ جانا کوئی فضیلت کی بات نہیں ہے۔ بلکہ برعکس فضیلت اُن صالح و مقبول مولودوں کو ہے جو اس تکلیف و ایذاء شیطان کے محل ابتلاء ہوتے ہیں۔ کیونکہ اہل بلاء اہل عافیت سے زیادہ اجر کے مستحق ہوتے ہیں۔ چنانچہ حدیث اشد الناس بلاء الانبیاء ثم الامثل فالامثل اسکے مصدق و مؤید ہے۔

اور اگر شیطان کا مس کرنا بغرض تکلیف روحانی ہے۔ اور اون کے ایمان و اخلاق پر اسکا بد اثر ہونا اسکا خلاصہ لازمی ہے۔ تو اس مس سے جملہ انبیاء و اصفیاء کا بچ جانا بحکم ان نصوص مذکورہ حاشیہ کے جن میں بیان ہے کہ شیطان خدا کے مخلص بندوں کو نہیں بہکا سکتا۔ اور اون پر اسکا زور و غلبہ نہیں ہوتا ضروری و لازمی امر ہے۔ اور ان ہی نصوص کی شہادت سے جملہ انبیاء بلکہ اور مخلصین و اصفیاء بھی اس وصف میں حضرت مسیح کے شریک ہیں۔ اس حدیث میں آنحضرت

لاغوینهم اجمعین الا عبادک منهم المخلصین۔ قال هذا صراط علی مستقیم۔ ان عبادی لیس لک علیهم سلطٰن الا من اتبعک من الغاوین۔

(الحجر ع ۳)

کا صرف حضرت مسیح کو اس مس سے مخصوص و مستثنے کرنا بطور تمثیل ہوا ہے اور عدم مس کا اون ہیں حصر حصر اضافی ہے۔ یعنے ان عام لوگون کی نسبت جو خدا کی مخلص بندے نہیں ہیں۔ اور مقصود اس حصر و تخصیص سے یہ ہے کہ مسیح اور مسیح کی سبھی ہم جنس و ہم صفت و ہم معنے مس شیطان سے محفوظ ہیں۔ ایسا ہی علماء متقدمین و متأخرین نے کہا ہے۔ اور اس تعمیم پر ان ہی آیات کو دلیل ٹھرایا ہے۔ اور علاوہ برآں چند احادیث سے بھی استدلال کیا ہے۔

قسطلانی نے شرح صحیح بخاری میں کہا ہے۔ کہ عینی نے قاضی عیاض سے نقل کیا ہے۔ کہ تمام انبیاء اس صفت میں حضرت مسیح کے شریک ہیں قرطبی نے کہا ہے یہی مجاہد (تابعی) کا قول ہے [illegible] (صاحب کشاف) نے اس حدیث میں معنے کی نظر سے طعن کیا ہے اور کہا ہے۔ کہ اگر ہم اوسکو صحیح مان لین تو اوسکے معنے یہ ہیں کہ سب بچون کو گمراہ کرنے کی طمع شیطان رکھتا ہے۔ (یعنے جو مس کرنے سے اُسکا مقصود ہے) بجز مریم اور اون کے فرزند کے کہ وہ دونو بچے ہوئے تھے۔ ایسے ہی وہ لوگ جو اون کی سی صفت رکھتے اسپر دلیل ہے یہ قول خداوندی ہے۔ کہ خدا کے مخلص بندون کو شیطان نہیں بہکائے گا۔

نقل العینی ان القاضی عیاض اشار الی ان جمیع الانبیاء یشارکون عیسی علیہ الصلوة والسلام فی ذلک قال القرطبی وهو قول مجاهد وقد طعن الزمخشری فی معنی هذا الحدیث وتوقف فی صحته فقال ان صح فمعناه ان کل مولود یطمع الشیطان فی اغوائه الا مریم و ابنها فانهما کانا معصومین و کذلک کل من کان فی صفتهما لقوله تعالی الا عبادک منهم المخلصین

(قسطلانی ص ۵۶ جلد ۷)

قاضی ثناءاللہ صاحب پانی پتی تفسیر مظہری میں فرماتے ہیں آنحضرت کے

قلت قد صح ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لفاطمۃ حین زوجھا اللھم انی اعیذھا بک وذریتھا من الشیطان الرجیم وکذلک قال لعلی ودعاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم اولی بالقبول فعلی ھذا حصر عدم المس فی مریم وابنھا یکون حصرًا اضافیًا بالنسبۃ الی الاعم الاغلب (تفسیر مظہری)	یہ ثابت ہو چکا ہے کہ آپ نے جب فاطمہ کا نکاح کر دیا تو اون کے لئے وہ دعا کی جو والدہ مریم نے کی تھی۔ ایسے ہی دعا آپنے حضرت علیؓ کے لئے کی۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم والدہ مریم کی نسبت زیادہ مستحق قبولیت دعا ہیں۔ بناءً علیہ یہ حصر عدم مس جو حضرت مسیح میں ہوا ہے اضافی ہے۔ یعنے اون عام لوگون کی نسبت جو حضرت مسیح

جیسے [illegible] صاحب [illegible] تفسیر مظہری [illegible] ہے کہ انبیاء کے علاوہ اہل بیت نبی کو بھی اسمیں شامل کر دیا ہے۔*

بالجملہ اسحدیث کو دعوے مسٹر اکبر مسیح سے تو کوئی بھی تعلق نہیں۔ اور اسکے سوا وہ حضرت مسیح میں کوئی بھی ایسی خصوصیت و فضیلت ثابت نہیں کرتی۔ جو اور انبیاء بلکہ اولیاء و اصفیا میں نہ ہو۔

آپ کی چوتھی دلیل حدیث شفاعت ہے۔ جسکے متفرق حصے صفحہ (۵۰ و ۵۳) میں منقول ہوئے ہیں۔ اور اسوجہ سے وہ یہاں پورے نقل نہیں ہوئے۔ اس حدیث سے جو مسٹر اکبر مسیح نے حضرت مسیح کی خصوصیت و فضیلت نکالی ہے۔ اُسکا خلاصہ یہ ہے۔ کہ منجملہ اُن انبیاء کے جو قیامت کے دن شفیع بننے سے انکار کرینگے۔ صرف مسیح ہے جسکی کوئی خطا نہیں کہ وہ یاد کرے۔ اور اسکے باعث اپنے رب سے شرماوے۔ انکا کوئی گناہ نہیں کہ وہ ذکر کریں۔ وہ محمد صاحب کے اگلے

* صحیح بخاری [illegible] صفحہ (۲۶) حدیث ہے کہ جو شخص جماع کے وقت یہ پڑھ لے بسم اللہ اللہم جنبنا الشیطان وجنب الشیطان ما رزقتنا۔ [illegible] نہ پہنچائیگا۔ یعنی اس حدیث نے اور بھی تعمیم و توسیع کردی۔

پچھلے گناہوں کا دینے اون کے بخشے جانے کا) مذکور کرتے ہیں - اور اپنے تئیں لایق شفاعت نہیں جانتے - اور یہ کچھ قیامت کے منطق کی خامی ہے کہ جنہے گناہ کئے ہوں وہ اسوجہ سے کہ اسکے گناہ معاف ہوئے - شفاعت پاوے - اور جس سے کوئی گناہ سرزد نہ ہوا ہو وہ محروم رہے - گویا عصمت دگناہ نہ کرنا) بھی ایک جرم ٹھرا - جسکی نسبت مسیح شفاعت سے محروم رہا " اس کا جواب یہ ہے - کہ اس حدیث کے کسی طریق یا روایت ہیں یہ نہیں آیا کہ حضرت مسیح نے کوئی گناہ یا خطا نہیں کی - حدیث کا لفظ صرف یہ ہے - ولم یذکر ذنبا یعنے جیسے اور انبیاء آدم - نوح - ابراہیم - وموسیٰ کا ایک ایک گناہ یا خطا دشجرہ ممنوعہ سے کچھ کھا لینا یا قوم کے حق ہیں بد دعا کرنا - یا تین دفعہ بحسب ظاہر وصورت جھوٹ بولنا - یا قبطی کو مار ڈالنا) مذکور ہوا ہے حضرت عیسےٰ کا کوئی گناہ راوی حدیث نے یا آنحضرت نے ذکر نہیں فرمایا - یا یوں کہو کہ قیامت کے دن خود حضرت عیسےٰ اپنا کوئی گناہ یاد نہیں کرینگے - یوں ہی اجمالاً اپنا لایق شفاعت نہ ہونا بیان کرکے بلا تفصیل سبب گناہ شفاعت سے انکار کرینگے اور کہیں گے کہ یہ مقام و درجہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کے لئے مخصوص ہے - میں اس درجہ کی لایق نہیں ہوں -

مسٹر اکبر مسیح نے جو اس لفظ لم یذکر ذنبا کا مطلب یہ سمجھا ہے - کہ اون سے کوئی خطا یا گناہ سرزد ہی نہیں ہوا - ہوتا تو وہ بھی اوس کا ذکر کرتے جیسا کہ اور انبیاء ذکر کرینگے - تو اسمیں انہوں نے دہوکہ کھایا ہے - یا دیدہ دانستہ دہوکہ دینا چاہا ہے -

اسے صاحب! گناہ ذکر نہ کرنے کی وجہ وہ نہیں ہے - جو آپنے غلطی سے سمجھے - یا مغالطہ دینے کو سمجھانی چاہی - بلکہ اسکی وجہ اور ہے - جو ہم آپ کو بتاتے ہیں

اور اس کو بدلایل عقلی و نقلی ثابت و مدلل کر دکھاتے ہیں - ادہر آیئے اور وہ وجہ ہم سے سنئیے -

راوی حدیث یا آنحضرت نے اون کے کسی گناہ (یا خطاء) کا ذکر اسلئیے نہیں کیا اور حضرت عیسئے بھی قیامت کو بوقت انکار از شفاعت اسلئیے اسکا ذکر نہ کریں گے - کہ وہ گناہ یا خطا ایک یا دو ہوتے تو اوسکا ذکر بھی ہوتا - جیسے اور انبیاء کے ایک ایک خطاء کا ذکر ہوا - حضرت عیسئے تو گناہوں (یا خطاؤں) سے لدے ہوئے اور اُسکے بوجھ سے دبے ہوئے تھے - (جیساکہ نصاریٰ کے اس اصول سے ثابت ہے - کہ وہ تمام عمر استغفار سے خالی رہے) یا کسر نفسی یا فروتنی سے وہ خود اپنے آپ کو بہت گنہگار سمجھ کر کسی ایک گناہ کا ذکر نہ کرینگے - (جیساکہ مسلمانوں کا اُن پر حُسن ظن و اعتقاد ہے -) پھر راوی حدیث یا آنحضرت یا خود حضرت مسیح گناہ کو یاد کرتے تو کس کسکو کرتے اسلئیے اُنھوں نے اس اجمالی طور سے اعتراف گناہوں پر اکتفاء کیا - اور انصاف کو کام میں لاکر یہ کہدیا کہ یہ درجہ و مقام شفاعت محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کی ہی شان کو لایق اور اون ہی سے مخصوص ہے - جو رات دن اُٹھتے بیٹھتے سوتے جاگتے چلتے پھرتے توبہ و استغفار میں لگے رہتے تھے - اور اپنے خطاؤں کو معاف کرا کے ایسے ہوگئے تھے - جیسے مادر زاد بے گناہ ہوتے ہیں - میرا یہ منصب نہیں کہ میں اسمقام میں قدم رکھوں -

لفظ لم یذکر کے معنے اور مسیح کے گناہ کا ذکر نہ ہونے اور مسیح کے اجمالی اعتراف گناہ سے شفاعت سے انکار کرنے کی وجہ آپ سُن چکے تو اسی سے آپ کو یہ بھی معلوم ہوگیا ہوگا کہ قیامت کی منطق خام نہیں ہے - بلکہ بڑی سخپتہ منطق ہے - اور مسیح کا درجہ شفاعت سے محروم رہنا - اور آنحضرت کا اس درجہ کو پا لینا اسوجہ سے نہیں کہ حضرت مسیح بے گناہ تھے - اور آنحضرت بخشے ہوئے گناہگار بلکہ

اوس کی وجہ یہ ہے۔ کہ مسیح کے گناہ (یا خطا) بخشش ومعافی نہ مانگنے کے سبب (چنانچہ عیسائی کہتے ہیں) یا مسیح کی کسر نفسی فروتنی والے خیال میں (چنانچہ مسلمان سمجھتے ہیں) بخشے نہ گئے تھے۔ اور سب کے سب جمع ہوکر اون کو دبا رہے اور شرما رہے تھے۔ اور آنحضرت بخشے بخشائے ہوئے تھے۔

معلوم ہوتا ہے آپ نے منطق انگریزی میں پڑہی ہے۔ جس میں عقلی منطق بہت کمی وخامی کے درجہ پر ہے۔ عربی میں منطق نہیں پڑہی جو بڑے زور کی منطق ہے۔ پڑہتے تو قیامت کے منطق کا پختہ ہونا جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے خودبخود جان لیتے۔

بیان وجہ عدم ذکر گناہ مسیح وعدم وقوع شفاعت مسیح کے متعلق جو کچھ ہم نے کہا ہے۔ اسمیں سے **دو امر ثبوت اور دلیل طلب ہیں** — اوّل یہ کہ مسیح سے خطا یا گناہ [illegible] گناہوں یا خطاؤں سے عیسائیوں کے اصول واعتقاد کے رو سے یا اپنے کسر نفسی وفروتنی والے خیال میں لدے ہوئے اور اُنکے بوجھ سے دبے ہوئے تھے۔

امر اوّل اگر ہمنے ثابت کر دیا **تو امر دوم** کا بار ثبوت اس سے زیادہ ہمارے ذمہ نہ رہے گا۔ کہ ہم عیسائیون کا یہ اصول واعتقاد اون کی کتابوں سے نقل کردیں۔ کہ حضرت عیسٰے نے تمام عمر استغفار نہیں کیا۔ اور توبہ کرکے اپنے گناہوں (یا خطاؤں) کو خدا تعالےٰ سے معاف نہیں کرایا۔ کیونکہ یہ امر ظاہر و مسلم کل ہے۔ و محتاج ثبوت نہیں ہے کہ گناہوں یا خطاؤں کو دور کرنے کا مصالحہ وکفارہ صرف توبہ و استغفار ہے۔ اور جو شخص گناہ کرکے توبہ و استغفار سے رجوع نہیں کرتا وہ گناہوں کے بوجھ سے دبا رہتا ہے۔ لہذا امر دوم کے ثبوت میں عیسائی سے خطاب میں ہم کو ان کا وہی قول پیش کردینا کافی ووافی ہو۔

ثبوت امر اوّل پر ہمارے پاس عقلی و نقلی دلائل موجود ہیں۔

ایک عقلی دلیل ایک یہ کہ حضرت مسیح علیہ السّلام انسان اور بنی آدم میں سے ایک آدمی ہے۔ اور جو آدمی ہے وہ خطا کرتا ہے۔ اس دلیل سے جو شکل اوّل بدیہی الانتاج کی صورت میں ہے یقینی نتیجہ نکلتا ہے کہ حضرت مسیح خطا کرتے تھے حضرات انبیا علیہم السّلام سے ہم صرف صدور خطا و نسیان ہی کے قایل ہیں۔ اور ان ہی خطاؤں کو اُن کے رتبہ و درجہ کی نظر سے گناہ کہا گیا ہے۔ اس سے زیادہ کبیرہ گناہوں کے نہ کسی اور نبی سے صدور کے ہم قایل ہیں حضرت مسیح میں انکا اثبات کر سکتے ہیں۔

اس دلیل کا پہلا مقدمہ (صغری) مسلّم کل ہے یونی ٹیرین (توحیدی عیسائی) تو حضرت مسیح کو صرف انسان اور آدمی مانتے ہی ہیں۔ اَور فرقے پروٹسٹنٹ رومن کیتھلک [illegible] وغیرہ جو [illegible] اون کی انسانیت کے بھی قایل ہیں۔ اور انکو ابن آدم بھی کہتے ہیں۔

دوسرے مقدمہ (کُبرے) کے ثبوت پر یہ دلیل قایم ہے۔ کہ حضرت آدمؑ سے خطا و نسیان ہونا جوان کی انسانیت کے لوازم طبعی سے تھا۔ جیسے سونا اور کھانا پینا مسلّم کل ہے۔ اور طبعی و عقلی دلایل سے ثابت و محقق ہو چکا ہے کہ باپ کے طبعی و نیچرل صفات اولاد کی طرف منتقل و متعدی ہوتی ہیں۔ اور ہم رات دن کے مشاہدہ سے تجربہ کر رہے ہیں۔ کہ ہر ایک انسان سے ضرور کبھی نہ کبھی خطا ہوتی ہے۔ اسی نظر سے سیّد العقلا و خاتم الانبیاء نے فرمایا ہے خطاء اٰدم فخطاٰت ذریتہ (دیکھو صفحہ ۹۴) ایسا ہی انجیل سے ثابت ہی کہ تمام انسان خطا کار ہیں چنانچہ صفحہ (۲۳۱) مین ین [illegible] ہوگا

دوسری عقلی دوسری دلیل یہ کہ حضرت مسیح ایک انسان ہونے کی وجہ سے علم محدود و عقل ناقص رکھتے ہیں۔ اور جو شخص علم محدود اور عقل ناقص رکھے اس سے کبھی

نہ کبھی وقوع خطا ایک لازمی امر ہے۔ اس دلیل سے بھی پہلی دلیل کی طرح یقینی نتیجہ حاصل ہوتا ہے کہ حضرت مسیح سے خطا کا وقوع ایک لازمی امر تھا۔

اس دلیل کا بھی پہلا مقدمہ تو ہمارے مخاطب مسٹر اکبر مسیح وغیرہ توحیدی عیسائیوں کے نزدیک مسلم ہے۔

مسٹر اکبر مسیح نے رسالہ تنقیح الوہیت کے صفحہ ۹۱ میں لکھا ہے "کلام مقدس انسان کو نہائیت وضاحت سے کم عقل و ناقص العلم بتلاتا ہے" اور اسی اصول سے ان الفاظ "الفا و امیگا و اوّل و آخر" کے جو مسیح کے حق میں بولے گئے ہیں محدود معنے میں مراد ہونا ثابت کیا ہے۔ دوسرے عیسائی بھی اگر انصاف کرینگے۔ اور مسیح کے ان حالات و اعترافات کو جنسے اون کی لاعلمی ظاہر ہوتی ہے۔ جیسے قیامت کی گھڑی سے بے خبر ہونا (مرقس $\frac{13}{32}$) یا حواریوں کے انتخاب کے وقت یہودا کے مرتد ہو جانے سے بے خبر ہونا۔ (لوقا $\frac{6}{13}$) وغیرہ جس کی تفصیل اشاعۃ السنہ نمبر ۲ جلد ۱۶ صفحہ ۴۵-۴۶ میں ہو چکی ہے۔ چشم بینا سے پڑہیں گے تو اون کو بھی یہ مقدمہ تسلیم کرنا پڑے گا۔

دوسرا مقدمہ عقلاء جہان کے تجربہ و مشاہدہ میں آچکا ہے۔ اور کل کا اسپر اتفاق ہے۔ کہ جو شخص علم محدود اور عقل ناقص رکھتا ہو اوس سے ضرور کبھی نہ کبھی خطا سرزد ہوتی ہے۔ دانشمندان اہل اسلام تو یہانتک قایل ہیں کہ اس سے فرشتے بھی نہیں بچ سکے جس بات کا اون کو علم نہ دیا گیا تھا اسمیں اونہوں نے قیاس سے کام لیا تو دہوکہ کھایا۔ جسکا بیان صفحہ (۱۵۵) میں ہو چکا ہے۔ ابن آدم یا انسان فرشتو سے بڑھ کر کیونکر ایسا ہو سکتا ہے۔ کہ اپنے علم محدود اور عقل ناقص سے نتائج نکالنے میں دہوکہ نہ کھاوے۔ اسی وجہ سے کہ انسانی علم محدود اور عقل ناقص ہے۔ جہان کے عقلاء نے اس عقل ناقص کے فیصلہ کو جانچنے و پرکھنے کو میزان و پیمانہ عقلی قواعد

(منطق) وغیرہ مقرر کئے ہیں۔ اور پھر بھی اون میں باہمی اختلاف اور لڑائی چلی جاتی ہے۔ کیونکہ ان قواعد اور میزان کے استعمال میں بھی اون سے غلطی ہو جاتی ہے۔ ان اختلافات کی تفصیلات پرانے حکیموں کے خیالات و مقالات سے دیکھنی چاہو تو۔ اشاعۃ السنہ نمبر ۳ جلد ۲ ملاحظہ کرو۔ اور خاص کر دانشمندان اہل مذاہب نے مذہب و الہام وحی الہٰی کی ضرورت تسلیم کی ہے۔ اور یہ بات ٹھہرا رکھی ہے۔ کہ انسان اپنے عقلی نتائج میں غلطی کرتا ہے تو اون کی اصلاح کے لئے وحی الہٰی و الہام کی ضرورت ہے جسمیں غلطی کا دخل و امکان نہیں " وما کان ربک نسیا " انسانی عقل و علم غلطی سے محفوظ ہوتی تو مذہب اور الہام کی ضرورت کو تسلیم کیا جاتا۔

نقلی دلیل ایک یہ کہ خدا تعالےٰ کا ارشاد ہے۔ کہ جن لوگوں کو مشرکین پکارتے (پوجتے) ہیں اون میں بہت قرب والے

خدا کی طرف (طاعت کا) وسیلہ تلاش کرتے ہیں۔ اور خدا کی رحمت کی امید رکھتے ہیں۔ اور اوسکے عذاب سے ڈرتے ہیں۔ تیرے رب کا عذاب ڈرنے کے لائق ہے۔	اولٰئک الذین یدعون یبتغون الی ربھم الوسیلۃ ایھم اقرب ویرجون رحمتہ ویخافون عذابہ ان عذاب ربک کان محذورا (بنی اسرائیل۔ ع ۶)

اس آیت کے عموم میں حضرت مسیح بھی داخل ہیں۔ کیونکہ اون کو ہزاروں رومن کیتھلک وغیرہ پوجتے اور پکارتے ہیں۔ اور یہ امر محل اختلاف و نزاع نہیں ہے کہ اوسکے ثبوت کے لئے ہم قرآن کی آیات نقل کریں۔ اور اس میں بھی شک و اختلاف نہیں کہ حضرت مسیح خدا کے مقربین میں داخل و شامل ہیں۔ لہذا آپ کا خدا کے عذاب سے ڈرنا اس آیت کی شہادت سے ایک لازمی امر ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ عذاب سے ڈرنا اپنے گناہوں کے (یا خطاؤں) کے خیال سے ہوتا ہے۔

"آں را کہ حساب پاک است از محاسبہ (مواخذہ) چہ باک"۔ بناءً علیہ یہ آیت صریح وصاف دلیل ہے کہ حضرت مسیح سے بھی خطا صادر ہوئی اور وہ ان خطاؤں کی نظر سے خدا کے عذاب سے ڈرتے تھے۔

دوسری نقلی دلیل یہ قول خداوندی ہے کہ آدمی بنایا گیا ہے گھبرانے والا برائی پہنچے تو بے صبرا۔ بھلائی ہاتھ لگے تو کنجوس۔ بجز ان نمازیوں کے جو اپنی نماز پر ہمیشہ قائم ہیں اور بجز اون لوگوں کے جنکے مالوں میں سوالی اور نہ مانگنے والے کا حصہ مقرر ہے۔ اور بجز اون لوگوں کے جو قیامت کو مانتے ہیں۔ اور بجز اُن لوگوں کے جو خدا کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔ کیونکہ اون کے رب کا عذاب اس لائق ہے کہ اس سے بے فکر نہ رہیں۔

ان الانسان خلق ھلوعًا اذا مسّہ الشر جزوعًا۔ واذا مسّہ الخیر منوعًا۔ الا المصلّین الذین ھم علی صلوتھم دائمون۔ والّذین فی اموالھم حق معلوم للسّائل والمحروم۔ والذین یصدقون بیوم الدّین والذین ھم من عذاب ربھم مشفقون۔ ان عذاب ربھم غیر مامون (معارج ع ۱)

اس آیت کے لفظ الانسان کے عموم میں حضرت مسیح بھی داخل ہیں۔ پھر وہ یقینًا ان مستثنیٰ لوگوں (دائمی نمازیوں خیرات کرنے والوں قیامت کو ماننے والوں خدا کے عذاب سے ڈرنے والوں) میں داخل ہیں۔ کوئی اہل ایمان نہیں کہہ سکتا کہ وہ ان چاروں صفات سے ممتاز ہوگا۔ گھبرانے والے انسانوں سے مستثنےٰ نہیں ہیں۔ اور خدا کے عذاب سے ڈرنا اسی صورت سے ہو سکتا ہے۔ کہ انسان سے کچھ خطا ہو اور وہ اپنے خطا کا معترف ہو آنرا کہ حساب پاک است از محاسبہ (مواخذہ) چہ باک۔

تیسری نقلی دلیل خدا تعالےٰ کا یہ قول ہے۔ کہ اگر خدا تعالےٰ لوگوں پر

ولو یؤاخذ اللہ الناس بظلمھم ماترک علیھا من دابۃ ولٰکن یؤخرھم الی اجل مسمّی (النحل – ع – ۸)	اون کے ظلم کے سبب مواخذہ کرنا چاہے تو زمین پر کسی ایک چلنے والے کو نہ چھوڑے ولیکن اون کو ایک وقت مقرر تک

ڈھیل دیتا ہے۔

اس عموم لفظ الناس میں بھی حضرت مسیح علیہ السلام بھی داخل وشامل ہیں اور یہ بات ظاہر ہے کہ خدا تعالےٰ کی عبادت واطاعت کا پورا پورا حق جیسا کہ چاہیے کسی بشر سے ادا نہیں ہوا۔ اور نہ طاقت بشری سے وہ ادا ہو سکتا ہے۔ اس نظر سے تمام لوگوں کی اس تقصیر کو خدا تعالےٰ کا ظلم کہنا ظلم نہیں عین الصواب ہے۔ اس دلیل کی مزید تشریح دلیل ششم میں ہوگی انشاءاللہ۔

چوتھی نقلی دلیل یہ ہے۔ کہ جو آنحضرت کا ارشاد ہے۔ کہ آدم کی بیٹوں

کل بنی آدم خطاء۔ وخیر الخطائین التوابون [illegible]	میں سے جو ہے وہ خطاکار ہے۔ اور بہتر خطاکار وہ ہیں جو توبہ کرنیوالے ہیں۔

اس عموم میں بھی حضرت مسیح داخل ہیں۔ لہٰذا اس حدیث کی صریح شہادت ہے۔ کہ وہ خطاء کرتے تھے۔ اور چونکہ ہمارے یقین وایمان کے رو سے وہ نیکوکار اور بہترین لوگوں میں سے تھے۔ لہٰذا وہ توبہ واستغفار بھی ضرور کرتے ہوں گے۔ اور اون کی خطائیں معاف ہوتی رہتی ہیں۔ (گو عیسائی اون کی معافی میں خوش نہیں اور گناہوں کے بوجھ میں اون کے دبے رہنے میں راضی ہیں)

پانچویں نقلی دلیل آنحضرت کا یہ قول ہے۔ کہ اے خدا تو اگر بخشش کرنا

عن ابن عباس الذین یجتنبون کبائر الاثم والفواحش الا اللمم قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم	چاہتا ہے تو بڑے گناہ بخشدے۔ تیرا ایسا بندہ کونسا ہے جس نے چھوٹے گناہ نہ کئے ہوں۔ اور تو اون کو نہ بخشتا ہو۔

ان تغفر اللهم تغفر جمًّا وأی عبد لك لا المّا۔ جامع ترمذی صفحہ جلد ۲۔)	(یعنے چھوٹے گناہوں کی بخشش سے تو کوئی بندہ بھی محروم نہیں۔ ہم پر نظر خاص عنایت ہے تو ہمارے بڑے

گناہ بھی بخش دے۔)

یہ قول آنحضرت کا ایک شعر امیۃ بن الصلت پرانے موحد شاعر کا مضمون ہے آنحضرت نے اوسکو پسند کیا اور اپنی دعا میں اسی کو پڑھ دیا۔ آنحضرت کا بڑے گناہوں کی بخشش چاہنا اسی اصول پر مبنی ہے جو بار ہا بیان ہوا۔ کہ بڑے لوگ اپنے چھوٹے گناہوں کو بھی بڑا سمجھتے ہیں۔ حسنات الابرار سیآت المقربین اس عموم قول نبوی میں بھی حضرت مسیح داخل ہیں۔ کیونکہ وہ بھی ایک بندہ خدا تھے اور بندوں میں داخل و شامل۔ شائد حضرات عیسائی کہیں۔ کہ ان دلائل خمسہ میں عموماً [illegible] مسیح کا خطا کار ہونا ثابت کیا ہے۔ حضرت مسیح کے خاص نام کے متضمن کوئی دلیل پیش نہیں کی گئی۔ اون کے اس عذر کو اٹھانے اور اون کی خاطرداری اور خوش کرنے کیلئے ہم چھٹی دلیل ایسی لاتے ہیں جس میں گناہگاروں یا خطاکاروں کی فہرست میں حضرت مسیح کا صریح نام بھی داخل و درج ہے۔ دیکھئے اسپر عیسائی ہم کو کیا انعام بخشتے ہیں

چھٹی نقلی دلیل

آنحضرت کا یہ قول ہے۔ کہ اگر خدا تعالےٰ مجھ کو اور مسیح کو ہمارے گناہوں کے سبب پکڑنا چاہے۔ تو ہم کو عذاب کرے اور اسمیں وہ ظالم نہ ہو۔

لو ان الله یواخذنی وعیسی بن لو بنا لعذبنا ولا یظلمنا شیئا۔ واشار بالسبابة والتی تلیھا۔ وفی روایة	دیکھئے یہ صاف نام مسیح پر تصریح ہے۔ کہ اگر خدا گناہوں کے سبب مسیح کو پکڑنے لگے تو اسمیں بھی وہ ظالم نہ ہو۔

لم یوآخذنی اللہ وابن مریم بما جنست ھاتان۔ یعنی الابھام والتی تلیھا العذ بنا ولم یظلم شیئًا رواہ ابن حبان فی صحیحہ (ترغیب وترہیب منذری)

یہ حضرت مسیح کے مرتکب خطا ہونے پر قرآن وحدیث کے دلائل ہیں۔ انجیلی دلائل جن سے مسیح کی خطائیں ثابت ہوتی ہیں۔ اس کثرت سے ہیں کہ ہم اس مضمون میں اون کو پورا نہیں کرسکتے۔

ازانجملہ بعض خطاؤں کی تمثیلات کو قرآنی بحث کو ختم کرکے انجیلی بحث پیش کرینگے انشاء اللہ تعالےٰ۔

ان دلائل ستہ قرانیہ وحدیثیہ سے امر اول جسکا ذکر صفحہ ۱۸۵ میں ہوا تھا۔ کہ حضرت مسیح سے خطا یا گناہ سرزد ہوئے ثابت ہوا۔ اور امر دوم کہ حضرت مسیح نے اپنے خطاؤں سے توبہ واستغفار کیا ہو [illegible] ہے چنانچہ بصفحہ ۱۶۱ سے منقول ہوا۔ ان دونوں امروں کے ثابت ہونے سے ہمارا یہ دعوےٰ ثابت ہوگیا کہ انکا راز شفاعت کے وقت حضرت مسیح سے کسی گناہ کا مذکور نہ ہونا۔ اور مسیح کا صرف اجمالی طور پر اس لفظ سے کہ میں شفاعت کے لائق نہیں ہوں۔ گناہوں کا اقرار واعتراف کرنا اسیوجہ سے ہوا تھا کہ اون کے گناہ یا خطا بہت تھے جو استغفار نہ کرنے کے سبب جمع ہوگئے تھے۔ (جیساکہ عیسائیوں کے اصول مذکور کا لازمہ ہے۔) یا حضرت مسیح فروتنی سے ان کو بہت سمجھتے تھے (جیساکہ مسلمانوں کا اعتقاد ہے) اس عدم ذکر گناہ کیوجہ وہ نہیں ہے جو مسٹر اکبر مسیح نے بیان کی ہے۔ کہ اون سے کوئی خطا یا گناہ سرزد ہی نہیں ہوا۔ لہذا یہ دلیل چہارم مسٹر اکبر مسیح میں ویسی ہی ناتمام اور اون کے دعوے کے اثبات سے قاصر ہے۔ جیسے کہ تین دلائل اوّل ناکام ہیں۔ اس بیان با برہان سے آفتاب نیمروز کی طرح عیاں ہوا۔ کہ مسٹر اکبر مسیح نے اپنے دعوے کی جزو اول پر

جو دلائل اربعہ قایم کئے تھے۔ ان میں ایک دلیل بھی اون کے دعوے کی دلیل نہیں ہو سکتی اور حضرت مسیح کو عصمت میں دوسرے انبیاء پر کوئی ترجیح و فوقیت نہیں ہے۔ عمداً گناہ کرنے سے سبھی انبیاء پاک و معصوم ہیں۔ وخطا و سہو و نسیان سے حضرت مسیح بھی پاک نہ تھے۔

اب ہم دعوے مسٹر اکبر مسیح کا معارضہ کرتے ہیں۔ اور اپنے اس دعوے مذکورہ صفحہ (۳) پر کہ اگر ترجیح کیطرف رجوع کیا جاوے تو آنحضرت کی حضرت مسیح پر ترجیح ثابت ہوتی ہے۔ دلائل قایم کرتے ہیں۔

پس واضح ہو کہ حسب بیان و تصریح مسٹر اکبر مسیح جو اون کے خط ۲۰ جنوری ۱۸۹۶ء میں موجود[1] ہے۔

---

[1] مسٹر اکبر مسیح نے وہ دلایل اربعہ جنکے جوابات ہم صفحہ ۱۷۰ سے صفحہ ۱۹۲ تک ادا کر چکے ہیں [illegible] مورخہ ۱۵ جنوری ۱۸۹۶ء مندرجہ کشف نمبر ۷ جلد ۲ صفحہ ۱۰۶ میں اون کو لکھا تھا کہ آپ نے جو آیات واحادیث واقوال اہل سنت نقل کئے ہیں وہ میرے عقیدہ کے مخالف اور آپ کے دعوے کے موافق و مثبت نہیں۔ لہذا مناسب ہے کہ آپ اپنی کل تحریر کو واپس کر لیں (یعنے واپس لیں) اور اپنے دعوے کے ثبوت میں کوئی آیت یا حدیث یا بائبل کی کوئی دلیل پیش کریں۔ اگر نہ ہو سکے تو مجھے اجازت دیں کہ میں انجیل سے ثابت کروں کہ حضرت مسیح علے نبینا وعلیہ السلام ان معنے کر جو آپ نے تجویز کر رکھے ہیں معصوم نہ تھے۔ اور وہ بارہا مرتکب خطا ہوئے۔

اسکے جواب میں آپ نے خط ۲۰ جنوری ۱۸۹۶ء مندرجہ کشف نمبر ۷ جلد ۲ صفحہ ۱۰۸ میں لکھا۔ اسکے ساتھ آپ یہ فرماتے ہیں کہ مجھے اجازت دیں کہ میں انجیل سے ثابت کروں کہ حضرت مسیح ان معنے کر جو آپ نے تجویز کر رکھے ہیں معصوم نہ تھے۔ اور وہ بارہا مرتکب

مسیح جنکی عصمت سے بحث ہے دو ہیں ایک قرآنی مسیح دوسرا انجیلی مسیح ان دونو کے مصداق و مفہوم سے جو مراد مسٹر اکبر مسیح کی ہے اوسکو وہ جانیں۔ ہم کو اس سے غرض نہیں۔ ہماری مراد جو ان الفاظ کے مفاہیم سے ہے۔ اوس کو ہم بیان کرتے ہیں۔

بقیہ حاشیہ صفحہ (۱۹۳)

خطا ہوئے۔ جناب مولوی صاحب! ابھی انجیل سے بحث نہیں۔ آپ کو چاہیئے کہ اگر یہ دعوے حق ہے۔ تو آپ اسکو قرآن سے ثابت کریں کہ مسیح بار ہا دیا صرف ایک ہی بار مرتکب خطا ہوئے۔ کیونکہ آپ خوب سمجھے کہ میرا دعوے یہ ہے۔ بموجب قرآن مسیح بالکل معصوم ہیں۔ ان سے کبھی کوئی خطا نہیں۔ اور اوس کو میں ثابت کرچکا ہوں اور جب وقت آوے گا یہ بھی ثابت کرونگا۔ کہ بربنا انجیل بھی مسیح اس معنے میں معصوم ہیں۔ اور جو آپ کے شکوک ہونگے اون کو رفع کردینا میرا ذمہ ہے۔ پھر لو فرضاً [illegible] ثابت کردیں [illegible] سے خطا ہوئی [illegible] ماننا پڑیگا کہ قرآنی مسیح انجیلی مسیح سے افضل ہے۔ اور اس حالت میں بھی آپ قرآنی مسیح کی فضیلت تسلیم کرینگے اور ہمارا مقصود یہی ہے۔"

مسٹر اکبر مسیح کے اس قول کا جواب بھی ہمارے بیان سابق اور لاحق سے مسٹر اکبر مسیح اور دیگر ناظرین کو خیال میں آجائیگا۔ اور معلوم ہوگا کہ جس مسیح کی فضیلت کے مدعی مسٹر اکبر مسیح ہیں اس کی فضیلت نہ قرآن سے ثابت ہوتی ہے نہ انجیل سے۔ اور جس قرآنی مسیح کی فضیلت قرآن تسلیم کرتا ہے وہ محل بحث و نزاع نہیں ہے۔ نہ ہم کو اس کی فضیلت کے ثبوت سے انکار اور نقصان ہے۔ اور نہ مسٹر اکبر مسیح کو اوس کی فضیلت کے ثبوت کا دعوے اور نہ اس سے کچھ فائدہ۔ وہ مسیح تو ہم مسلمانوں کا مسیح ہے اسکی فضیلت ثابت ہونے سے ہمارا ہی فائدہ ہے وہ عیسائیوں کا مسیح نہیں ہے کہ اسکی فضیلت ثابت ہونے سے انکا فائدہ ہو۔

قرآنی مسیح ہم اُس مسیح کو سمجھتے ہیں جس کے محامد و کمالات قرآن کریم نے بیان کئے ہیں۔ اور اون پر منزل انجیل شریف کے حق میں ”ھدی و نور“ فرمایا ہے۔

انجیلی مسیح ہم اس مسیح کو سمجھتے ہیں جس کے اقوال و حالات و تعلیمات موجودہ اناجیل اشخاص اربعہ (متی۔ مرقس۔ لوقا۔ یوحنا۔) میں منقول ہیں۔ اور اوسکو ان اناجیل اور اوس کے حواریوں نے مصلوب و ملعون* قرار دیا ہے۔

قرآنی مسیح کو ہم اہل اسلام مقدس نبی اور منجملہ الوالعزم رسل ایک عالی درجہ کا رسول جانتے ہیں اور اون پر یا اون کی مانند اور اولوالعزم رسولوں پر خاتم المرسلین کو ایسے طور پر ترجیح دینا جس سے اون کی توہین و تنقیص شان لازم آوے۔ جایز نہیں سمجھتے۔ کیونکہ خاتم المرسلین نے خود اپنی زبان ور افشان سے یہ حکم دیا ہوا ہے۔ کہ انبیاء میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت میں ترجیح نہ دو۔ اور نیز آپ نے فرمایا [illegible] کہ یہ کہدے کہ میں یونس بن متی سے بہتر ہوں۔ جس کے معنے کرمانی وغیرہ محدثین نے یہی بیان کئے ہیں کہ ایسے طور پر ایک کی فضیلت بیان نہ کرو جس سے دوسرے کی منقصت شان لازم آوے۔

> قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تفضلوا بین الانبیاء۔ وقال لا ینبغی لاحد ان یقول انا خیر من یونس بن متی (صحیح بخاری صفحہ ۳۸۵) قلت معناہ لا تفضلوا بعضاً بحیث یلزم منہ نقص المفضول۔ (کرمانی شرح بخاری)

اس قرآنی مسیح پر ہم آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی عصمت میں ترجیح صرف اس قدر (جس سے حضرت مسیح کی منقصت شان و توہین ہرگز لازم نہیں آتی) بیان کرسکتے ہیں۔ اور اس سے زیادہ کی اجازت نہیں پاتے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی عصمت و حفاظت کا خدا تعالےٰ

* صفحہ ۲۲۹ ملاحظہ ہو۔

نے جسقدر اہتمام کیا ہے۔ اور اوسکا ذکر اپنی مقدس کتاب قرآن کریم میں فرمایا ہے اور اوسکے اثر و نتیجہ سے ہمکو آگاہ کردیا ہے۔ اسقدر اہتمام عصمت وحفاظت حضرت مسیح کا نہیں کیا۔ اور نہ قرآن میں اسکا ذکر فرمایا۔ اور نہ اوس کے اثر سے ہم کو آگاہ کیا ہے۔ اس اہتمام اور اسکے نتیجہ واثر کا ذکر ان آیات میں پایا جاتا ہے۔ جن کو منکرین عصمت آنحضرت دلیل عدم عصمت سمجھتے ہیں۔ اور ہمنے ان آیات کے جوابات وتشریحات میں یہ ثابت کردیا ہے۔ کہ وہ آیات آنحضرت کی عصمت کے دلائل ہیں نہ نفی عصمت کے۔

مثلاً آنحضرت نے بعض اشخاص کو لڑائی سے ہٹ رہنے کی بے موقعہ اجازت دی تو اوسپر آپ کو فوراً اطلاع ہوئی۔ تاکہ آئندہ ایسا نہ ہو۔ (صفحہ ۱۴۳ دیکھو)۔ ایک نابینا کے بے موقعہ سوال پر آپ نے مُنہ پھیر لیا۔ تو اوس سے جھٹ روکا گیا۔ (صفحہ ۱۵۱ وغیرہ دیکھو)۔ فقراء صحابہ کو اغنیاء کفار کے وقت میں آنے سے روکنا چاہا۔ تو حکم نازل ہوا [illegible] (صفحہ ۱۴۸ وغیرہ دیکھو) [illegible] بے جا درخواست کو منظور کرنے سے پہلے ہی آپ کو اس سے روکا گیا۔ (صفحہ ۱۳۹ دیکھو) ابیرق کی[1]

[1] اسکا ذکر آگے رسالہ میں نہیں ہوا۔ اسکا مختصر حال یہ ہے۔ کہ ابیرق کی بیٹے طعمہ یا بشیر نے ایک شخص کی زرہ چورائی۔ پھر ایک یہودی کے ذمہ لگا دی۔ اوس کے لوگوں نے چاہا کہ ہم اسکی برأت وصفائی کی شہادت دیکر آنحضرت کو اسکا حامی بنائیں۔ آنحضرت نے اون کی شہادت پر حمایت کا ارادہ کیا تو فوراً اس آیت کا نزول ہوا۔ انا انزلنا الیک الکتب بالحق لتحکم بین الناس بما اراک اللہ ولا تکن للخائنین خصیما (نساء۔ ع ۱۶-) یعنی ہمنے تیری طرف کتاب حق کے ساتھ اسلئے اوتاری ہے کہ تو خدا کی فہمائش سے لوگوں میں حکم کرے۔ پس تو خیانت والوں کا حمایتی نہ بن جایو۔ یہ قصہ عامہ تفاسیر میں ہے۔ اور کتب حدیث سے جامع ترمذی میں بصفحہ (۱۴۴) ہے مفسرین نے نام چور کا طعمہ بتایا ہے۔ ترمذی نے بشیر +

بعض اولاد کی بے جا حمایت کرانا۔ اوس کی قوم نے آپ سے چاہا۔ تو علے الفور اُس سے روک دیا گیا۔ اسی طرح ہمیشہ آپ کی حفاظت و عصمت ہوتی رہی۔ اور کسی غلطی یا خطاء پر آپ کو قیام نہیں ہوا۔ اور نہ کسی نے اس میں آپ کا اقتداء کیا۔ یہانتک کہ آپ کا دین آپ کا عمل آپ کی ہدائیت آپ کا طریق غلطی و خطا سے پاک اور خالص مخلص ہو گیا۔

اور یہ بات ظاہر ہے۔ اور بضمن تمہید معنے عصمت بیان ہو چکی ہے۔ کہ بُری چیز کی بُرائی پر آگاہ کرنا۔ اور اچھی چیز کی اچھائی بتاتے رہنا عصمت کے قوی ذرائع اور عمدہ وسائل و اسباب سے ہے۔

اس دائمی تادیب و حفاظت و صیانت و ہدائیت کے ساتھ آپ کو ہر وقت توبہ و استغفار کی خدا کی طرف سے ہدائیت ہوتی رہتی۔ و دن رات آپ کی اس میں گذرتی جس سے ہر ایک لغزش و خطا سے آپ کی اور بھی صفائی و پاکی عمل میں آئی جس کا اثر و نتیجہ وہ ظاہر ہوا۔ جو آیات مندرجہ ذیل میں بیان ہوا ہے۔

(۱) انک لعلی ھدی مستقیم (الحج ع ۹)	(۱) بلا ریب تو سیدھی راہ پر ہے (یعنے جس حکم و ہدائیت پر ہم نے تجھے قائم کر دیا ہے۔ روکا ٹوکا نہیں۔ وہ سیدھی راہ ہے اس میں ذرہ بھر کجی و خطا نہیں۔
(۲) انک لتھدی الی صراط مستقیم	(۲) بے شک تو سیدھی راہ کیطرف لوگوں کو ہدائیت کرتا ہے۔
(۳) انک لتدعوھم الی صراط مستقیم (المؤمنون ع ۴)	(۳) اس میں شک نہیں کہ تو سیدھی راہ کی طرف لوگوں کو بلاتا ہے۔
(۴) انک علی الحق المبین (النمل ع ۶)	(۴) یقیناً تو ایسے حق پر ہے۔ جسکا حق ہونا ظاہر ہے۔ یعنے اسمیں خطاء کا اشتباہ نہیں۔

(۵) وانزل اللہ علیک الکتٰب والحکمۃ وعلمک مالم تکن تعلم و کان فضل اللہ علیک عظیماً۔ (نساء ع ۱۔)

(۵) خدا نے تجھ پر کتاب اوتاری اور تجھے حکمت (دین کی دانشمندی) عطا کی اور وہ کچھ سکھایا جس کا تجھے علم نہ تھا۔ اور تجھ پر خدا کا بڑا ہی فضل ہے۔

(۶) من یطع الرسول فقد اطاع اللہ (نساء ع ۱۱۔)

(۶) جس نے رسول کا کہا مانا۔ خدا کا مانا۔ (یعنے اس لئے کہ وہ خدا ہی کا کہا کہتا ہے۔)

(۷) واطیعوا اللہ واطیعوا الرسول وان تطیعوہ تھتدوا۔ (نور ع ۷۔)

(۷) خدا کا۔ اور رسول کا کہا مانو (یعنے وہ ایک کہتا ہے) اگر منہ پھیروگے تو رسول کے ذمہ ہے جو اس پر رکھا گیا۔ اور تمہارے ذمہ ہے جو تم پر رکھا گیا۔ رسول کا کہا مانوگے تو راہ پاؤگے (یعنے اس لئے کہ اوس میں خطا نہیں)

(۸) بل جاء بالحق وصدق المرسلین (والصافات ع ۲۔)

(۸) وہ (رسول) ایسے احکام لایا ہے جو حق ہیں۔ اور وہ پہلے رسولوں کی (اصول احکام میں) تصدیق کرتا ہے۔

(۹) وما اتاکم الرسول فخذوہ (الحشر ع ۱)

(۹) رسول جو تم کو (حکم یا اور جو کچھ) دے۔ اوس کو قبول کرو۔ (یعنے اسلئے کہ وہ خدا کی طرف سے ہے۔)

(۱۰) ما ضل صاحبکم وما غوی وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی علمہ شدید القوی (نجم ع ۱)

(۱۰) تمہارا صاحب (رسول) بہکا نہیں اور نہ بے راہ چلا۔ اور وہ اپنی خواہش سے (احکام دین میں) کچھ نہیں بولتا۔ (جو وہ کہتا ہے) وہ ہمارا حکم ہے۔ جو اوسکو پہنچتا ہے۔ جس کو اسے مضبوط قوتوں والے

(خدا ہی نے سکھایا ہے۔ یعنے اسمیں خطا کا دخل نہیں)

(۱۱) وما تنزلت به الشیاطین (الشعراء ع - ۱۱ -)

(۱۱) اس قرآن کو شیاطین نے نہیں اتارا (یعنے اسمیں انکا دخل نہیں)

(۱۲) ان ولیی اللہ الذی نزل الکتب وھو یتولی الصالحین (اعراف ع ۲۴)

(۱۲) (تو کہدے) میرا حمایتی و مربی و ہادی وہ اللہ ہے جس نے اس کتاب کو اوتارا - اور وہی سب نیک بندوں کا متولی ہے۔

(۱۳) النبی اولی بالمؤمنین من انفسھم (احزاب - ع - ۱)

(۱۳) نبی مسلمانوں کی اپنی جانوں سے اون پر حکم کرنے کا زیادہ حق رکھتا ہے (کیونکہ اوس کے حکم میں خطا کی آمیزش نہیں - اور وہ اون کی جان سے بڑھ کر خیر خواہ ہے۔

(۱۴) ھو الذی ارسل رسوله بالھدی و دین الحق لیظھرہ علی الدین کله ولو کرہ الکافرون (توبہ - ع ۵ -)

(۱۴) وہ خدا ہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت دین اور حق کے ساتھ بھیجا ہے - تاکہ اوسکو - اور سب دینوں پر غالب کرے اگرچہ کافر (اس سے) ناخوش ہوں۔

(۱۵) یا اھل الکتب قد جاء کم رسولنا یبین لکم کثیرا مما کنتم تخفون من الکتب و یعفو عن کثیر قد جاء کم من اللہ نور و کتاب مبین (مائدہ - ع - ۳ -)

(۱۵) کتاب والو! تمہارے پاس ہمارا رسول پہنچا جو تم کو تمہارے بہت چھپائے ہوئے (احکام) بتاتا ہے اور بتیری باتوں سے درگذر کرتا ہے - بیشک تمہارے پاس نور (یہی رسول) پہنچا - اور کتاب بیان کرنے والی (قرآن)

(۱۶) انا نحن نزلنا الذکر وانا له

(۱۶) اس ذکر (قرآن) کو ہم نے ہی

لحافظون (حجر - ع - ۱)	اُتارا اور ہم ہی اوس کے نگہبان ہیں (اس سے

کہ اوس میں ایک حکم یا نقطہ کا تغیر ہو)

(۱۷) ھوالذی نزل علی عبدہ اٰیات بینٰت لیخرجکم من الظلمات الی النور - (حدید - ع -)	(۱۷) وہی ہے جس نے اپنے بندہ پر کھلی (روشن) آیتیں اتاری ہیں تاکہ وہ تمکو اندھیروں سے اُجالے کیطرف نکالے -
(۱۸) یاایھا النبی انا ارسلناك شاھدا ومبشرا ونذیرا داعیا الی اللہ باذنہ وسراجا منیرا - (احزاب - ع - ۳ -)	(۱۸) اے نبی ہم نے تجھے (دوسرے نبیوں کے لئے گواہ) اور ایمان والوں کے لئے خوشخبری سُنانے والا اور (منکروں کو عذاب سے) ڈرانے والا

اور خدا کے حکم سے اس کی طرف (لوگوں کو) بلانے والا - اور ایک روشنی دینے والا چراغ بنا کر بھیجا ہے -

(۱۹) انا فتحنا لك فتحا مبینا لیغفر لك اللہ ما تقدم من ذنبك وما تاخر ویتم نعمتہ علیك و یھدیك صراطا مستقیما (فتح - ع)	(۱۹) ہم نے اس لئے تجھے فتح نصیب کی ہے - کہ تیرے اگلے پچھلے خطا سب معاف ہوں (اور تو اون سے پاک ہو) اور تجھ پر مہربانی پوری ہو - اور تجھے سیدھی

راہ پر (جسمیں ذرہ بھر خطاء وکجی نہ ہو) وہ چلادے -

(۲۰) عسی ان یبعثك ربك مقاما محمودا - (بنی اسرائیل - ع - ۹ -)	(۲۰) (تو امید رکھ کہ تجھے تیرا رب ایک ایسے مقام میں کھڑا کرے گا جس میں -

(سب لوگ) تیرے (شکریہ میں) تعریف کرینگے (یعنے مقام شفاعت جو اس عصمت کا آخری پھل ونتیجہ ہے)

اس مضمون کی آیات قرآن میں صدہا ہیں مگر اختصار کی نظر سے

ان آیات کے ذکر پر اکتفا کیا گیا - یہ آیات نص قاطع ہیں - کہ آنحضرت سراپا عصمت
و نور و ہدائیت وحق استقامت تھے - خطا کا ان میں دخل و شائبہ نہ تھا - خداتعالے
خود آپ کا متولی و حمائیتی و محافظ رہا - اور اس حمائیت حفاظت الہی میں دین کو کامل
و مکمل بنا کر وہ خدا کی طرف گئے - اور جب تک دنیا قایم ہے اُنکا دین غالب اور
اون کا قرآن محفوظ و خدا کی عصمت و حمائیت و صیانت و حفاظت میں رہیگا جسکا
یہ اثر اس وقت تک کس و ناکس موافق و مخالف نے دیکھ لیا - کہ اس قرآن کے لاکھوں
حفاظ ہیں - ایک لفظ یا شوشہ میں کوئی غلطی یا اشتباہ ڈالنا چاہے - تو ڈال نہیں سکتا
اس کے مقابلہ میں ہم حضرت مسیح کی عصمت اور اون کی انجیل کی حفاظت کے
اہتمام کی طرف نظر کرتے ہیں - تو باوجود اس امر کے کہ قرآن میں حضرت مسیح کے
حالات و صفات و مقالات مصرحاً و مشرحاً منقول و موجود ہیں - اس میں اہتمام
حفاظت و عصمت مسیح کا کہیں ذکر و نام و نشان نہیں پاتے - اس سے ہمارا مقصود
یہ نہیں کہ خداتعالے اون کی حفاظت و حمائیت عصمت و صیانت میں اہتمام نہ کرتا
تھا - بلکہ صرف یہ مقصود ہے کہ اون کے حق میں اہتمام کا قرآن میں ذکر نہیں - لہذا
اس اہتمام کے ذکر سے آنحضرت کو حضرت مسیح پر ترجیح ہے -

ہاں یہ بات ہم ضرور کہتے ہیں - اور اوسکے کہنے کی قرآن سے اجازت
پاتے ہیں کہ خداتعالے نے اگلی کتاب انجیل کی اور اون کتابوں کی جو اون سے پہلے
تہیں - اور اون کی دست آویز تہیں - حفاظت اپنے ذمہ نہیں لی - اور نہ اون کی
حفاظت کی - بلکہ وہ حفاظت اون ہی لوگوں کے ذمہ پر ڈال دی - جو اس کتاب
کے محافظ نبی ہوئے تھے - چنانچہ آیت منقولہ حاشیہ میں توریت کی حفاظت
اون کے سپرد ہونے کا ذکر ہے -
ایسا ہی کتاب استثناء کے باب ۴ -

انا انزلنا التوراة فیها هدی ونور
یحکم بها النبیون الذین اسلموا

للذین ھادوا والربانیون والاحبار بما استحفظوا من کتاب اللہ (مائدہ - ع - ۷) آیت ۲ - و باب ۱۲ - آیت ۳۲ - میں ذکر ہے - و مکاشفات باب ۱۲ - آیت ۱۸ - وغیرہ میں انجیل کی حفاظت ان کے سپرد ہونے کا ذکر ہے -

اور واقعہ اور نفس الامر بھی اس حفاظت الٰہی کے اٹھائے جانے پر شاہد ہے - ایک مدت سے روئے زمین پر اصلی و محفوظ انجیل منزل من جانب اللہ کا نام و نشان نہیں ہر جو انجیل موجود ہے وہ حضرت عیسی کے بعد اوروں کی تصنیف ہے - سو بھی اکثر تراجم ہیں جنمیں ہمیشہ بدلیاں ہوتی رہتی ہیں - اور ان میں تحریفیں واقع ہوتی ہیں - جن کو انجیل والوں نے دبی زبان سے اور کاتب غلطی کے نام سے مان لیا ہوا ہے - بعض انجیلوں (متی کی انجیل) کی اصلیت صفحہ ہستی سے ایسی محو ہوئی ہے - کہ اوس کی اصل زبان عبرانی کا کہیں پتہ نہیں اور یہ جو موجود عبرانی ہے یونانی کا ترجمہ ہے - اور مترجم کا پتہ نہیں کہ کون تھا -

اس اجمال کی تفصیل مولوی رحمت اللہ صاحب مرحوم کی کتابوں اعجاز عیسوی وغیرہ میں ہے - اور ہمارے اشاعۃ السنہ نمبر ۹ جلد ۱۱ صفحہ ۲۶۶ میں بھی کسی قدر اسکا ذکر ہے -

اس موقعہ پر عیسائی مسلمانوں کو یہہ کہتے ہیں کہ اگر ہماری انجیل اصلی نہیں تو تم بتاؤ اصلی کہاں ہے -

یہ سوال اُن کا عجیب سوال ہے - اور واب مناظرہ سے ناواقف ہونے پر مبنی ہے - وہ یہ نہیں جانتے کہ بار ثبوت مدعی پر ہوتا ہے - نہ منکر پر - مدعی وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ یہہ انجیل وہی ہے - جسکا مسیح پر نازل ہونا قرآن کی اس آیت میں وقفینا علیٰ اثارھم بعیسی ابن مذکور ہے - جسکا ترجمہ یہہ ہے - کہ ان

مریم مصدقاً لما بین یدیہ من التوراۃ واتیناہ الانجیل فیہ ھدی ونور (مائدہ ع ۷)	نبیوں کے پیچھے ہم نے عیسٰے بن مریم کو بھیجا توراۃ کو جو اوس کے آگے تھی سچا کرنے والا اور ہم نے اوس کو

انجیل دی جسمیں ہدایت و نور ہے۔

مسلمان اس دعوے کے منکر ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ یہ انجیل بعینہ وہ نہیں ہے جو مسیح پر اوتری تھی۔ بلکہ یہ متی وغیرہ کی تصنیف انجیل ہے۔ چنانچہ یہ انجیل خود ناطق وشاہد ہے۔ اس میں شائد اصلی انجیل کا کوئی ورس ہو۔ اس انکار کے مقابلہ میں عیسائیوں کا یہ کہنا کہ یہ انجیل اصلی نہیں۔ تو اصلی انجیل تم نکال کر دکھاؤ۔ خلاف عقل و داب مناظرہ ہے۔

مسلمان اس انجیل کے محافظ و پیرو ہوتے۔ اور اس انجیل کو اپنا دستور العمل بنانے کے خدا کی طرف سے مامور ہوتے۔ تو اوسوقت وہ اس سوال کا محل ہوسکتے۔

مسلمانوں کا توریت و انجیل کی پیروی کرنا قرآن ہی کے ذریعہ سے اور اوس کے ضمن میں ہے۔ لہذا مسلمانوں کی انجیل بھی قرآن ہے۔ اون کی توریت یہی قرآن ہے۔ اون کی زبور بھی قرآن ہے۔ وعلے ہذالقیاس مسلمانوں کے پیش کردہ ونشان دادہ انجیل کو ماں لینا ہو تو اسی قرآن کو انجیل مان لو۔

اگر انجیل کی عدم حفاظت اور بمقابلہ اسکے قرآن کی حفاظت پر کسی کے دلمیں یہ اعتراض پیدا ہو۔ کہ یہ سب کتابیں خدا کی طرف سے نازل ہوئی تھیں۔ تو خدا نے ان سب کی حفاظت یکساں کیوں نہ کی تو اسکا جواب وہ اشاعۃ السنہ نمبر ۵ جلد ۱۱ کے صفحہ ۱۴۳ وغیرہ میں دیکھ لے۔ اسکا خلاصہ یہ ہے۔ کہ یہ قدرتی امر ہے اسکا جواب ہمارے ذمہ نہیں ہے۔ وھذا اس قدر کہا جاسکتا ہے۔ کہ قرآن کے بعد کوئی کتاب آسمانی اور آنحضرت کے بعد کوئی نبی آنے والا نہ تھا۔ اور اس

دین محمدی کو قیامت تک قائم و مستقیم رکھنا خدا کو منظور تھا - اس لئے اوس کی حفاظت کو خدا نے اپنے ذمہ لے لیا - اور توریت و انجیل کے بعد قرآن اور آنحضرت کو بھیجنا خدا کے علم مقدر و مقرر تھا - اس لئے خدا تعالے نے اون کی حفاظت کو اون لوگوں نے سپرد کیا - اپنے ذمہ نہ لیا - (جیسے کوئی حاذق حکیم کسی بیمار کا علاج ایک نسخہ سے عارضی طور پر چند روزہ کرنا چاہتا ہے - اور اسکے بعد دوسرے نسخہ عمدہ اور دائم الاثر سے علاج کا ارادہ رکھتا ہے - تو اس پہلے نسخہ کی حفاظت کا چنداں اہتمام نہیں کرتا - اس اصول کے مطابق خدا تعالے نے حفاظت کتب مذکورہ کا اہتمام خود نہ کیا اون ہی لوگوں کے سپرد کیا - پھر جب اُنہوں نے حفاظت میں قصور کیا تو اس قصور کی اصلاح کے لئے قرآن مجید اور آنحضرت کو بھیجدیا - جو ان کتابوں پر خدا کی طرف سے محافظ و قاضی و حاکم و مصلح ہو کر آئے -

آنحضرت اور قرآن کے اس منصب کی بابت آیات ذیل خبر دیتی ہیں -

ان ہذا القرآن یقص علی بنی اسرائیل اکثر الذی ہم فیہ یختلفون (النمل - ع - ۶)

ایک آیت میں ارشاد ہے - یہ قرآن بنی اسرائیل کے اکثر اختلافات (جو کتاب کے احکام میں تصرف کرکے وہ کر رہے ہیں) فیصلہ کرتا ہے - (یعنے حق ظاہر کرتا ہے)

ایک آیت میں ارشاد ہے - ہم نے تجھ پر کتاب اوتاری ہے - سچی کرنیوالے

وانزلنا الیک الکتب مصدقا لما بین یدیہ ومہیمنا علیہ فاحکم بینہم بما انزل اللہ الیک ولا تتبع اہواءہم عما جاءک من الحق وان احکم بینہم بما انزل اللہ

اون کتابوں کو جو اُسکے آگے ہیں (یعنے اون کے احکام کو جو تصرف سے محفوظ ہیں) اور اون کی محافظ ہے - پس تو ان ہی احکام کی پیروی کر جو تیری طرف اوتاری گئی ہیں - اور حق چھوڑ کر لوگوں کی

ولاتتبع اھواءھم واحذرھم ان یفتنوك عن بعض ما انزل اللہ الیك فان تولوا فاعلم انما یرید اللہ ان یصیبھم ببعض ذنوبھم وان کثیرا منھم لفاسقون۔ (مائدہ ع ۷)

خواہش پر نہ چل ان میں اس حکم کو جاری کر جو خدا نے اوتارا ہے۔ اور جو انہوں نے اپنی خواہش سے بنا لئے ہیں۔ انکی پیروی نہ کر اور اس سے بچ جا۔ کہ وہ تجھے خدا کے اُتارے ہوئے احکام سے بچلاویں یہ لوگ منہ پھیر لیں تو جان رکھ کہ خدا اون کو بعض گناہوں کی سبب مصیبت پہنچانا چاہتا ہے۔ اور اُن میں بہتیرے خدا کے حکم برداری سے خارج ہیں۔

دوسری آیت کی تفسیر میں امام رازی نے کہا ہے۔ "مہیمن" کے

قال الخلیل وابو عبید یقال قد ھیمن الرجل [illegible] علی الشئ وشاھدا علیہ ومحافظا قال حسان۔ ان الکتب مھیمن لنبینا۔ الحق یعرفہ ذووالالباب۔ (کبیر صفحہ ۶۰۸ جلد ۳)

معنے رقیب اور گواہ اور محافظ کے [illegible] رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے آنحضرت کی صفت میں کہا ہے۔ کہ خدا کی کتاب اوس کی مہیمن یعنے محافظ ہے۔ اور حق کو صاحبان عقل پہچانتے ہیں۔

تفسیر معالم التنزیل میں کہا ہے۔

قال سعید بن المسیب والضحاك قاضیا وقال الخلیل رقیبا وحافظا والمعانی متقاربۃ ومعنی الکل ان کل کتاب یشھد بصدقہ القرآن فھو کتاب اللہ والا فلا (معالم ص۲۶۴)

سعید بن المسیب اور ضحاک تابعیوں نے کہا ہے مہیمنا کے معنے قاضی کے ہیں۔ خلیل نے کہا اسکے معنے رقیب اور نگہبان کے ہیں۔ یہ سب معانی قریب قریب ہیں۔ اور ان سب کے معنے یہ ہیں۔ کہ جس حکم ان کتابوں کی قرآن

تصدیق کرتا ہے۔ وہ حکم کتاب اللہ ہے نہیں۔ تو نہیں۔

پہلی آیت کی تفسیر میں فتح البیان میں کہا ہے۔ کہ اہل کتاب آپس میں متفرق ہوگئے اور گروہ گروہ بن گئے (مثلاً کوئی مسیح کو خدا کہتا ہے (جیسے پروٹسٹنٹ رومن کیتھلک وغیرہ) کوئی صرف بندہ و رسول (جیسے یونی ٹیرین) اور ایک دوسرے کو طعن کرتا ہے۔ اور وہ اس سے بیزار ہے۔ یونی ٹیرین دوسرون کو مشرک کہتے ہیں۔ وہ اون کو کافر قرآن اترا تو اوس نے حق حق بیان کردیا۔ کہ مسیح خدا کا بندہ ہے۔ اور رسول۔ اگر وہ اس قرآن کو تھام لیں اور مان لیں تو اس سے ان کا اختلاف و تفرقہ دور ہو جائے۔

وذلک لان اھل الکتب تفرقوا فرقا وتحزبوا احزابا یلعن بعضھم علی بعض ویتبرء بعضھم من بعض فنزل القران مبینا لما اختلفوا فیہ من الحق فلو اخذوا بہ لوجدوا فیہ ما یرفع اختلافھم ویدفع تفرقھم (فتح البیان صفحہ ۲۲۵ جلد ۳۔)

ان آیات سے بنا بر بیان مفسرین صاف ثابت ہے کہ قرآن پہلی کتابوں کی غلطیوں کی اصلاح کرنے والا ہے۔ اور اون پر قاضی و حاکم و رقیب ہے۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اس قوم کے مصلح و ریفارمر تھے۔ جو خدا کی طرف سے نبی ہو کر آئے۔ اور تصحیح اغلاط توریت انجیل اور اصلاح فساد یہود و نصاریٰ کیلئے ایک جامع اور ہمیشہ کے لئے کار آمد نسخہ قرآن مجید لائے۔ اس وجہ سے پہلی کتابوں کی حفاظت کو خدا تعالےٰ نے اپنے ذمہ نہ لیا تھا۔ آنحضرت کے مصلح ہونے کو محققین و منصفین اہل کتاب بھی مان چکے ہیں۔ اور صاف لکھ چکے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم دین عیسوی کے مصلح و ریفارمر تھے۔ ان کے اقوال کی تفصیل چاہو تو اشاعۃ السنہ نمبر ۵ جلد ۱۱ میں بصفحہ ۱۳۵ و ۲۷۶ دیکھو۔ اور ایک بڑی عجیب اور مخاطبین

پر مؤثر شہادت مسٹر اکبر مسیح کا وہ قول یہی ہے جو صفحہ (۲۱ وغیرہ) گذر چکا ہے۔ اور اسمیں اُنہوں نے تسلیم کیا ہے۔ کہ آنحضرت بڑے بھاری اور کار آمد مصلح تھے۔ اس قول میں جو مسٹر اکبر مسیح قرآن کو صرف انتخاب بیبل بتایا ہے۔ وہ اونکی کوتاہی نظر کا قصور ہے۔ وہ ان آیات کو جو ہم نے نقل کی ہیں پڑھتے اور ان جدید اصلاحوں کو جو احکام ان کتابوں کی نسبت آنحضرت سے عمل میں آئی ہیں غور سے دیکھتے تو قرآن کو خلاصہ بیبل نہ بتاتے۔ بلکہ ان کتابوں تکملہ کہتے۔ اور آنحضرت کو اُستاد مانتے نہ شاگرد۔

یہ قرآنی مسیح پر آنحضرت کی ترجیح کا بیان ہے۔ اب ہم انجیلی مسیح کی طرف متوجہ ہوتے ہیں

انجیلی مسیح پر آنحضرت کی عصمت میں ترجیح

اس عنوان سے [illegible] خاتم المرسلین کے مقابلہ میں انجیلی مسیح کا نام لینا۔ ایک گستاخی معلوم ہوتی ہے۔ مگر مخالفین کی فہمائش و ہدائیت کے لئے مجبور ہو کر اسکی جرأت کرتے ہیں۔

انجیلی مسیح کا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے عصمت میں ہم موازنہ کرتے ہیں۔ تو ہم کو آسمان و زمین کا فرق نظر آتا ہے۔ اور بلا اختیار کہنا پڑتا ہے ؎

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

سید المعصومین ختم المرسلین کی عصمت کا حال تو ناظرین دیکھ چکے ہیں۔ اب انجیلی مسیح کی عصمت کا نمونہ دیکھ لیں۔

نمونہ کا لفظ ہم نے اسلئے کہا ہے کہ اس کی تفصیل کی جو صرف انجیل سے ہو سکتی ہی لکھ کر قبل از اتمام بحث قرآن مسٹر اکبر مسیح کیطرف سے ہم کو اجازت نہیں۔ لہذا بطور مشتے نمونہ خروارے یکے از ہزار صرف دو تین مثالیں ذکر کرتے ہیں۔ آپ نے جو کچھ موجود

انجیلوں میں سکھایا اور بتایا۔ اس میں خطا سے کام لیا۔ حق و صواب تو اوس میں

ایسا نظر آتا ہے۔ جیسا سفید رنگ بیل "کشعرۃ سوداء فی جلد ثور ابیض"

کی کھال میں ایک سیاہ بال ہوتا ہے۔

(۱) اپنے خدا پر ایمان سکھایا۔ تو خدا تعالےٰ کو باپ اور اپنے آپ کو بیٹا کہہ کر سکھایا۔ جسکا نتیجہ یہ ظاہر ہوا۔ کہ کروڑوں بلکہ بیشمار مخلوقات نے اون کو ون اوت تھری ایکل گاڈز یعنے تین مساوی درجہ کے تین خداؤں میں سے ایک خدا سمجھ لیا۔ اور خدا کی توحید کو جو پہلی کتابوں نے سکھلائی تھی چھوڑ کر شرک اختیار کر لیا۔ اکثر عیسائی فرقے رومن کیتھلک پروٹسٹنٹ اس تثلیث میں مبتلا ہیں۔ از انجملہ اس شرک سے بچے ہیں تو مٹھی بھر یونی ٹیرین بچے۔ یہ غلطی و خطا ایسی ہے جسکے مرتکب مسیح نہ ایک بار نہ دو بار نہ دس بار نہ سو بار ہوئے۔ بلکہ تمام عمر اس میں بسر کر گئے [illegible] مصداق نہیں۔

مسٹر اکبر مسیح نے تنقیح الوہیت مسیح کے ضمیمہ میں اسلام اور برہمو ازم میں موازنہ و مقابلہ کرنے کے وقت مسیح کی تعلیم ابوت کو عیسائیت کا کمال قرار دیا ہے ہم اوسکو مسیح تعلیم کے سخت معائب اور نقائص سے شمار کرتے ہیں۔ یہ موقعہ اس امر کی تفصیلی بحث کا نہیں ہے۔ وہ بحث ہم پھر کرینگے۔ اور مسٹر اکبر مسیح کو دکھائیں گے کہ خدا کو باپ اور اپنے آپ کو بیٹا کہنا۔ اس درخت شرک کی جڑہ ہے۔ جسکو مسٹر اکبر مسیح اور دیگر یونی ٹیرین اوکھاڑنا چاہتے ہیں۔ قرآن نے اس جڑہ کو اکھاڑ دیا ہے۔ اور اس لفظ سے جو مقصود بتایا جاتا (یعنے یہ کہ خدا محبت ہے) اوسکی تعلیم کو بھی ہاتھ سے نہیں دیا۔ اور خدا کی محبت و رحمت کو ان الفاظ سے ظاہر کیا۔ ان ربی رحیم ودود۔ یعنے بے شک میرا رب رحم کرنے والا۔ دوست رکھنے والا ہے۔ وھو الغفور الودود یعنے وہ گناہ معاف کرنے والا محبت کرنے والا ہے۔

(۲) انجیلی مسیح نے اخلاق کی تعلیم کی تو یہ بات کہی (متی ۵۔ آیت ۳۸) تم سُن چکے ہو کہ کہا گیا ہے۔ آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت۔ ۳۹۔ پر میں تمہیں کہتا ہوں۔ کہ ظالم کا مقابلہ نہ کرنا۔ بلکہ جو تیری دہنی گال پر طمانچہ مارے۔ دوسرا اوس کی طرف پھیر دے۔ ۴۰۔ اور اگر کوئی چاہے کہ تجھ پر نالش کر کے تیری عبا لے کو رتہ بھی اُسے لینے دے۔ ۴۱۔ اور جو کوئی تجھے ایک کوس بیگار لے جاوے اوس کے ساتھ تو دو کوس چلا جا۔ × × ۴۳۔ تم سن چکے ہو کہ کہا گیا۔ اپنے پڑوسی سے دوستی رکھ۔ اور اپنے دشمن سے عداوت۔ ۴۴۔ پر میں تمہیں کہتا ہوں کہ اپنے دشمنوں سے پیار کر۔ اور جو تم پر لعنت کریں اون کے لئے برکت چاہو جو تم سے کینہ رکھیں اون کا بھلا کرو۔ اور جو تجھے دُکھ دیں اور ستاویں اون کے لئے دعا مانگو۔" اور یہ ایسی تعلیم ہے۔ کہ اُسپر عمل کرنا انسانی فطرت [illegible] مخالف ہے [illegible] کسی [illegible] سے) اسپر عمل ہوا۔ اور نہ آئندہ ہوگا۔

پچھلے اور آئندہ زمانہ کی بات کو جانے دیں اسوقت کے مقدس سے مقدس کسی پادری یا راہب کو عیسائی پیش کریں۔ اور اس کا اس تعلیم پر عمل مشاہدہ کرادیں۔ ہم اوس کے منہ پر ایک طمانچہ مارینگے۔ پھر دیکھیں گے کہ وہ دوسری گال ہماری طرف کا پھیرتا ہے۔ یا ہم کو پولیس کے حوالہ کرانا چاہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس ناقابل برداشت وناممکن العمل تعلیم پر اسوقت بعض عیسائی متردد ہو کر اخباروں میں تحریریں چھپواتے ہیں۔ اور اون کے دوسرے بھائی اون کی آنکھیں پوچھتے ہیں۔

اور یہی وجہ ہے۔ کہ اسوقت عیسائی سلطنتوں کے آئین وقانون میں بھی اس تعلیم پر عمل کا لحاظ نہیں کیا گیا ہے۔ کیا ان سلطنتوں کے ارکان اور

پارلیمنٹ کے ممبروں ہاؤس آف کامنز (عام ممبروں) یا ہاؤس" آف لارڈز (خاص وہ ممبر جو لاٹ کہلاتے ہیں) میں ایک آدمی بھی انجیل کی تعلیم پر ایمان نہیں رکھتا۔

اس تعلیم میں جیسا کہ انجیلی مسیح نے مقتضائے نیچر انسانی کا خلاف کا حکم توریت کا بھی خلاف کیا۔ ومعہذا۔ یہ بھی کہدیا ہے (متی باب ۵۔ آیت۔ ۱۷)۔ یہ خیال مت کرو کہ میں توریت یا نبیوں کی کتاب منسوخ کرنے آیا نہیں منسوخ کرنے کو نہیں بلکہ پوری کرنے کو آیا ہوں۔ (۱۸) کیونکہ میں تم سے سچ کہتا ہوں۔ کہ جب تک آسمان اور زمین ٹل نہ جاویں ایک لفظ یا شوشہ توریت کا ہرگز نہ مٹیگا۔ جب تک سب کچھ پورا نہ ہو۔ پس جو کوئی ان حکموں میں سے سب سے چھوٹے حکم کو ٹال دیوے اور ایسا ہی آدمیوں کو سکھاوے۔ آسمان کی بادشاہت میں سب سے چھوٹا کہلائیگا پر جو کوئی [illegible] کہلائے گا۔ مگر عقلمند خوب جانتے و پہچانتے کہ یہ محض طفل تسلی ہے۔ اور در حقیقت انجیلی مسیح کو توریت کی تعلیم کو منسوخ کرنا منظور تھا۔ جو وقوع میں آگیا۔ توریت کا ایک حکم بھی عیسائی مذہب میں واجب العمل نہیں سمجھا گیا۔ چنانچہ اس امر کو ہم ایک مستقل مضمون میں بیان اور ثابت کریں گے انشاء اللہ تعالےٰ

لہ ذیل میں ہم چند تمثیلات پیش کرتے ہیں جنہیں انجیلی مسیح نے توریت کے احکام کو ٹلایا۔ اور ایک طریق سے اوڑایا ہے۔ از انجملہ حکم طلاق ہے جو استثنا، باب ۲۴۔ آیت ۱ میں عموم کے ساتھ بیان ہوا ہے اس حکم کو انجیلی مسیح نے یوں اڑایا ہے۔ کہ طلاق کو صرف زنا سے مخصوص کیا۔ (دیکھو متی باب ۵ آیت ۳۱ و ۳۲)۔

واز انجملہ حکم تعظیم روز سبت ہے جو خروج باب ۱۶۔ آیت ۲۹ وغیرہ و باب ۲۰۔ آیت ۸ وغیرہ و باب ۳۱۔ آیت ۱۴ وغیرہ و استثنا باب ۵ آیت ۱۲ وغیرہ میں بیان ہوا ہے، کہ اس دن کوئی دنیاوی کام

حضرات! اس حکم توریت کی تکمیل کی ہے تو قرآن کریم نے کی ہے۔ کہ حکم قصاص کو بھی برقرار رکھا۔ تاکہ اس سے ظالموں و بدمعاشوں کو ڈر رہے۔ اور سیاست مدن نہ ٹوٹے اور عفو و مسامحت کی تعلیم کو بھی ہاتھ سے نہیں دیا۔ تاکہ اخلاق و ہمدردی بھی فوت نہ ہو۔ اور صاف فرمایا کہ بدی کے بدلے ویسی ہی بدی

وجزاء سیئة سیئة مثلها فمن عفا واصلح فاجره علی الله۔ (شوریٰ ع ۴)
ولکم فی القصاص حیوة یا اولی الالباب
(بقرہ۔ ع۔ ۱۲۔)
ولا تستوی الحسنة ولا السیئة ادفع بالتی هی احسن فاذا الذی بینك وبینه عداوة کانه ولی حمیم (حٰم السجدہ۔ ع ۵۔)

ہے۔ پر جو معاف کرے اُس کا اجر خدا پر ہے۔ اور فرمایا خون کا بدلہ لینے میں تمہارے لئے زندگی ہے۔ (کہ ظالم اوس کے خوف سے تم کو قتل کریں) اور فرمایا نیکی اور بدی یکساں نہیں۔ برائی کو نیکی سے روک۔ پھر جو تیرا دشمن ہے ۔ وہ گرم جوش دوست بن جائے گا۔

نہ کریں حتے کہ کھانا بھی نہ پکا دیں۔ اس حکم کا خلاف انجیلی مسیح کے شاگردوں نے سبت کے دن لوگوں کے کھیتوں سے بالیں توڑ کر کیا۔ اور اون پر اعتراض ہوا تو انجیلی مسیح نے تین حجتوں سے اس حکم کو اوڑا دیا۔ ایک یہ کہ داؤد نے بھی خدا کے گھر کی روٹیاں کھائیں جو ہمکو جائز نہ تھیں۔ دوم یہ کہ کاہن سبت کے دن ہیکل کی تعظیم نہیں کرتے۔ سوم یہ کہ میں سبت کا بھی مالک ہوں (یعنے جو چاہوں سو کروں۔ متی باب ۱۲۔ آیت ۱ وغیرہ۔ واز انجملہ ہاتھ دہونے کا حکم ہے جو خروج باب ۳۰۔ آیت ۱۹ و ۲۰ و باب ۴۰۔ آیت ۳۰ و ۳۲ میں ہے اور ایسکے مطابق یہودی کھانا کھانیکیوقت ہاتھ دہوتے تھے۔ اس حکم کا خلاف مسیح کی شاگردوں نے کیا اور ناپاک ہاتھوں سے کھانا کھایا تو انجیلی مسیح نے اس حکم کو اس حجت سے اوڑا دیا کہ برے خیال کفر وغیرہ جو دل ہی سے نکلتے ہیں۔ یہی باتیں آدمی کو ناپاک کرتی ہیں۔ بن دہوئے ہاتھ کھانا کھانا آدمی کو ناپاک نہیں کرتا۔ (متی باب ۱۵۔ آیت ۱۹ و ۲۰) واز انجملہ حکم رجم ہے جو استثناء کے باب ۲۲۔ آیت ۲۳ میں ہے مسیح کے سامنے ایک عورت کے واقعہ میں یہ حکم پیش کیا گیا تو اوسکو انجیلی مسیح نے اس حجت سے ٹالا کہ جو تم میں سے بے گناہ ہو وہ اسکو پتھراؤ کرے۔ ان احکام توریت کے نظایر جنکو مسیح نے ٹالا انجیل میں اور بہت ہیں۔ مگر ہم اس مقام میں ان ہی چار تمثیلات کے بیان پر اکتفاء کرتے ہیں۔

(حاشیہ متعلقہ صفحہ ۲۱۰)

اس تعلیم قرآن تعلیم و انجیل کا پورا موازنہ دیکھنا ہو تو ہمارا مضمون قرآن کے اخلاقی تعلیم بمقابلہ انجیل نمبر ۲ جلد ۶ - اشاعۃ السنہ میں دیکھو۔

(۳) انجیلی مسیح نے معجزات دکھائے تو اوس میں عامہ خلائق کے اعتقاد و اخلاق دونوں کو تباہ کر دیا۔ اکثر معجزات دکھلانے کے وقت اس امر کا اظہار نہ کیا۔ کہ میں عاجز بندہ ہوں۔ جو معجزہ دکھاتا ہوں خدا کے اذن و اختیار سے دکھاتا ہوں بلکہ اس میں اپنی حکومت و اختیار کا دعوے کیا۔ بلکہ یہ اختیار اوروں کو بھی بخشدیا اور یہ جتایا کہ بس میں ہی صاحب اختیار ہوں۔ جو چاہوں سو کروں۔ اور جس کو چاہوں صاحب اختیار بنادوں جسکا نتیجہ یہ نکلا کہ ان معجزات اور اس دعوٰے اختیارات سے مشرک عیسائی (پروٹسٹنٹ رومن کیتھلک وغیرہ) اون کا خدا ہونا نکال رہے ہیں۔ اور موحد (یونی ٹیرین) ان کی تاویلیں کرکے اون کو توحید کی طرف [illegible] نہیں نکلتا

اور اگر انجیلی مسیح ہر ایک معجزہ دکھانے کے وقت ایسے کلمات کہتا جنسے اوس کا بندہ ہونا۔ اور خود مختار نہ ہونا ظاہر ہوتا تو یہ شرک کیوں پھیلتا۔

ان معجزات کی جنمیں مسیح نے خود مختاری ظاہر کی ہے بعض تمثیلات تقیہ مضمون عیسائیوں کے جنگ مقدس پر اسلامی رائے میں جو اسی جلد میں شایع ہوا ہے بیان ہوئی ہیں۔ جنسے ڈپٹی عبد اللہ آتھم وغیرہ نے مسیح کا خدا ہونا نکالا تھا۔ اور ہم نے اور مسٹر اکبر مسیح نے اون کی تاویلیں کرکے اون کے استنباط کو غلط قرار دیا تھا۔ اس مقام میں چند تمثیلیں اور ایسی ذکر کی جاتی ہیں جنمیں انجیلی مسیح نے خدا کی سی خود مختاری کا دعوٰے کیا ہے۔

(الف) متی باب ۸ میں ہے (۲) ایک کوڑھی نے آکے اوسے سجدہ کیا۔ اور کہا اے خداوند اگر تو چاہے تو مجھے پاک صاف کر سکتا ہے۔

۳۔ تب یسوع نے ہاتھ بڑہا کے اسے چھوا اور کہا میں چاہتا ہوں تو پاک صاف ہو اور وہیں اوسکا کوڑہ جاتا رہا۔

(ب) اور اوسکے باب ۹ میں ہے۔ ۲۔ اور دیکھو ایک جھولے مارے کو جو چارپائی پر پڑا تھا۔ اس پاس لائے۔ یسوع نے اوسکا ایمان دیکھ کر کہا۔ اے بیٹے خاطر جمع رکھ تیرے گناہ معاف ہوئے۔ ۳۔ اور دیکھو بعض فقیہوں نے اپنے دل میں کہا۔ یہ کفر بکتا ہے۔ ۴۔ یسوع نے اون کے خیال دریافت کرکے کہا تم کیوں اپنے دلوں میں بدگمانی کرتے ہو۔ ۵۔ کیا کہنا آسان ہے۔ یہ کہ تیرے گناہ معاف ہوئے۔ یا یہ کہ اوٹھ اور چل۔ لیکن تاکہ تم جانو کہ ابن آدم کو زمین پر گناہ معاف کرنے کا اختیار ہے۔ اوس نے اوس جھولے مارے سے کہا اوٹھ اپنی چارپائی اوٹھا لے اور اپنے گھر چلا جا۔ وہ اوٹھ کر چلا گیا۔ اور

لوقا باب ۵۔ آیت ۲۱ میں ہے خدا کے سوا کون گناہوں کو معاف کرسکتا ہے

متی باب ۱۰ میں ہے۔ پھر اوس نے بارہ شاگردوں کو بلا کے انہیں قدرت بخشی کہ ناپاک روحوں کو نکالیں۔ اور ہر طرح کی بیماری اور دکھ کو دور کریں۔ ایسا ہی لوقا باب ۵ و ۹ میں ہے۔ اسمیں یہ بھی ہے کہ اونہیں سب شیطانوں پر اختیار بخشا۔

حضرات ناظرین۔ یہاں تو انجیلی مسیح نے اپنے شاگردوں کو اپنی خدائی خود مختاری سے قدرت و اختیار بخشا ہے۔ اور متی باب ۱۷۔ و لوقا باب ۱۷ میں اس بخشش کو جھٹلایا۔ اور اون لوگوں کو جب اون سے ایک دیو نہ نکل سکا بے ایمان قرار دیا۔ اور یہ ثابت کیا کہ وہ بخشش و اختیار واقعہ کے برخلاف تھا اور اس دعوے بخشش اختیار میں آپ سے خطا ہوئی۔

متی باب ۱۷ کی عبارت یہ ہے۔ ۱۸۔ تب یسوع نے دیو کو دہمکایا۔ وہ

اس سے نکل گیا۔ اور وہ چھوکرا اُسی گھڑی چنگا ہو گیا۔ ۱۹۔ تب شاگردوں نے یسوع پاس آکے کہا۔ ہم کیوں نکال نہ سکے۔ یسوع نے اُنہیں کہا۔ اپنی بے ایمانی کے سبب۔ کیونکہ میں سچ کہتا ہوں۔ اگر تمہیں رائی کے دانہ کے برابر ایمان ہوتا تو اگر تم اس پہاڑ کو کہتے کہ یہاں سے وہاں چلا جا تو وہ چلا جاتا۔ اور کوئی بات تمہاری ناممکن نہ ہوتی۔

یہ انجیلی مسیح کے ان معجزات کی تمثیلیں ہیں۔ جن کا عیسائیوں کے ایمان پر شرکیہ اثر ظاہر ہوا ہے۔

اب ایک مثال ایسے معجزات کی بیان کیجاتی ہے جسنے اونکے اخلاق پر اثر کیا ہے۔ اور اس سے انجیلی مسیح کے اخلاق پر بھی دھبہ لگتا ہے۔ یوحنا باب ۲۔ میں ہے۔ اور تیسرے دن قانائے جلیل میں کسی کا بیاہ ہوا۔ اور یسوع کی ماں وہاں تھی۔ اور یسوع اور اوس کے شاگردوں کی بھی اس بیاہ میں دعوت تھی۔ اور جب مے گھٹ گئی یسوع کی ماں نے اس سے کہا۔ کہ اون کے پاس مے نہ رہی۔ ۴۔ یسوع نے اوس سے کہا۔ اے عورت مجھے تجھ سے کیا کام؟ میرا وقت ہنوز نہیں آیا ہے۔ اس کی ماں نے خادموں سے کہا۔ جو کچھ وہ تمہیں کہے سو کرو۔ ۶۔ اور وہاں پتھر کے چھ مٹکے طہارت کے لئے یہودیوں کے دستور کے موافق دھرے تھے۔ اور ہر ایک میں دو یا تین من کی سمائی تھی۔ ۷۔ یسوع نے اُنہیں کہا۔ مٹکوں میں پانی بھر دو۔ سو اُنہوں نے اون کو لبالب بھرا۔ ۸۔ پھر اوس نے اونہیں کہا۔ کہ اب نکالو۔ اور مجلس کے سردار پاس لیجاؤ اور وے لیگئے۔ ۹۔ جب میر مجلس نے وہ پانی جو مے بن گیا تھا چکھا۔ الخ

اس معجزہ انجیلی مسیح کا پہلا اخلاقی اثر تو یہ ہوا۔ کہ آپ خود بذاتہ اس شراب سے نہ بچ سکے۔ اور اپنے وقت میں اپنے معاصرین سے شرابی کا خطاب

پاسے دلوقا پہ ۲ ملاحظہ ہو۔)

آپ نے اس موقعہ پر اور اون کے لئے معجزہ سے شراب بنا دی تو ضروری تھا کہ آپ خود بھی اس معجزہ اور آسمانی برکت کے اثر سے فیضیاب ہوتے۔ اور خدا کی دی ہوئی پاک شراب نوش جان فرماتے۔ اور چونکہ آپ اون شراب خواروں کے مدعو تھے۔ اور اون کے اس فعل شراب خواری کے ممد ومعاون تھے۔ اور اون کی شراب گھٹ گئی تو اون کی والدہ ماجدہ نے سفارش کی آپ نے انکی سفارش تو روکھے اور پھیکے جواب سے رد کر دی۔ اور اس جواب میں والدہ ماجدہ کی سخت بے تعظیمی کی ہے (چنانچہ صفحہ (۲۲۵) میں مفصل بیان ہوگا۔) مگر اون کے لئے معجزہ سے شراب بنا دی۔ اس سے بھی بحکم اس انگریزی مثل مشہور کے۔ اِمین ازنون بائی ہز کمپنی۔ یقین ہوتا ہے کہ آپ خود بھی [illegible] نوش جان [illegible] ہوں گے [illegible] روکھا سوکھا۔ اور بے تعظیمی کا بھرا ہوا جواب آپ نے شراب کے نشہ میں دیا ہو۔

پھر عیسائیوں کے اخلاق پر یہ اثر ہوا۔ کہ اس ام الخبائث شراب کو ان کی گھٹی بنا رکھا ہے۔ عیسائیوں میں فی لاکھ ایک شخص ایسا نہ ہوگا۔ جو شراب پیتا نہ ہوگا۔ عوام کا ذکر نہیں۔ خواص پادری جو مقدس کہلاتے ہیں۔ وہ اس سے کم بچتے ہیں۔ اور نہیں تو عشاء ربانی* میں جو انکا مذہبی شعار ہے۔ تو اوسکو ضرور چکھ لیتے ہیں۔ اور کیوں نہ چکھیں اور کس لئے بچیں یہ معجزہ (جو خدا کا فعل تصدیق نبوت وبقول عیسائیاں تائید ابوت خدا و نبوت مسیح کے لئے ظاہر ہوا تھا۔) اسکا حامی ہوا۔ تو پھر اوس کی اچھائی میں کیا شک رہا۔ اسوقت جو یورپ میں قباحت و ممانعت شراب کا خیال پیدا ہو گیا ہے۔ اور جا بجا ٹمپرنس سوسائٹیاں قائم ہوئی ہیں۔ یہ قرآن کریم اور ختم المرسلین وسید المعصومین کے تعلیم کے اثر و فیض

* عیسائیوں کی نماز اور دعاؤں کی کتاب موسوم بدعا عمیم کا صفحہ (۱۱۹) ملاحظہ ہو۔

وبرکت ہے۔ جو شرقاً و غرباً پھیل گیا ہے۔ اس شراب خانہ کی خرابیاں و برائیاں
ایسے مخفی نہیں۔ کہ ہم اس مقام میں اون کو بیان کریں۔ یہ خرابیاں جو عیسائیوں میں
پھیلی ہوئی ہیں۔ وہ اسی معجزانہ تعلیم انجیل مسیح کا نتیجہ ہے۔ اس تعلیم اعتقاد
و تعلیم اخلاق و معجزات انجیلی مسیح کو قرآنی مسیح نے خود رد کیا۔ اور
خطا قرار دیا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم قرآن کی آیات ذیل میں اون کے اقوال
منقول ہیں۔ اور قرآن نے بھی اون کے رد و ابطال میں کمال اہتمام کیا ہے
اوّلاً قرآن سے اقوال مسیحی نقل کئے جاتے ہیں۔ پھر قرآن کا اپنا بیان
منقول ہوگا۔

قرآنی مسیح کے اقوال انجیلی مسیح کی تعلیم کو رد کرتے ہیں

(۱) انی قد جئتکم بآیۃ من ربکم
انی اخلق لکم من الطین کھیئۃ الطیر
فانفخ فیھا فیکون طیرا باذن اللہ
وابری الاکمہ والابرص واحیی
الموتی باذن اللہ × × ان اللہ
ربی وربکم فاعبدوہ ھذا صراط
مستقیم (آل عمران۔ ع ۵۔)
(۲) وقال المسیح یا بنی اسرائیل
اعبدوا اللہ ربی وربکم انہ من
یشرک باللہ فقد حرم علیہ الجنۃ
وماواہ النار وما للظالمین من

(۱) میں تمہارے پاس خدا کی طرف
سے یہ نشان لایا ہوں۔ کہ میں مٹی سے
جانور کی شکل بناتا ہوں۔ پھر اس میں
پھونک مارتا ہوں تو وہ خدا کے حکم
سے پرند بن جاتا ہے۔ اور میں خدا کے
حکم سے مادرزاد اندھے۔ اور کوڑھے
کو اچھا۔ اور مردہ کو زندہ کرتا ہوں۔
اللہ تعالےٰ میرا اور تمہارا رب ہے۔
پس اسی کی عبادت کرو۔ یہی ہے
سیدھی راہ۔
(۲) مسیح نے کہا اے بنی اسرائیل

انصار - (مائدہ - ع - ۱۰)

(۳) واذ قال اللہ یا عیسی بن مریم ءانت قلت للناس اتخذونی وامی الٰھین من دون اللہ قال سبحانک مایکون لی ان اقول مالیس بحق ان کنت قلتہ فقد علمتہ تعلم ما فی نفسی ولا اعلم ما فی نفسک انک انت علام الغیوب ما قلت لھم الا ما امرتنی بہ ان اعبدوا اللہ ربی وربکم (مائدہ - ع - ۱۶ -)

خدا کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا رب ہے - جس نے خدا کا شریک ٹھرایا - اُسپر خدا نے بہشت کو حرام کیا - اور اُسکا ٹھکانا آگ ہے -

(۳) جب خدا تعالےٰ عیسےٰ کو کہیگا کیا تو نے کہا تھا - کہ مجھے اور میری ما کو خدا کے سوا معبود بنا نا وہ کہے گا اے خدا تو پاک ہے - مجھے لائق نہ تھا کہ میں وہ بات کہتا جو میرا حق نہ تھی - میں نے اگر کہا ہے تو تو جانتا ہے تو میرے جی کی [illegible] تو ہی غیب جاننے والا ہے میں نے تو اون کو وہی کہا تھا جو تو نے مجھے حکم دیا تھا - کہ خدا کی پوجا کرو جو تمہارا اور میرا رب ہے -

(۴) انی عبد اللہ اتانی الکتاب وجعلنی نبیا - (مریم - ع - ۲)

(۴) میں خدا کا بندہ ہوں مجھے اوسنے کتاب دی اور نبی کیا -

(۵) یا بنی اسرائیل انی رسول اللہ الیکم مصدقا لما بین یدی من التوراۃ ومبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد (الصف - ع - ۱ -)

(۵) اے بنی اسرائیل میں تمہاری طرف خدا کا رسول ہوں - توریت کو جو میرے آگے ہے سچا کرنے والا اور ایک رسول کی جو میرے بعد آئے گا جس کا نام احمد ہے بشارت دینے والا -

قرآنی اقوال انجیلی مسیح کی تعلیم مذکور کے رد میں

(۱) قالوا اتخذ اللہ ولداً سبحانہ بل لہ ما فی السموٰت والارض کل لہ قانتون (بقرہ ع ۱۴)

(۱) وہ کہتے ہیں بس خدا بیٹا رکھتا ہے خدا اس سے پاک ہے۔ آسمان و زمین میں جو ہے اوسکی ملک ہے۔ اور سب مطیع (پھر وہ بیٹے کیونکر ہو سکتے ہیں۔)

(۲) ما کان لبشر ان یؤتیہ اللہ الکتٰب والحکم والنبوۃ ثم یقول للناس کونوا عباداً لی من دون اللہ ولکن کونوا ربانیین (آل عمران ع ۸)

(۲) کسی بشر کو لائق نہیں کہ خدا اوسکو کتاب اور حکم اور نبوت عطا کرے۔ پھر وہ لوگوں کو کہے کہ تم خدا کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ۔ لیکن وہ یہی کہے گا کہ تم اللہ والے بنجاؤ۔

(۳) ان مثل عیسیٰ عند اللہ کمثل آدم خلقہ من تراب ثم قال لہ کن فیکون (آل عمران ع ۶)

(۳) عیسیٰ کی مثال اللہ کے نزدیک آدم کیسی ہے۔ جسکو خدا نے (بلا مادر و پدر) مٹی سے بنایا۔ پھر کہا زندہ ہو جا۔ پھر وہ زندہ ہو گیا۔

(۴) لن یستنکف المسیح ان یکون عبداً للہ ولا الملٰئکۃ المقربون (ن ع ۲۴)

(۴) مسیح خدا کا بندہ ہونے سے ہرگز نہیں اتراتا۔ اور نہ قرب والے فرشتے۔

(۵) لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ھو المسیح بن مریم قل فمن یملک من اللہ شیئاً ان اراد ان یھلک المسیح بن مریم وامہ (مائدہ ع ۳)

(۵) بے شک وہ کافر ہو چکے جو کہتے ہیں مسیح خدا ہے تو اون کو کہدے خدا سے کون بچاوے اگر خدا مسیح کو اور اوسکی ماں کو ہلاک کر دے۔

(۶) لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ثالث

(۶) بے شک وہ کافر ہو چکے جو کہتے

ثلثة وما من اله الا اله واحد × × ما المسیح ابن مریم الا رسول قد خلت من قبله الرسل وامه الصدیقه کانا یأکلان الطعام (مائدہ - ع ۱۰)

ہیں۔ خدا تین خداؤں میں سے تیسرا خدا ہے۔ خدا تو (صرف) ایک ہے۔ مسیح اور کچھ نہیں۔ مگر ایک رسول جس کے پہلے بھی رسول گذرے۔ اور اوس کی ما ایک رہت باز تھی۔ دونو کھانا کھاتے تھے۔ (یعنے بول و براز کرتے تھے۔ پھر وہ خدا کیونکر ہوا)

(۷) اذ قال الله یا عیسی ابن مریم اذکر نعمتی علیك وعلی والدتك اذ ایدتك بروح القدس تکلم الناس فی المهد وکهلا واذ علمتك الکتب والحکمة والتوراة والانجیل واذ تخلق من الطین کهیئة الطیر فتنفخ فیها فتکون طیرًا باذنی و تبرئ الاکمه والابرص باذنی واذ تخرج الموتی باذنی (مائدہ - ع ۱۵)

(۷) جب خدا نے کہا اے عیسے میری مہربانی کو یاد کر۔ جو تجھ پر اور تیری والدہ پر ہوئی۔ جبکہ تیری مدد کی روح القدس (جبرائیل) سے تو گہوارہ میں اور بڑی عمر میں لوگوں سے کلام کرتا تھا جب تجھے لکھنا اور دانائی اور توریت اور انجیل سکھائی۔ جب تو مٹی سے جانور کی شکل بناتا تھا۔ پھر اسمیں پھونک مارتا تو وہ میرے حکم سے جانور بن جاتا۔ اور جب اندہے مادر زاد اور کوڑہے کو میرے حکم سے اچھا کرتا تھا۔ اور جب تو میرے حکم سے مردہ کو زندہ کرتا تھا۔

(۸) انی یکون له ولد ولم تکن له صاحبة (انعام - ع ۱۳)

(۸) اُسکے لئے بیٹا کیونکر ہو۔ اوس کی جورو تو ہی نہیں تھی۔ یہ اسلئے فرمایا۔ کہ خدا کے لئے ایسا بیٹا تجویز کرنا جو اس سے جیسا ہو اور اوسکا ہمجنس کہلاوے۔ تب ہی ہوسکتا ہے کہ خدا کی جورو بھی ہو۔ باپ کے ہمتا وہم کفو وہم جنس بیٹے کے لئے اوسکی جورو کا ہونا لازم۔ اور موقوف علیہ ہے۔

مسٹر اکبر مسیح نے اس ملازمت کو نہیں سمجھا۔ اور ضمیمہ تنقیح الوہیت مسیح میں قرآن کی اس آیت پر یہ اعتراض کر دیا ہے۔ کہ عیسائی خدا کے فرزندوں کو لہو اور جسم کی خواہش سے نہیں مانتے۔ بلکہ روحانی فرزند جانتے ہیں۔ اور اسپر یوحنا ۱/۱۲ اور روم ۸/۱۴ کا حوالہ دیا۔ مگر افسوس! مسٹر اکبر مسیح کو یہ معلوم نہیں کہ کسی شخص کے اعتقاد یا قول پر کوئی الزام یا اعتراض اس امر پر موقوف نہیں ہے کہ جو بات اوسکو کہی جاوے وہ اوسکے صریح قول و مسلمات سے ہو۔ بلکہ جو بات اسکے قول یا اعتقاد کا مفہوم و مستلزم ہو اوسکا الزام بھی اسپر عاید ہوتا ہے۔ مثلاً ایک شخص اپنے باپ کو باپ جانتا اور مانتا ہے مگر وہ اسکا نافرمان و بدگمان ہے۔ اور اپنی جان و مال کی حفاظت میں اسپر اعتماد و بھروسہ نہیں کرتا۔ اسکا باپ اوس کو یہہ کہسکتا۔ اور الزام دیسکتا ہے کہ کیا تم مجھے اپنا باپ نہیں جانتے۔ اجنبی یا دشمن خیال کرتے ہو۔ تم تو میرے جنے ہو۔ کسی اور کے نطفہ تو نہیں ہو جس کی وجہ یہی ہے۔ کہ باپ پر اعتماد نہ کرنا اوسکو دشمن جاننے کا مستلزم ہے اور یہ بتاتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو دوسرا کا تخم سمجھتا ہے۔

مسٹر اکبر مسیح نے یوحنا و روم کی عبارت کو اپنے خیال کی تائید میں نقل تو کر دیا مگر اتنا نہ سوچا کہ خدا کو باپ اور مسیح کو بیٹا کہنے والے روئی مس پر کتنے ہیں۔ اور انجیل یوحنا و رومی کو پڑھنے والے۔ اور یہ سمجھنے والے کہ یہاں بیٹے سے صرف روحانی بیٹا مراد ہے۔ نہ جسمانی کتنے ہیں۔ پھر روحانی بیٹا سمجھنے والوں میں مسیح کے بیٹے ہونے کو صرف اوّل درجہ کے محبوب کے معنے میں سمجھنے والے کتنے ہیں۔ اور ہم جنس و ہمتا وہم کفو سمجھنے والے کتنے۔

اکثر عیسائی لوگ جوان پڑھ ہیں۔ اور روحانی بیٹا سمجھنے والوں میں سے جو مسیح کو خدا کا ہمتا سمجھتے ہیں۔ ان لوگوں کے عقیدہ اس امر کا مستلزم ہے۔ کہ مسیح خدا سے

ایسا پیدا ہوا ہے جیسے وہ اپنے باپ سے خصوصاً اسحالتمیں کہ وہ مسیح کو خدا سے متولد بھی کہتے ہیں* جبکہ خدا تعالے نے اون کو الزام دیا کہ اسکا بیٹا کیونکر ہو۔ اوسکی جورو تو ہے ہی نہیں پھر یہ الزام کیوں بے جا ہے۔ ؎ سخن شناس نۂ دلبرا خطا اینجاست۔

انجیلی مسیح کے معجزہ شراب سازی کے جس سے اس کی اباحت نکلتی ہی) ردمیں قرآن نے یہ فرمایا ہے۔ کہ شراب۔ جُوا۔ بتھان یابت اور پالنسی ناپاک ہیں شیطانی کام اون سے بچو۔ تاکہ نجات پاؤ۔

انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوہ لعلکم تفلحون (مائدہ - ع ۱۲ -)

اور انجیلی مسیح کی تعلیم اخلاق کے رد میں قرآن کی ہدایت صفحہ (۲۱۱) میں گذر چکی ہے۔

بالجملہ انجیلی مسیح کے جملہ امور کو جو مذکور ہوئے قرآنی مسیح نے اور قرآن نے خطا قرار دیا ہے۔ نہ وہ خطا جو عمد کے مقابلہ میں ہوتا ہے۔ بلکہ یہاں خطا سے گمراہی وسرکشی وفساد کیطی مراد ہے۔ لہذا اس مسیح کو عصمت میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے کوئی نسبت نہیں ہے۔ راجح ومرجوح کی آپ سے نسبت ہے تو اس مسیح کو جو قرآنی مسیح ہے۔ عیسائی مسلمانوں کو ہمیشہ سے دہوکھ دیتے ہیں ان سے قرآنی مسیح اور اوس کی اصلی انجیل کی سچائی تسلیم کراتے ہیں۔ اور اسکا مصداق انجیلی مسیح اور اوسکی بناوٹی انجیل کو قرار دے کر اس تسلیم اہل اسلام کو اُدہر کھینچ لیجاتے ہیں۔ ہمارے اس مضمون کو اہل اسلام غور سے پڑہیں گے۔ اور قرآنی مسیح اور انجیلی مسیح میں تفرقہ جو ہمنے بیان کیا ہے خیال میں رکھینگے تو ہرگز اُن کے دام میں نہ پھینسینگے انشاءاللہ تعالے۔

اس بحث سے ثابت ہوا کہ عصمت کے باب میں ترجیح کی طرف رجوع کیا جائے اور ہمیں قرآن کا فیصلہ دیکھا جائے تو اس سے آنحضرت کی مسیح پر ترجیح ثابت ہوتی ہی

* عیسائیوں کی کتاب جامع عیسیم ۳۰ میں صفا لکھا ہی " اور ایک خدا وندیسوع مسیح پر جو خدا کا اکیلا ہی متولد بیٹا ہی سب عالموں کے پہلے اپنے باپ سے متولد ہوا "

یہ قرآنی بحث کا اختتام ہے جسمیں یہ باتیں بخوبی ثابت ہوگئیں۔ (۱) حضرات انبیاء علیہم السلام سب کے سب معصوم ہیں۔ ان ہی میں سے حضرت مسیح بھی داخل ہیں (جو قرآنی مسیح ہیں)۔ (۲) اونکو وصف عصمت میں اور انبیاء پر کوئی مزیت و فوقیت نہیں ہے۔ (۳) یہ مزیت ہے تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو ہے جنکی عصمت کا خداتعالے نے بڑا اہتمام کیا۔ اور اس سے ہم کو آگاہ کیا (۴) یہ امر نہ حضرت مسیح کی نسبت پایا گیا ہے نہ کسی اور نبی کے (۵) قرآنی مسیح سے علیحدہ ایک انجیلی مسیح ہے اوس کی آنحضرتؐ سے کوئی نسبت نہیں۔ اور نہ اوسکا عصمت سے کوئی تعلق ہی اس نے تو لوگوں کے لئے شرک وکفر و بداخلاقی اور بدعملی کا دروازہ کھول دیا۔ نہیں نہیں توڑ دیا ہے۔ جواب بند نہیں ہوسکتا۔

اب ہم انجیلی بحث کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اور انجیل سے یہ ثابت کر دکھاتے ہیں کہ انجیلی مسیح صاحب نہ صرف خطاءکار بلکہ گناہگار تھے۔ کیونکہ قرآنی بحث سے اب ہم فارغ ہوگئے ہیں۔ اور ہمارے مخاطب پادری صاحب کو مدت ہوئی اس بحث کو ختم شدہ سمجھ کر انجیلی بحث کی اجازت دے چکے تھے۔ مگر چونکہ اسوقت تک قرآنی بحث ختم توکجا شروع بھی نہیں ہوئی تھی۔ اور ہم نے کوئی دلیل قرآنی اون کے دعوے کے مقابلہ میں پیش نہ کی تھی۔ صرف اون کے دلائل پر اسقدر نکتہ چینی کی تھی کہ آپکے دلائیل آپ کے دعوے کے مثبت نہیں ہے۔ آپ اون کو واپس لیں۔ اُنہوں نے جلدی بازی بے صبری و کم حوصلگی اختیار کی۔ اور اسیقدر نکتہ چینی کو آخری حد بحث قرآنی قرار دیکر ہماری اجازت کے بغیر رسالہ کشف الحقایق عیسوی کے ذریعے سے اوسکی اشاعت کردی۔ اور پھر خط ۱۶۔ اگست ۱۸۹۶ء میں ہم کو یہ بات لکھدی کہ "عصمت مسیح پر بربنا ر قرآن بحث ہوچکی ہے۔ اب آپ انجیل سے ثابت کریں کہ حضرت مسیح معصوم نہ تھے۔ اور وہ بارہا مرتکب خطا ہوئے"۔ اور آپ کے دوسرے

بھائیوں جلد باز عیسائیوں نے اون کی فرضی وخیالی بحث پر رائے زنی بھی شروع کر دی۔ صاحب کشف نے اپنے نوٹ مندرجہ نمبر ۸ جلد ۲ کے صلا۱۱۶ کشف میں مرزا غلام احمد ساکن قادیاں (جو اسلام سے باضابطہ و باتفاق جمہور اہل اسلام خارج کئے گئے ہیں۔ اور درحقیقت وہ بھی ایک چھپے عیسائی ہیں۔ چنانچہ صفحہ (۱۰۶) نمبر (۷) جلد (۱۶) اشاعۃ السنہ میں بیان ہوا۔) نقل کیا ہے۔ کہ اُنھوں نے مولانا محمد حسین صاحب کے دلائل کو بمقابلہ مسٹر اکبر مسیح کمزور اور ضعیف کہا ہے۔ پھر اپنے نوٹ مندرجہ نمبر ۹ جلد ۲ کے صلا۱۳ میں کہا۔ کہ ناظرین خود دیکھ لیں گے۔ کہ کس کی دلیلوں کا پلہ جُھکا ہوا ہے"۔ اور کسی صاحب نے یہ خیال نہ فرمایا۔ کہ ابوسعید محمد حسین نے اپنی تحریرات میں جو کشف میں مشتہر ہوئی ہیں کونسی دلیل پیش کی ہے جنکا دلائل مسٹر اکبر مسیح سے مقابلہ و موازنہ کیا جاتا ہے۔ اون کی تحریر میں تو ایک دلیل بھی بیان نہیں ہوئی۔ ہم موازنہ کن کن دلائل میں کرتے ہیں۔

اُن حضرات کو چاہیئے۔ کہ اگر حوصلہ ہے تو آپ موازنہ کریں۔ اور صاف صاف انصاف سے بتادیں کہ کس کی دلیلوں کا پلہ جُھکا ہوا ہے۔ ہم نے اس جلد بازی کی پروا نہ کی۔ اور مسٹر اکبر مسیح کے خط مذکور کو قبل از وقت سمجھ کر اسکا جواب تو کجا رسید تک نہ دی۔ ۰۔

اب ہم نے قرآنی بحث ختم کی ہے۔ تو اس خط کا جواب دیتے ہیں۔ اور انجیلی بحث کو شروع کرتے ہیں۔ وباللہ التوفیق۔

مسٹر اکبر مسیح اس خط ۱۶۔ اگست ۱۸۹۶ئہ میں لکھتے ہیں۔

میں دعوے کرتا ہوں کہ آپ انجیل سے کوئی آیت نہیں نکال سکتے جس سے یہ ثابت ہو۔ کہ خداوند مسیح اپنے تئیں کسی معنے میں غیر معصوم خاطی یا عاصی جانتے ہیں۔ یا وہ اپنے کسی قول یا فعل کو خدا کی مرضی اور خوشنودی کے خلاف سمجھتے تھے۔ اور انبیاء کی عدم

عصمت پر ہم اسی قسم کا استدلال کرتے ہیں۔ برخلاف اسکے انجیل میں مسیح خداوند کے ایسے
اقوال ہم کو ملتے ہیں "میں ہمیشہ وہی کام کرتا ہوں جو باپ کو پسند آتے ہیں۔ یوحنا
(۸/۲۹) میں اپنی مرضی کو نہیں بلکہ باپ کی مرضی کو جس نے مجھے بھیجا ہے۔ چاہتا ہوں
(۵/۳۰) میں نے اپنے باپ کے حکموں پر عمل کیا۔ اور اوس کی محبت میں قایم ہوں
(۱۵/۱۰) اور وہ اپنے بڑے بڑے دشمنوں کے مُنہ پر کہتے ہیں۔ کون تم میں سے مجھ پر
گناہ ثابت کرتا ہے۔ (۸/۴۶) پس روح اللہ اور کلمۃ اللہ اپنی حقیقی عصمت پر خود
یوں گواہ ہے۔ اور آسمانی شہادت خدا کی اون کے حق میں انجیل میں یوں گونج
رہی ہے۔ یہ میرا پیارا بیٹا ہے جس سے میں خوش ہوں۔ متی (۳/۱۷) میرا خادم
جسے میں نے چنا۔ اور میرا پیارا جس سے میرا دل خوش ہے۔ (۱۲/۱۸) یہ سٹر اکبر مسیح کا
آخری کلام ہے۔ جو ان ہی کے الفاظ سے نقل کیا گیا ہے۔ اس کے جواب میں خاکسار
ملتمس ہے کہ آپ نے [illegible] عصمت [illegible] استدلال سے
کیوں مخصوص کیا۔ کہ وہ اپنی زبان سے اپنے غیر معصوم یا خاطی یا عاصی ہونے کا
اقرار کریں۔ اور میرے اس قول خط ۱۵۔ جنوری ۱۸۹۶ء منقولہ کشف نمبر ۷ جلد ۲
صفحہ ۱۰۶۔ و نمبر ۶ جلد ۱۷ صفحہ ۱۹۳ اشاعۃ السنہ کہ مجھے اجازت دیں کہ میں
انجیل سے ثابت کروں کہ حضرت مسیح علی نبینا و علیہ السلام ان معنے کر جو آپ نے
تجویز کیے ہیں معصوم نہ تھے۔ اور وہ بارہا مرتکب خطا ہوئے" جس کا آپ نے اپنے
اس خط میں بھی اقتباس کیا ہے۔ کالحاظ فرما کر مجھے یہ اختیار عام کیوں نہ دیا۔ کہ میں
انجیل کی آیات و شہادات سے انجیلی مسیح کا خطاکار یا گنہگار ہونا ثابت کروں۔
کیا کسی مجرم کا مجرم ہونا اور کسی گنہگار کا گنہگار ہونا اسکے اقبال پر موقوف ہے؟ کیا دوسرے
کی شہادت سے اسکا مجرم و گنہگار ہونا ثابت نہیں ہوتا۔؟ انجیلی مسیح کے اپنے دعاوی
کا کیا اعتبار ہے۔ جب تک کہ ان دعاوی پر دوسرے کی اور کسی کی نہ بھی انجیل

ہی کی شہادت قائم نہ ہو۔ انجیلی مسیح نے تو وہ دعوے کئے ہیں کہ ان میں آسمان اور زمین کے قلابے ملا دیئے ہیں۔

ازانجملہ ایک اوسکا خدائی دعوے ہے جسکو یونی ٹیرین کے سوا تمام عیسائیوں نے جو مسیح کو خدا مانتے ہیں۔ انجیل ہی سے نکالا ہے۔ پھر کیا ان سب دعاوی کو بغیر کسی شہادت اور ایگزیمنیش کے ہم مان لینگے۔؟ نہیں نہیں ہرگز نہیں۔

ہم انجیلی مسیح کے ان تینوں دعوؤں کا جو مسٹر اکبر مسیح نے یوحنا ۸/۲۹ و ۵/۳۰ و ۱۵/۱ سے نقل کئے ہیں۔ اسی انجیل کی شہادت سے ایگزیمنیش کرتے ہیں۔ اور اسکے اقوال وافعال سے جو اسی انجیل میں موجود ہیں انکا غلط وخلاف واقعہ ہونا ثابت کر دکھاتے ہیں۔ اور وہی اقوال وافعال ہماری انجیلی بحث کے ارکان اور اس دعوے کے دلائل ہیں۔ کہ انجیلی مسیح بارہا خطاء کے مرتکب ہوئے۔ اور نہ وہ صرف خطا کار تھے بلکہ بڑے گنہگار تھے۔

ازانجملہ انجیلی مسیح کا اپنی والدہ محترمہ کو یہ توہین آمیز اور حقارت سے لبریز کلمات کہنا ہے۔ کہ اے عورت مجھے تجھ سے کیا کام۔ میرا وقت ہنوز نہیں آیا۔ یہ کلمات اس نے اپنی والدہ کو اُسوقت کہے تھے۔ جبکہ دعوت قانائے جلیل میں شراب گھٹ گئی تھی۔ اور اوس کی والدہ نے سفارش کی تھی۔ والدہ ماجدہ کو تو آپنے یہ سوکھا اور انکاری جواب دیا۔ مگر اسیوقت بغیر کسی وقفہ کے چھ مٹکوں پانی بھروا کے اوسکو شراب بنا دیا۔ چنانچہ باب ۲۔ آئت ۴ وغیرہ سے بصفحہ (۲۱۴) منقول ہوا ہے انجیلی مسیح کے ان کلمات میں جو توہین وتحقیر والدہ محترمہ پائی جاتی ہے۔ وہ کسی عقلمند انصاف پسند کے نزدیک محل نزاع نہیں ہے۔ روئے زمین کے عقلمند وانصاف پسند ہندو۔ مسلمان۔ چوہڑے۔ چمار۔ یہودی۔ نصرانی۔ اپنے والدین کو ایسی کلمات سے مخاطب نہیں کرتے۔ اور نہ ایسے مخاطب کو پسند کرتے ہیں۔ بلکہ خلاف ادب

ومنافی عزت سمجھتے ہیں۔

مسٹر اکبر مسیح اس سے اس سرے تک دنیا میں پھر نکلیں۔ اور مختلف مذاہب بلکہ لامذہب عقلمندوں تہذیب پسندوں کو پوچھ کر دیکھ لیں وہ دنیا میں کسی ایسے شخص کو نہ پائیں جو ان کلمات کو والدہ کے حق میں جائز رکھتا اور پسند کرتا ہو۔ یہ شہادت انسانی ہے۔ اور اگر شہادت آسمانی دیکھی جائے تو وہ بھی عہد عتیق وعہد جدید میں یوں ہی گونج رہی ہے۔ کہ ایسے کلمات والدہ کے حق میں خدا تعالےٰ کے نزدیک پسند نہیں ہیں۔ عہد عتیق سے خروج باب ۲۰۔ آیت ۱۲ میں حکم ہے تو تو اپنے ماباپ کو عزت دے۔ استثنار باب ۵۔ آیت ۱۶ میں ہے۔ اپنے باپ اور اپنی ما کو عزت دے تاکہ تیری عمر کے دن بہت ہوویں۔ امثال باب ۲۳۔ آیت ۲۲ میں ہے اپنے باپ کو جس سے تو پیدا ہوا ہے۔ اور اپنی ما کو اوس کے بڑھاپے میں حقیر جان۔ اور عہد جدید سے انجیل متی کے باب ۱۵۔ آیت ۴ میں مسیح نے خود فرمایا ہے خدا نے فرمایا ہے۔ اپنے باپ کی عزت کرو۔ پھر اپنے مخالفوں کا قول نقل کیا ہے۔ کہ اپنے باپ یا ما کی عزت نہ کرے تو کچھ مضایقہ نہیں پھر اوسکے رد میں کہا ہے کہ تم نے اپنی روائت سے خدا کے حکم کو باطل کیا۔ اور افسی باب ۶۔ آیت ۲ میں ہے۔ تو اپنے ما باپ کی عزت کر کہ یہ پہلا حکم ہے۔ جس کے ساتھ وعدہ ہے۔ اور قلسی باب ۳۔ آیت ۲ میں ہے۔ اے فرزندو ما باپ کی ہر بات میں فرمانبردار رہو۔ کہ خداوند کو بھی پسند ہے۔

اور جبکہ شہادت انسانی اور شہادت آسمانی اتفاق کے ساتھ ان کلمات انجیلی مسیح کو والدہ کے حق میں ناپسند قرار دیتے ہیں۔ **تو اسی وجہ سے** انجیل کے حامیوں اور مفسروں نے ان کلمات کو خلاف عزت سمجھا۔ اور ناپسند کیا۔ انجیل کا ایک مفسر برنس صاحب اپنی تفسیر جلد اول حصہ دوم کے صفحہ (۲۱۹) میں

لکھتا ہے۔ کہ مسیح نے اپنی والدہ کی اس آئت میں بہت ملامت اور بے عزتی کی۔ اور یہ حقارت کے الفاظ بولے ہیں کہ ایسا اور کوئی لفظ مشتملبر حقارت نہ ہوگا۔ جیساکہ اے عورت مجھے تجھ سے کیا کام۔ خصوصًا والدہ کے حق میں یہ انجیلی مسیح کا اپنے قول اور الفاظ سے گناہِ توہینِ والدِہ مکرمہ کا ارتکاب ہے۔ اسمیں اوس کا علمی گناہ والدہ کی حکم عدولی اور نافرمانبرداری کرنا بھی پایا جاتا ہے۔ جو کام والدہ نے بتایا۔ (دعوتیوں کے لئے شراب بنانا) اوس نے وہ کام تو فورًا کردیا۔ مگر والدہ کے حکم اور سفارش کو اس روکھے اور پھیکے جواب سے کہ "مجھے تجھ سے کیا کام۔ میرا وقت ہنوز نہیں آیا" رد کرنے اور اُسکی قبولیت و متابعت سے انکار ظاہر کرنے کے بعد فرمانبرداری اور متابعت کا جواب یہ تھا۔ کہ مادر جان بہت اچھا۔ میں حضور کے حکم کی تعمیل کرنے کو حاضر و مستعد ہوں۔ اور ابھی ان لوگوں کے لئے شراب تیار کردیتا ہوں۔ جیساکہ وقوع میں آیا۔

وہ قول اور یہ عمل انجیلی مسیح صاف ناطق اور دونو شاہد عدل ہیں کہ ان تینوں دعاوی میں جو کچھ اوس نے کہا ہے وہ محض غلط ہے۔ اور واقعہ کے خلاف ہے۔ اور انجیلی مسیح سے جو کچھ اس عمل و قول میں سرزد ہوا ہے۔ نہ وہ خداتعالے کو پسند تھا۔ اور نہ اُسکی مرضی اور حکم کے مطابق ہوا۔

از انجملہ انجیلی مسیح کا اپنے پہلے آنے والے نبیوں کو چور و بٹمار کہنا ہے۔ چنانچہ یوحنا باب ۱۰۔ آئت ۷ و ۸ میں ہے تب یسوع نے انہیں پھر کہا۔ میں تم سے سچ سچ کہتا ہوں۔ کہ بھیڑوں کا دروازہ میں ہوں۔ ۸ سب جتنے مجھ سے پہلے آئے۔ چور اور بٹمار ہیں۔ پر بھیڑوں نے اونکی نہ سنی۔

اس قول میں انجیلی مسیح نے جملہ انبیاء علیہم السلام کو چور و بٹمار کہنا ایک ایسا غلط اور خلاف واقعہ امر اور کبیرہ گناہ ہے۔ جسکے غلط و گناہ ہونے کسی شخص کو جو پہلے انبیاءؑ

پر ایمان رکھتا ہو۔ نزاع و اختلاف نہیں ہے۔ اور اہل ایمان تو ایک طرف رہے۔ انجیلی مسیح نے خود اپنے مُنہ سے یوحنا تک آنے والوں کو نبی مانا ہے۔ چنانچہ لوقا باب ۱۶۔ آئت ۱۶ میں کہا ہے۔

شریعت اور انبیاء یوحنا تک تھی۔ تب سے خدا کی بادشاہت کی خوشخبری دیجاتی ہے اور ہر ایک زور مار کے اسمیں داخل ہوتا ہے۔ اور پھر اسی مُنہ سے اوسکا اون کو چور بنانا۔ اور بٹ مار کہنا گناہ نہیں تو اور کیا ہے۔

طرفہ یہ کہ ان انبیاء میں ایک یوحنا (حضرت یحییٰ علیہ السلام) بھی ہیں۔ جن کے سامنے مسیح نے عملی طور پر اپنے گنہگار ہونے اقرار کیا۔ اور گناہوں سے پاک ہونے کے لئے ان سے بپتسما پایا۔ کیونکہ یہودی دستور کے موافق بپتسما وہی لوگ پاتے ہیں جو گناہوں کا اقرار کرتے ہیں۔ چنانچہ متی باب ۳ آئت ۵ و ۶ میں ہے۔ "تب یروسلم اور سارے یہودیہ اور یردن کے آس پاس کے رہنے والے یوحنا کے پاس آئے اور انہوں نے اپنے گناہوں کا اقرار کر کے یردن میں اس سے بپتسما پایا"۔ پھر اس یوحنا کو بھی جملہ انبیاء کے شمول میں بٹ مار و چور بنایا۔ اور ان نافرمانبردار و بے ادب شاگردوں کے موافق عمل کر کے دکھایا۔ جنکا اس بیت میں ذکر ہے ؎

کس نیاموخت علم تیر از من	کہ مرا عاقبت نشانہ نکرد

اور یہ خیال نہ فرمایا کہ پیرو مرشد چور و بٹمار ٹھہرا تو اسکا مرید و مسترشد کیونکر پاکباز و نیک شعار متصوّر ہو گا۔ ؎ او خویشتن گم است کرا رہبری کند

اس قول (لوقا $\frac{۳}{۵و۶}$) میں انجیلی مسیح نے ایک گناہ یہ بھی کیا۔ کہ پہلی شریعتوں کو بے کار و بے اعتبار ٹھہرایا۔ اور صاف لکھدیا ہے۔ کہ بس شریعت یوحنا تک ہی تھی۔ اب شریعت سے کوئی کام نہیں ہے۔ اب صرف زور سے خدا کی بادشاہت لیجائے گی جس سے غالباً یہی مراد ہے۔ کہ جسنے مسیح کو کفارہ مان لیا وہ بغیر کسی عمل و پیروی شریعت

کے زبردستی بہشت میں جا گھسے گا۔ اور اسیکا اقتباس پولوس نے اپنے اس قول میں کہا ہے۔ کہ " اگلا قانون اسلیئے کہ کمزور اور بیفائدہ تھا اوٹھ گیا۔ کیونکہ شریعت نے کچھ کامل نہ کیا۔ مگر ایک بہتر امید درمیان داخل ہوئی جس کے وسیلے ہم خدا کے حضور پہنچتے ہیں۔ (عبرانی باب ۷۔ آئت ۱۸ و ۱۹۔) ایساہی آپنے گلتیوں میں کہا ہے*۔

اسی قسم کے اقوال انجیلی مسیح کا یہ نتیجہ ظاہر ہوا ہے کہ عیسائیوں نے توریت کے احکام اور شریعت سے کچھ تعلق نہیں رکھا۔ اور اون کو تقویم پارینہ سمجھ کر پس پشت ڈال دیا ہے۔ یہ انجیلی مسیح کا ایسا گناہ ہے جسمیں اوس نے اپنے بے شمار اتباع کو بھی شامل کر لیا ہے۔ اور اسپر طرفہ یہ کہ اس انکار شریعت کے ساتھ آئت مابعد میں اقرار بھی ہے۔ اور صاف کہا ہے کہ پر آسمان اور زمین کا ٹل جانا شریعت کے ایک لفظ کے مٹ جانے سے بہت آسان ہے۔ اسی کی مثل مسیح کا وہ قول ہے جو صفحہ (۱۰۶) میں نقل ہو چکا ہے کہ میں توریت یا نبیوں کی کتاب منسوخ کرنے نہین آیا۔ بلکہ پوری کرنے آیا ہوں۔ اس قول میں مسیح نے تیسرا گناہ کیا۔ اور خلاف واقعہ کہا۔ اور لوگوں کو دہوکا اور مغالطہ دیا ہے۔ تاکہ وہ اوسکو شریعت کا منکر محض نہ سمجھ لیں اور اس وجہ سے اس سے وحشت و نفرت نہ کریں۔ اور درحقیقت وہ پہلی شریعتوں کا صاف منکر اور اون کے احکام کا مبطل اور پہلے نبیونکا سخت مخالف و معاند ہے۔ چنانچہ صفحہ (۲۰۱) میں بیان کیا گیا ہے۔ اور آئندہ بھی وقتاً فوقتاً بیان ہوتا رہیگا۔ انشاءاللہ تعالےٰ۔

ازانجملہ انجیلی مسیح کا اپنے شاگردوں میں بارہ آدمیوں کو جنمیں ایک یہودا اسکریوطی بھی تھا۔ اور ایک پطرس (شمعون) چن کر یہ بشارت دینا اور پیشگوئی کرنا کہ خدا کی بادشاہت تمہاری ہے۔ اور آسمان پر تمہارا بدلہ ہے۔ (لوقا باب ۶۔ آئت ۱۲ سے ۲۳) اور اون کو یہ اختیار و اقتدار بخشنا کہ وہ ہر قسم کی بیماری کو دور کریں

* اور شریعت کو ایمان سے کوئی نسبت نہیں ۱۲ ۔ ۱۳ مسیح نے ہمیں مول لیکر شریعت کی لعنت سے چھڑایا ۔ وہ ہمارے لئے لعنت ہوا (گلتی باب ۳)

اور ناپاک روحوں اور دیوؤں کو نکالیں (متی باب ۱۰- آئت ۱- مرقس باب ۳- آئت ۱۵- وغیرہ) اور خاص کر پطرس کو آسمانی بادشاہت کی کنجیاں سپرد کر دینا ہے۔ جسکا خلاف واقعہ ہونا انجیلی مسیح کی زندگی ہی میں ظاہر ہو گیا۔ اور اس کی زبان سے اسکے برخلاف اقرار ظہور میں آگیا۔ یہودا اسکریوطی نے تیس روپیہ لے کر مسیح کو پکڑوا دیا اور پطرس نے بھی قسم کھا کر تین بار مسیح سے انکار کیا۔ (متی باب ۲۶- آئت ۴۸ و ۶۹ وغیرہ) اس سے پہلے مسیح سے شیطان کا خطاب بھی پایا۔ (متی باب ۱۶ آئت ۲۳) اور وہ سب کے سب حضرات انجیلی مسیح کے وقت میں دیو نکال نہ سکے اور اس بے ایمانی کے خطاب سے مخاطب ہوئے۔ (متی باب ۱۷- آئت ۲-

یہ بشارات و پیشگوئیاں انجیلی مسیح کی سراسر غلط و خلاف واقعہ نکلیں۔ جن کے غلط ہونے پر اسی انجیل میں شہادت گونج رہی ہے۔ اور صاف بتا رہی ہے کہ جو انجیلی مسیح نے ان تینوں اقوال میں دعوے کیا ہے وہ محض غلط ہے۔

ان تین مثالوں میں سے پہلی دو مثالیں انجیلی مسیح کے گناہ کی مثالیں ہیں۔ اور تیسری خطا کی مثال (صفحہ ۲۰۸) میں جو انجیلی مسیح کی تعلیم ابوب و بنوت مذکور ہوئی ہے۔ وہ بھی ہمارے نزدیک تو صریح گناہ کی مثال ہے۔ اور اسکی خطا ہونے میں تو توحیدی عیسائیوں کو بھی نزاع مناسب نہیں ہے۔

ایسی ہی اسکی تعلیم شراب خواری جو صفحہ (۲۱۴) میں منقول ہوئی ہے۔ اور اسکی تعلیم انطلاق جو صفحہ (۲۰۹) میں مذکور ہوئی ہے۔ نیز خطا کی مثالیں ہیں۔ ان چھ مثالوں کے علاوہ بہت سی مثالیں اور انجیل میں موجود ہیں۔ اور دریا کی مانند اوس میں موجیں مار رہی ہیں۔ (۱) جیسے انجیلی مسیح کا اپنے شاگردوں اور معتقدوں کو اپنے مسیح ہونے کے اظہار سے منع کرنا۔ اور ایک (۲) دولتمند ایماندار کو بہشت سے ناامید کرنا۔ اور بہتیرے دولتمندوں کو باوجود دولت دنیا نہ چھوڑنے کے بہشت کا وارث بنانا (۳) صلیبی

موت کے ٹل جانے کیلئے (باوجود علم و پیشگوئی اس امر کے کہ وہ ٹلنے والی نہیں) دعاء کرنا - (۴) اپنے لئے مسکن و مکان ہونے کی نفی کرنا (۵) تین دن تک اپنی زمین کے اندر رہنے کی خبر دینا (۶) چور کو وعدہ دینا کہ تو آج میرے ساتھ بہشت میں جائیگا - اور خود بہشت میں نہیں - بلکہ ایک اور ہی جگہ تشریف لے جانا وغیرہ وغیرہ مما لا تعد ولا تحصی) مگر ہم ان تمثیلات کی تفصیل کو ہنوز ضروری نہیں سمجھتے جب مسٹر اکبر مسیح ان تمثیلات ستہ کا جنکی ہم تفصیل کر چکے ہیں ہم کو جواب دینگے - اور انجیل ہی کی شہادت سے یہ ثابت کر دینگے - کہ اون تمثیلات میں جو انجیلی مسیح کے قوال و اعمال بیان ہوئے ہیں - وہ صحیح اور درست اور حکم و مرضی خدا تعالے کے مطابق ہوئے ہیں اور وہ انجیلی مسیح کے دعاوی منقولہ مسٹر اکبر مسیح کے مکذب نہیں ہیں - تو ہم پھر اور تمثیلات کی تفصیل کرینگے انشاء اللہ تعالے -

یہ مثالیں [illegible] ایسی مثالیں ہیں جنسے خصوص بضوص انجیل سے انجیلی مسیح کا گنہگار یا خطا کار ہونا ثابت ہوتا ہے - اب ہم عموم نصوص انجیل سے اسکا گنہگار یا خطا کار ہونا ثابت کرتے مگر وہ دو امر کی تسلیم پر موقوف ہے - اول یہ کہ مسیح بھی منجملہ انسانوں کے ایک انسان تھا - دوم یہ کہ انجیل اور اسکے حواشی عہد عتیق کے بظاہر اور زبانی مصدق ہیں - لہذا جو امر عہد عتیق سے ثابت ہوگا - وہ گویا انجیل سے ثابت ہے - اور یہ دو نو امر اسوقت تک عیسائیوں میں مسلم ہیں - امر اول کا مسلم ہونا ہم صفحہ ۹ وغیرہ جلد ہذا میں بیان کر چکے ہیں - امر دوم کا مسلم ہونا محتاج بیان نہیں ہے - انجیل خود جا بجا عہد عتیق کا اقتباس کرتی ہے اور انجیل کی حامی بھی (زبانی) انکے مسلم ہونے کے قائل ہیں - یہ دو نو امر مسلم ٹھیرے تو ہم بیان کرتے ہیں - کہ رومیوں کے خط باب ۳ - آئیت ۱۰ و ۱۲ میں ہے - جیسا کہ لکھا ہے - کہ کوئی راستباز نہیں × × کوئی نیکو کار نہیں ایک بھی

نہیں × × اور آئت ۲۳ میں ہے سبھوں نے گناہ کیا - اور خدا کے جلال سے
محروم ہیں - اور چونکہ اس قول میں جس نوشتہ کا حوالہ دیا ہے وہ زبور ۱۴ - باب
ہے جسمیں یہ قول کل بنی آدم کے حق میں کہا گیا - اور اسکے الفاظ یہ ہیں "کوئی نیکوکار
نہیں - (۲) خداوند آسمان پر سے بنی آدم پر نگاہ کرتا ہے - تاکہ دیکھے کہ ان میں
کوئی دانشمند خدا کا طالب ہے یا نہیں - (۳) وے سب گنہگار ہوئے ایک
ساتھ بگڑ گئی کوئی نیکوکار نہیں ایک بھی نہیں" - لہذا ضروری ہے کہ اس قول میں
کل بنی آدم مراد لئے جاویں - اور ایسا ہی تصریح کے ساتھ عہد عتیق کے اکثر مقامات
میں وارد ہے -

واعظ باب ۷ - آئت ۲۰ میں ہے کوئی انسان زمین پر ایسا صادق نہیں
کہ نیکی کرے - اور خطا نہ کرے - ایوب باب ۱۴ - آیت ۴ میں ہے - کون ہے
جو ناپاک سے پاک نکالے کوئی نہیں - زبور باب ۵۱ - آیت ۵ میں ہے -
دیکھ میں نے گناہ کی صورت پکڑی - اور گناہ کے ساتھ میری ماں نے مجھے پیٹ میں
لیا - یرمیاہ باب ۱۷ - آئت ۹ - و یسعیاہ باب ۶۴ - آئت ۶ میں ہے - دل
سب چیزوں سے زیادہ حیلہ باز ہے - اور وہ نہائت فاسد ہے - اوس کو کون
دریافت کرسکتا ہے - ہم تو سب کے سب ایسے ہیں جیسے ناپاک چیز - اور ہماری
ساری راستبازیاں گندی دھجی کی سی ہیں - اور ہم سب پتے کی طرح کملاتے ہیں
اور ہماری بدکاریاں اندھی کی مانند ہمیں اوڑا دینگے -

ان عمومات میں مسیح بھی داخل ہے - لہذا ان نصوص کی شہادت سے وہ بھی
خطاکار یا گنہگار تھا -

عیسائی مسیح کو ان نصوص کے عموم سے مستثنے کرتے ہیں - تو وہ اسکی دلیل بیان
کریں - اور بتادیں کہ کیا مسیح انسان یا ابن آدم نہ تھا - اور وہ اپنی ماں کے پیٹ میں

نہیں رہا۔ اور اسی انسانی پیٹ سے نہیں نکلا۔ ۹ ان باتوں سے کسیکو انکار نہیں تو ہمکو ضرور ماننا پڑیگا کہ وہ اُن نصوص کے عموم کی شہادت سے خطاکار یا گنہگار تھا۔

مسیح کو انسان ہونے کے ساتھ خدا سمجھنے والے پروٹسٹنٹ و رومن کیتھلک وغیرہ عیسائی شاید یہ دلیل پیش کریں۔ کہ مسیح خدا بھی تھا نہ محض انسان اسلئے وہ ان عمومات میں داخل نہیں ہے۔ اسکا جواب یہ ہے۔ کہ پہلے مسیح کا خدا ہونا ثابت کرو۔ پھر اس دلیل کو مُنہ سے نکالو۔ اور جبتک اُسکی خدائی ثابت نہو۔ مسیح کو خطاکار گنہگار مانتے رہو۔

توحیدی عیسائی مسیح کو صرف انسان جانتے ہیں خدا نہیں مانتے۔ اور اون میں سے بعض نے بشریت صدور گناہ یا خطا کو جائز و ممکن بھی کہتے ہیں۔ چنانچہ صفحہ ۱ جلد ہذا میں اُنسے منقول ہوا۔ انکو ان عمومات میں مسیح کے داخل ہونیمیں کسی عذر کی گنجائش نہیں ہے۔ اور ان ہی لوگوں سے [illegible] مضمون [illegible] خطاب ہے [illegible] بھی اگر کہیں کہ مسیح انسان تو تھا مگر آدم کے نطفہ سے (جو خطا یا گناہ کا محل و مصدر رہی) نہ تھا (جیسا کہ دوسرے عیسائی کہتے ہیں) تو اونسے اوّل یہ سوال کیا جائیگا کہ پھر تم مسیح کو انسان و ابن آدم کیوں کہتے ہو (۲) اور اس سے خطا یا گناہ کا امکان کیوں مانتے ہو۔ (۳) اسپر کیا دلیل رکھتے ہو۔ کہ وہ نطفہ آدم آدم نہ تھا۔ (۴) مریم والدہ مسیح کون تھی۔ انسان یا کچھ اَور (۵) ہر ایک عورت کی منی (یا رطوبت یا انڈے کچھ ہی کہو) تولید میں دخل رکھتی ہے یا نہیں (۶) کیوں جائز نہیں کہ والدہ مسیح کی منی میں پوری قوت تولید ہو۔ یا اُن میں مرد و عورت دونوکے آلات تناسل و تولید موجود ہوں جیسا کہ بعض عورتوں میں مشاہدہ و تجربہ میں آچکا ہے۔ جسکا بیان صفحہ ۲۳۶ میں ہوگا۔ ان سوالات کے جواب میں انہوں نے تولید مسیح میں مریم کی مداخلت کو مان لیا۔ تو مسیح کا نطفہ انسان سے ہونا اون کو ماننا پڑے گا۔ اور عموم مذکور میں داخل ہونا اونکا مسلمہ ہوگا۔

انجیلی بحث کو ہم اس حد پر ختم کرتے ہیں۔ اور اپنے ناظرین اور مخاطب مسٹر اکبر مسیح

ہے اس بحث میں غور و خوض کرنیکی امید رکھتے ہیں اور داد حق چاہتے ہیں و اللہ ولی التوفیق و بیدہٖ ازمۃ التحقیق۔

اس مضمون میں بحث تو عصمت سے تھی۔ مگر اس بحث کے ضمن میں انجیلی مسیح کی تعلیم و معجزات پر کسیقدر بحث ہوگئی جسمیں بحث کرنیکا مسٹر اکبر مسیح کا ارادہ تہا۔ اور وہ آپکے خط ۱۱ اکتوبر ۱۹۰۵ء مندرجہ کشف نمبر ۲ جلد ۲ صفحہ ۴۷ میں ظاہر ہوا ہے

از انجملہ ایک امر بحث کے لائق حضرت مسیح کی پیدائش بھی ہے۔ جسکو مسٹر اکبر مسیح ایک معجزہ سمجھتے ہیں۔ اسکے متعلق اس مضمون کے ہم خاتمہ پر مسٹر اکبر مسیح کی پیش کردہ کتاب **تاویل الاحادیث حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی** کی عبارت بطور نوٹ پیش کرتے ہیں۔ اور اپنی طرف سے صرف اُسکا ترجمہ کردیتے ہیں۔ اور اُسپر اپنی کوئی رائے ہنوز ظاہر نہیں کرتے مسٹر اکبر مسیح اس عبارت میں غور کرکے بتاویں کہ اگر عقلی اور طبی قواعد سے اور یورپ کے [illegible] منی سے پیدا ہوئے تھے۔ اور ان کی منی میں قوت تولید موجود تھی یا اونمیں مرد و عورت دونو کے سے اسباب تناسل موجود تھے۔ جیسا کہ بعض مستورات میں یہ امر مشاہدہ میں آچکا ہے۔ اور بحسب شہادت اہل مشاہدہ مسیح کے نظائر اونکے بعد یورپ میں اور لوگ بھی ہوگذرے ہیں جو نہ نبی تھے نہ ایغامبر بلکہ وہ عام لوگوں سے تھے۔ اور وہ ایسی عورتوں سے پیدا ہوئے جنمیں دونو قسم کے آلات موجود تھے تو کیا پھر بھی حضرت مسیح کی پیدائش معجزہ کہلاے گی۔؟

جناب شاہ صاحب فرماتے ہیں۔

ثم ان مریم حاضت فی ایام سریان	پھر مریم کو اون دنوں جنمیں روحانی قوتونکا
قوی الروحانیات فی تلک البقعۃ	اس مکان میں جہاں مریم تھیں اثر سرائت
فلما طہرت انتبذت الی مکان بعید	کرگیا تھا۔ وہ ایام آئے جو عورتوں کو آتے ہیں
من الناس لتغتسل وسدلت سترا	پھر جب وہ پاک ہوئیں تو ایک دوسرے
ونزعت ثیابہا فارسل اللہ الیہا	مکان میں نہانے کیلئے لوگوں سے کنارہ

جبریل فی صورة شاب سوی الخلق
ممتلیا شبابا وجمالا فرأته مریم
وهی شابة قویة المزاج فخافت علی
نفسها الفساد والتجئت الی الله بقلبها
لیعصمها فکانت لها حالة عجیبة - اما
الطبعیة فحصل لها ما یحصل عند الجماع
من ثوران القوی النسلیة کما ان النظر
ربما کان سببا للانزال واما النفس
فحصل لها الالتجاء الی الله واعتصام
به حتی ملئت من حالة عصمیة
فائضة من الغیب - واما الصورة
الانسانیة فکانت علی شرف الظهور
لمخالطة الروح الامین ولما قال
جبرئیل علیه السلام انما انا رسول
ربک لاهب لک غلاما زکیا - ابتهجت
وانشرحت وانست ولما رای جبرئیل
هذا حالها نفخ فی فرجها فدخلت
النفخة رحمها فانزلت وکان فی
منیها قوة منی الذکر فحملت والتو
فی الجنین ما کان غالبا علی مریم
من الاعتصام بالله والالتجاء الیه

ہوگئیں - اور پردہ لٹکا دیا اور اپنے کپڑے
اُتار دیئے اُسوقت جو خداتعالےٰ نے جبرئیل
علیہ السلام کو ایک جوان انسان متساوی
الاعضاء جوانی اور جمال سے بھری ہوئی صورت
میں بھیجا مریم نے اونکو اوس حالت میں کہ
وہ بھی پوری جوان اور قوی المزاج تھیں
دیکھا تو اپنے نفس سے فساد کا خوف کیا - اور
دل سے خداتعالےٰ کیطرف التجا کی کہ وہ انکو
فساد سے بچاوے اسوقت اون کی
عجب حالت تھی طبیعت میں وہ جوش
پیدا ہوگیا تھا جو انسان کو بوقت صحبت ازدواج
پیدا ہوتا ہے - اور تناسل میں دخل رکھنے
والی قوتوں کو حاصل ہوتا ہے - اور بعض
اوقات صرف نگاہ کرنے سے انزال بھی
ہوجاتا ہے اور اُن کے نفس (دماغ) کو
خدا کیطرف التجا و توجہ تھی - یہانتک کہ
وہ اس حالت با عصمت سے جو غیب سے
فائض ہوتی تھی پُر ہوگئیں - اور انسانی
صورت دائمی بھی گئی) روح امین کے اختلاط
سے ظہور اور وجود کے کنارہ پر آپہنچی
تھی - اور جب جبرئیل نے کہا کہ میں خدا کا

والابتهاج والانبساط بالهيئة الملكية فان حالتها سرت في كل قوة من قوے نفسها حتے للمصورة والمولدة والامر ما امر الاطباء لمن اراد ان يذكر ولده ان يتصور في حالة الجماع غلاما والتوفيه حكم عالم المثال وخواص الروح من قبل نفخ جبرئيل ذهو السبب في التصور فحصلت في جبلته ملكة راسخة شبيهة بجبرئيل هذا معنے تائيد الله له بروح القدس (تاویل الاحادیث صـ ۵۹)

رسول ہوں تجھے پاکیزہ لڑکا دینے کو آیا ہوں تو اس سے آپکی طبیعت میں خوشی و انشراح الٰہی پیدا ہو گیا۔ جب جبرئیل نے انکا یہ حال دیکھا تو انکے ۔۔۔ میں پھونک ماری جس سے انکے رحم میں گدگدی پیدا ہو گئی اور انزال ہو گیا۔ انکی منی میں نر کی منی کی قوت (تولید) تھی سو جسکے وہ اپنی منی سے حاملہ ہو گئیں پھر جو صفات اُنمیں تھیں (خدا کیطرف التجا کرنا اور اس ملکی صورت سے خوش ہونا) وہ ان جنین (رحمی بچہ) میں بھی آ گئیں انکی وہ حالت خوشی و انشراح خاطر انکی ہر ایک نفسانی قوت مولدہ و مصورہ وغیرہ سب میں سرائت کر گئی۔ یہ وہی بات ہوئی جو طبیب کہتے ہیں کہ انسانی تربیت و خیالات کو بھی تولید میں دخل ہوتا ہے، جو شخص چاہے کہ لڑکا پیدا ہو وہ مجامعت کے وقت لڑکے کا تصور اپنے خیال میں جما وے اور اس میں بچے بھی ہیں عالم مثال کی تاثیر اور روح الامین کے خواص بھی شامل ہو گئے ہیں کیونکہ اسکے پیدا ہونے کا سبب جبرئیل تھا یہ معنی تائید روح القدس کے ہیں جو قرآن میں مذکور ہے اور اس سے پہلے صـ ۵۶ میں حضرت مریم کی پیدائش کے احوال میں کہا ہے۔ مریم (اپنی والدہ کی تاثیر قوت خیالیہ سے) بابرکت

فصارت مريم مباركة فيها امزاج من امزجة الفحول ونشات قوية الجسم كاملة المزاج صحيحة الفطرة والنظافة كالهيئة التي تكون لاكابر الرجال ولذلك قال النبي صلى الله عليه وسلم كمل من الرجال كثير الحديث وكانت مذكرة ضد والمؤنث من الرجال (تاویل الاحادیث)

ہو گئی جسمیں نر کا مزاج بھی شامل تھا اور قوی جسم کامل مزاج اچھی بناوٹ اور ستھرائی والی کامل مردوں کی ہیئت خصلت ہیں یہی وجہ ہے آنحضرت نے فرمایا کہ مردوں میں سے تو بہتیرے کامل ہو گذرے مگر عورتوں میں سے حضرت مریم۔ وہ ایک مردانہ عورت تھی بمقابلہ اُن مردوں کے جو مرد ہو کر زنانہ کہلاتے ہیں اس قول کا حاصل یہ ہے کہ گو مریم صورت میں عورت تھی مگر صفات مردوں و نر روح کی بھی رکھتی تھی۔ اب ہم اس مضمون کو ختم کرتے ہیں اور معترضین مسیح کو اجازت دیتے ہیں کہ جس مضمون پر چاہیں بحث کریں مگر بہتر یہ ہے کہ ایک ایک مضمون پر اور اسکی ایک ایک دلیل اور رسول و جواب پر تاکہ انکو بھی سہو ہو ور نہ کبھی انکے دلائل و جوابات کے جواب دینے کیلئے یکبارگی قلم اٹھانا پڑا تو آئندہ انکا اختیار ہم سے ظاہر جیسے ہے مگر بہتر یہی ہے کہ ہذا آخر الکلام والله الحمد والمنة والانعام وصلے الله على نبيه محمد وصفيه خير الرسل وافضلهم بلا كلام وعلى اله الكرام واصحابه العظام آمين ثم آمين يا رب العالمين

خطبہ

(یا لیکچر)

(جسمیں جلسہ اعظم مذاہب کے پانچوں سوال کا جواب ہے اور نبوت عامہ اور نبوت خاصہ محمدیہ کا ثبوت)

ریمارک۔ مدت ہوئی مرزا غلام احمد ساکن قادیان نے اسمضمون کا اشتہار دیا تھا کہ مختلف مذاہب کے سرکردہ فاضل جمع ہو کر اپنے اپنے مذہب کی خوبیاں بیان کریں میں اسلام کیطرف سے پیش ہو کر اسلام کی خوبیاں بیان کرونگا۔ اس اشتہار سے اونکا مقصود و خیال یہ تھا۔ کہ

جو میرے عقائد جدیدہ کیوجہ سے علماء اسلام نے مجھ پر فتوے کفر لگا دیا ہے۔ اور اُسکے سبب عام اہل اسلام کو مجھ سے وحشت و نفرت ہو گئی ہے۔ خصوصاً اوس ڈر سے۔ کہ عبداللہ آتھم اور میری منکوحہ آسمانی کے شوہر ثانی کی موت کے متعلق میری پیشگوئی جھوٹی ہو چکی ہے اسکا اثر اوٹھ جاوے یا کم ہو۔ اس مجمع میں عام مسلمان بھی مجتمع ہو جائیں گے اون کے سامنے ایسے عقائد مسلمہ اہل اسلام ظاہر کرونگا جنسے مجھے لوگ مسلمان جان لیں گے۔ اور میری طرف رجوع کرینگے۔ (جیسیکہ پہلے چند میری دام میں پھنسے ہوئے ہیں) جب وہ مجھے مسلمان سمجھکر میری دام میں آ جائیں گے تو پھر میرے وہ عقائد جدیدہ کو بھی مان لینگے۔ جیسا کہ پہلے دام افتادہ سادہ لوحوں نے مان لئے ہیں اس اشتہار کیطرف کسی نے توجہ کی نگاہ سے نہ دیکھا اور اوسکو مرزا کی معمولی لاف زنی و فریب ہی قرار دیا تو مرزا کا خیال دل کا دل ہی میں رہ گیا۔

اسی اثنا میں ایک ہندو سادہو شوگن چندر نام نے اسی قسم کے جلسہ کا اشتہار دیا تو مرزاجی نے اُسکو از بس غنیمت سمجھا۔ اور اسکو اپنے اس مدعا کے حصول اور اپنے جدیدہ عقاید مندرجہ رسایل کے برخلاف عقایدِ اسلامیہ کے اظہار کا کافی وسیلہ خیال کیا۔ یہ سوچکر اُنہوں نے اس سادہو اور اسکی ہندو کمیٹی اور معاونوں کو جنکے مضمون اشتہار کو اکثر ہندو آریہ نے قبول کیا تھا نہ عیسائیوں اور محمدیوں نے۔ اور وہ منتظر اور اس کے محتاج تھے کہ کوئی اونکی دعوت اشتہار کو قبول کرے) اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اور اونکی کمیٹی کے ممبروں اور منتظموں میں اپنے حواریوں اور خلفاء کو شامل کیا۔ انکے اوّل خلیفہ حکیم نورالدین صاحب اس کمیٹی کے چھ اشخاص ماڈریٹروں (منتظموں یا میر مجلسوں) میں سے ایک ماڈریٹر بنائے گئے۔ دوسرے خلیفہ رشید الدین صاحب ڈاکٹر چکراتہ۔ اس کمیٹی کے سکرٹریوں میں سے ایک سکرٹری بن گئے۔ تیسرے خلیفہ میاں کمال الدین صاحب پروفیسر انجمن حمایت اسلام [illegible] ایک ہو۔ سادہو مذکور قادیاں میں بھی بلوائے گئے۔ اور وہاں اون کو اپنے مدعا کے موافق تعلیم و تلقین ہوئی۔ اور ایک اشتہار بعنوان اشتہار واجب الاظہار بھی بنا دیا گیا۔ جو لفظ بلفظ وحرف بحرف مرزاجی کا بنایا ہوا ہے۔ کسی دوسرے کے ایک لفظ کا اسمیں دخل معلوم نہیں ہوتا۔ (چنانچہ ملاحظہ اشتہار سے ناظرین کو یقین ہو سکتا ہے) اور وہاں بھی اپنے مطبع میں مرزا نے اوسکو چھپوا دیا۔ اور وہیں سے شایع و مشتہر کیا۔

غرض اس جلسہ کو مرزاجی نے گویا اپنا جلسہ بنا لیا۔ اور اسکا اختیار اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ یہ بھی خیال عام اور اوسکا احتمال تام ہے۔ کہ یہ سوالات خمسہ جو جلسہ کیطرف سے مشتہر کیے گئے ہیں۔ یہ بھی مرزاجی کی تجویز سے مشتہر کیے گئے ہیں۔ مرزا نے اونکو وہی سوالات تجویز کر کے دیئے جنکے جوابات وہ مدت سے لکھ رہی تھی اور اون کو وہ نیو فیشن اور نئی روشنی کے مطابق عام پسند بنا چکے تھے۔

* وہ لوگ سپیکر (یعنو تقریر کنندہ) بنگئے۔ از انجملہ ایک منشی ناصر نواب نقشہ نویس خسر مرزا ہیں۔ ایک مبارک علی امام مسجد صدر بازار [illegible] سپیکر نہیں شامل ہونا۔ اسغرض سے تھا کہ وہ اپنا وقت بھی مرزا کو دیدیں چنانچہ ایسا ہی [illegible]

جب اس کمیٹی کا پہلا اشتہار متضمن سوالات و درخواست جواب کمیٹی کیطرف سے خاکسار کے پاس بمقام بٹالہ پہنچا۔ تو مینے سکرٹریوں میں مرزا کے خلیفہ رشیدالدین صاحب ڈاکٹر چکراتہ کا نام پڑہ کر فوراً سمجھ لیا۔ کہ اس جلسہ سے مرزاجی اپنا وہ کام نکالنا چاہتے ہیں (جس سے وہ اپنا اشتہار جاری کرنیکے بعد ناکام رہے تھے) اور عام مسلمانوں کے سامنے اپنی مسلمانی جتانے اور فتوے کفر و تکذیب پیشگوئی متعلقات موت عبداللہ آتہم اور اپنی منکوحہ آسمانی کے شوہر ثانی کے اثر کو مٹانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ یہ سمجھکر میں کمیٹی کی درخواست قبول کرنے میں متوقف و متردد ہوگیا۔ ایک تو یہ خیال آیا کہ اس جلسہ میں مرزانے اپنے عقاید جدیدہ کے برخلاف عقاید قدیمہ اسلامیہ کا اظہار کیا۔ تو اوس سے لوگوں کو دہوکہ لگے گا۔ لوگ اون کو مسلمان سمجھ جائیں گے۔ اور اون کے دام میں آئیں گے۔ دوسرا یہ خیال یہ آیا کہ اگر [illegible] و شامل نہ ہوا تو جلسہ میں مرزا کا یکطرفہ بیان وہی اثر بد پیدا کریگا۔

میں اسی تردد میں تھا کہ کارسپانڈنس سکرٹری انجمن حمائت اسلام لاہور کا خط اس مضمون کا میرے پاس پہنچا کہ انجمن حمائت اسلام نے اسلام کی طرف سے سوالات جلسہ کا جواب دینے کے لئے آپ کو وکیل منتخب کیا ہے اسی مضمون کا ایک خط مسلمانان وزیرآباد کی طرف سے مولوی حافظ عبدالمنان صاحب کا پہنچا۔ اور ایک خط انجمن اسلامیہ جہلم کی طرف سے منشی الہی بخش سکرٹری انجمن کا پہنچا۔

ان خطوط نے میرے اس تردد کو رفع کردیا۔ اور مجھے اس جلسہ میں شریک ہونے اور اسلام کی وکالت کرنے پر مامور و مجبور کیا مینے کمیٹی جلسہ کے نام جواب لکھدیا کہ میں جلسہ میں شامل ہونگا۔ اور اسلام کیطرف سے جواب سوالات ادا کرونگا انشاء اللہ تعالے

پھر میں جلسہ کے قریب لاہور پہنچا۔ تو عمائد و فضلاء اسلام کی ایک جماعت میرے پاس پہنچی اور مجھے اس جلسہ میں شامل ہونے سے اسوجہ اور عذر سے کہ یہ جلسہ مرزا اور اسکے اتباع و خلفاء کے ہاتھ میں آچکا ہے۔ اور اسمیں اُن ہی لوگوں کا پورا اختیار و دخل ہے روکا میں نے اس جماعت کو بھی وہی اپنا دوسرا خیال (کہ میرے شامل ہونیسے مرزا کا یکطرفہ بیان اثر بد پیدا کرے گا۔) سُنایا اور یہ بھی کہا کہ وعدہ کر لینے کے بعد میرا شامل جلسہ نہ ہونا اور بھی نامناسب امر ہے۔

۱۷۔ دسمبر ۱۸۹۶ء کو مرزا کے خلیفہ رشید الدین صاحب کا خط اسمضمون کا میرے نام پہنچا۔ کہ آپ اپنے بیان کے لئے کس قدر وقت لینا چاہتے ہیں۔ میں نے اسکا جواب اُسی تاریخ اون کو لکھدیا۔ کہ مجھے اپنے بیان کے لئے تین گھنٹہ وقت درکار ہے۔ اور اگر آپ مجھے اس سے کم وقت دینگے تو میں اُتنے ہی وقت میں اپنا بیان ختم کردوں گا۔ اسکا جواب مجھے مرزا کے خلیفہ نے نہ دیا۔ تو میں نے سکوت کو رضا سمجھ کر چالیس صفحہ کا مضمون (جسمیں اکثر صرف نوٹ تھے) تیار کیا۔

پھر جب جلسہ کا پروگرام (اشتہار تقسیم اوقات) شائع ہوا۔ اور اُسمیں میں نے اپنے بیان کیلئے صرف ایک گھنٹہ وقت پایا۔ (یہ مرزائی پارٹی کا پہلا حملہ خاکسار پر ہوا۔ وہ یہ نہیں چاہتے تھے کہ مرزا کے سوا کسی دوسرے کو بھی پورا وقت ملے۔ اور سچائی و محاسن اسلام کے اظہار کا کافی موقعہ ہاتھ آوے۔ اور حاضرین جلسہ پر اُسکا اثر نیک ظاہر ہو) تو میں نے اس کمی وقت کی شکایت ایک معزز ڈاکٹر پریزیڈنٹ یا میر مجلس (کمیٹی) بمعرفت سیکرٹری صاحب کے پاس لکھ کر بھیجدی۔ اسپر میر مجلس نے تو در سے یہ سفارش کی کہ ان کو دو گھنٹہ اوّل روز اور ایک گھنٹہ ۲۸ دسمبر کو وقت ملنا چاہیئے۔ سکرٹری جلسہ نے (اس میر مجلس) کی سفارش سے مجبور ہو کر مجھے پہلے دن دو گھنٹہ اور آخری دن میں (بشرط گنجائش) ایک گھنٹہ وقت دینا منظور کر لیا۔ (یہ حملہ مرزائی پارٹی کا خدا کے فضل سے۔ اور

اس میر مجلس کی سعی سے یوں خطا ہوا۔)

پھر جب خاکسار اپنے وقت پر جلسہ میں پہنچا۔ اور ایک تمہید کے بعد چند آیات قرآن کو پڑھا۔ تو مرزائی پارٹی نے کانا پھوسی شروع کر دی پھر ان کی آپس میں رقعہ بازی شروع ہو گئی۔ انہیں انہوں نے بعض کارکن ہندوؤں کو جو انکے ہاتھ میں تھے نیز شامل کر لیا۔ اور اس معزز میر مجلس کو جنھوں نے توسیع وقت کی سفارش کی تھی۔ اور حسن اتفاق سے ہوا جا رہا تقریر کے اپنے پانچ منٹ نام تھے بار بار اس مضمون کے رقعات لکھ کر دکھانا شروع کیا کہ تقریر کنندہ حدود سوالات جلسہ سے باہر ہو کر تقریر کر رہا ہے۔ جس سے انکا مقصود یہ تھا کہ وہ خاکسار کو تقریر کرنے سے روک دیں۔ (یہ دوسرا حملہ مرزائی پارٹی کا خاک پر ہوا۔) مگر چونکہ وہ میر مجلس صاحب خدا کے فضل سے سمجھ دار اور تجربہ کار تھے۔ اور وہ یقین رکھتے تھے کہ خاکسار جو کچھ کہہ رہا ہے۔ سوالات جلسہ کے عین مطابق کہہ رہا ہے لہذا ان رقعات کی طرف متوجہ نہ ہوئے۔ پران لوگوں کی کثرت عمل کو دماں دہی تسلی کرتے رہے۔ مجھے انہوں نے ایک دفعہ بھی ایما نہ کی۔ کہ آپ سوالات جلسہ سے باہر جا رہے ہیں۔ ایک دفعہ آپ اپنی کرسی سے اوٹھ کر میری کرسی کے پاس آئے۔ تو صرف اس امر کے خواہندگار ہوئے۔ کہ یہ بیان آپ کا نبوت عامہ کے ثبوت میں ہے۔ اب نبوت خاصہ محمدیہ کے ثبوت کا خلاصہ بھی پیش کرنا چاہیئے۔ اسلئے کہ آپکا وقت اب صرف آدھ گھنٹہ باقی رہگیا ہے۔ (یہ حملہ مرزائی پارٹی کا بھی خدا کے فضل اور میر مجلس موصوف کے انصاف عدل کی برکت سے دفع ہوا) خاکسار نے اپنے وقت کو پورا کرکے اپنی تقریر (جسمیں تمام مضمون سے کسی حصّہ کا خلاصہ و انتخاب اور کسی حصّہ کی تفصیل تھی) کو نا تمام چھوڑ دیا۔ اور باقی کا حوالہ آئندہ جلسہ پر کیا۔

میرے بیان کا اثر اس جلسہ پر کیا ہوا؟۔ اس سوال کا جواب اور اس اثر کا خود بیان کرنا میرا کام نہیں ہے اور مجھے یہ خواہش کرنا جایز و مباح ہے۔ کہ ناظرین و سامعین اُسکی

داد دیں - اور میری تقریر و بیان کو اچھا کہیں اور میری تحسین کریں - میں اس خواہش کو گناہ سمجھتا ہوں
اور اسکو شرک و ریا خیال کرتا ہوں - اور اسی وجہ سے میں قبل از بیان و تقریر حاضرین جلسہ کی خدمت میں
بادب التماس کرچکا تھا کہ میرا بیان سنکر یا اسکی اثناء میں حاضرین و سامعین داد نہ دیں تالیاں
نہ بجاویں چیرز نہ دیں - مرحبا جزاک اللہ نہ کہیں جیسا کہ اس جلسہ میں ہر ایک کی تقریر کیوقت
اور ہر ایک جلسہ میں جو نئی فیشن کے مطابق ہوتا ہے یہی دستور ہو رہا تھا - میری اس عاجزانہ
گذارش کو ارباب جلسہ نے قبول کیا - اور تمام جلسہ میں میرے بیان کے وقت سکوت و سناٹا رہا
صرف اختتام تقریر بابو پرتول چندرا اور ایک اور وکیل ہائیکورٹ الہ آباد مسٹر بینرجی وغیرہ نے تالیاں بجائیں
کیونکہ وہ اختتام تقریر کے قریب آئے تھے - انہوں نے میری اس عرض ممانعت کو نہ سنا تھا - بناءً علیہ اگر
اب میں کسی سے اپنی بیان کی خود تحسین کراؤں یا دوسرے آفرین اور اپنی تحسین چاہوں تو پھر
میں اسی شرک و ریا میں مبتلا ہوتا ہوں - ہاں اسقدر کہنے کو میں شرک و ریا اور اپنے نفس کی مدح
[illegible] صرف اسوجہ سے کہ وہ خدا
کا کلام اور اُسکا مطلب تھا - نہ اسوجہ سے کہ میرے الفاظ و تقریر و بیان اور لب و لہجہ و الحان
اچھا تھا) حاضرین و سامعین پر عجیب اثر تھا - اس اثر سے حاضرین جلسہ میں بجز چند اتباع مرزا
کوئی خالی نہ تھا - اتباع مرزا سے بھی بعض اشخاص پر وہ اثر تھا - ازانجملہ ایک شخص میاں کمال الدین صاحب
پروفیسر انجمن حمایت اسلام کالج ہیں جنہوں نے اس اثر کا اظہار جلسہ کے تیسرے دن ان الفاظ سے کیا (جو
مخبر دکن مطبوعہ ۴ جنوری ۱۸۹۷ء کے صفحہ ۴ (۶) کالم ۳ سطر ۲۳ و ۲۴ میں مشتہر ہوئے ہیں)
"مولوی صاحب! جب آپنے ابتداء تقریر میں قرآنی آیات پڑھیں تو میں نہایت ہی خوش ہوا -
چونکہ وہ ہمارے سوالات کے متعلق تھیں"
میاں کمال الدین صاحب کا یہ اظہار اس اثر پر کامل شہادت ہے - کیونکہ میاں کمال الدین صاحب کو مرزا کی وجہ سے
اس خاکسار سے سخت مخالفت ہے - اور یہ امر بطور مثل مسلم و مشہور ہے "الفضل ما شہدت بہ
الاعداء" - یعنے بزرگی وہی ہے جسکا اقرار دشمن بھی کرے - اس اظہار کے بعد جو میاں کمال الدین صاحب نے اسی

مخالفت کیوجہ سے خاکسار کی توجہ دوسری طرف منعطف ہو جانے پر افسوس ظاہر کیا ہے۔ اسکا جواب اس جلد کے
مضمون مخبر دکن کی جھوٹی مخبری میں دیا جائیگا۔ اور ثابت کیا جائیگا کہ خاکسار کی توجہ ایک لمحہ دوسری طرف نہیں ہوئی۔
حاضرین اہل اسلام علاوہ اقوام غیر کے فہمیدہ و سنجیدہ اشخاص پر بھی ان آیات اور انکے معانی کا بڑا اثر تھا جو
اسوقت انکی بشاش چہروں سے ظاہر ہوتا تھا۔ از انجملہ دو صاحبوں نے زبان سے بھی اسکا اظہار کیا۔ ایک صاحب
رائے بروا کانتہ تھیوسوفیکل پنجاب کے سکرٹری تھے جو اسوقت میرے بعد تقریر کرنیکو اٹھے اور صاف اقراری ہوئے کہ جیسا
بیان آپ لوگوں نے (خاکسار) کا کیا ہے مجھ سے ایسا نہوگا۔ اور علاوہ بر آں صریح الفاظ سے انبیاء کے مصدق ہوئے۔ دوسرے
صاحب ماسٹر درگا پرشاد پریزیڈنٹ کارکن کمیٹی جلسہ تھے جو اسی جلسہ کے دن شام کے قریب مجھے بازار میں ملے اور اس
خاکسار کے بیان آیات کی تعریف کرکے بولے کہ ہمکو اسلام کی یہ حقیقت معلوم نہ تھی جو آج معلوم ہوئی۔
اس بیان خاکسار کے بعد یہ عام آوازہ ہوگیا کہ مسلمانوں میں ایک لیکچرار ہے یہ امر مرزائی پارٹی پر نہایت شاق گذرا انہوں نے
اسیوقت سے یہ مشہور کرنا شروع کردیا کہ فلاں شخص کا مضمون سوالات جلسہ کا جواب نہ تھا بلکہ ایک معمولی وعظ تھا جسکو سوالات
جلسہ سے [illegible] بیان آیات قرآن
کو سوالہائے مؤثر اور متعلق سوالات جلسہ تسلیم کیا۔ دوسرے دن صبح کو میر مجلس منتظم اجازت تقریر
خاکسار کو غریب خانہ پر تشریف لائے اور فرمایا کہ اسوقت میں آپکو مکان پر نہ آتا کیونکہ رات کسیقدر علیل رہا ہوں میں
صرف اسواسطے آیا ہوں کہ آپکو مبارکباد دوں۔ کہ آپکا بیان عمدہ ہوا ہے۔ دوسرے دن مرزا کا مضمون پڑھا جاتا تھا
اسمیں مرزا کے اتباع و خلفاء کا خوب جمگھٹا ہوا جو دور دور سے سیالکوٹ جموں وزیرآباد لودھیانہ بھوپال امروہہ تک
سے بلائے گئے تھے انہوں نے اس مضمون پر جا بجا خوب چیرز دی اور تالیاں بجائیں جنمیں عام لوگ بھی انکے شریک ہوگئے۔ خاکسار
تو سوائے وقت اپنے بیان کے جلسہ میں نہیں پہنچا۔ اور نہ مرزا کا مضمون اپنے کان سے سنا۔ مگر سنجیدہ اور فہمیدہ لوگوں نے
بیان کیا ہے کہ وہ مضمون نئے فیشن نئی تعلیم نئی روشنی کے موافق تھا۔ اور عوام کو خصوصاً سکول کے طلباء کو خوش کرنے والا مگر
خواص اور خصوصیت کے ساتھ علماء اسلام اس سے سخت ناراض ہوئے۔ اور اس کے مرشاکی بھی ہوئے کہ اس مضمون میں مرزا کی ایسی باتیں
بھی پائی گئی ہیں جو شریعت اور تحقیق کے برخلاف ہیں بلکہ بعض کفر ہیں تاہم اسپر ابھی ہم پورے طور سے ظاہر نہیں کرسکتے جبتک کہ وہ مضمون چھپکر
شایع نہیں ہوتا جب وہ شایع ہوگا تو لوگ خود دیکھ لینگے اور ہم بھی اسپر مفصل ریویو کرینگے انشاء اللہ تعالیٰ۔

٭ اس ریمارک کی کاپی ہو جانیکے بعد ہم نے ایک حصہ اس مضمون کا اخبار مخبر دکن مدراس مطبوعہ ۲۱ جنوری [illegible] میں دیکھا تو اس
مضمون سے مناسب حال یہ شعر ہمکو یاد آیا ؎ بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا ٭ جو چیرا تو اک قطرۂ خوں نکلا
تعریف کرنیوالوں کے دین اور علم اور فہم پر افسوس آیا انکی تعریف کے مناسب حال یہ شعر خیال میں گزرا ؎ صائب دو چیز میشکند قدر شعر را ٭ تعریف ناشناس و سکوت قدر شناس ٭ اس مضمون کے مذمت کرنیوالوں
کی صدق بیان کا یقین ہوا۔ کیونکہ اس مضمون کے شروع ہی میں الحاد سے کام لیا گیا ہے۔ دیکھئے آگے کیا نکلتا ہے ؎ پہلی منزل عشق ہے روتا ہے کیا ٭ آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا۔ اس اجمال کی تفصیل ناظرین اس مضمون کے پورے
چھپ جانے کے بعد اسکے ریویو میں دیکھینگے انشاء اللہ تعالیٰ ۱۲

اس جلسہ میں مرزا کے خلفائے مرزا کا وہ اشتہار شائع کیا جس میں انہوں نے اپنے مضمون کے غالب رہنے کی پیشگوئی کی تھی جسکی وجہ عموماً یہ خیال کیجاتی ہے کہ سوالات جلسہ انہی کے مجوزہ سوالات تھے اور انکے جوابات وہ مدت سے تیار کر کے اپنے خیال میں انکو نئے فیشن نئی تعلیم نئی روشنی کے مطابق کر چکے تھے۔ اسوجہ وہ یقین رکھتے تھے کہ نئے خیال کے لوگوں خصوصاً نئی تعلیم یافتوں میں یہی پسند ہوگا۔ اس مضمون کے پڑھے جانے کے بعد بھی وہی صاحب میر مجلس مہتمم اجازت تقریر خاکسار سے کئی دفعہ ملے تو پھر بھی اس امر کے مظہر ہوئے کہ گو عوام میں مرزا کے مضمون کی تحسین ہوتی ہے۔ مگر میں تو اب بھی آپ ہی کے بیان کو (جو قرآن کا بیان تھا) ترجیح دیتا ہوں اور اعلیٰ و عمدہ کہتا ہوں۔

مگر مرزائی پارٹی نے مرزا کے مضمون کی صفت و ثنا میں شور و غل مچا دیا ہے۔ اور متعدد اخباروں میں چھپوا دیا کہ مرزا کے مضمون کے برابر کسی دوسرے کا مضمون نہ تھا۔ بلکہ خود سرگروہ پارٹی مرزا جی نے بھی رسالہ انجام آتھم کے ضمیمہ میں اس مضمون کی تعریف میں حد سے زیادہ مبالغہ کیا ہے۔ اور اپنے بیان کی تائید و شہادت میں ان ہی اخباروں کا حوالہ دیا ہے جنہیں انکے اتباع و خلفا نے اون کی تعریف اور دوسروں کی مذمت چھپوائی ہے۔ از انجملہ ایک اخبار مخبر دکن ہے جس نے نہ صرف اپنی رائے [illegible] بیان میں دروغ گوئی کی ہے انشاء اللہ ہم مضمون خطبہ کو ختم کرنے کے بعد مضمون "مخبر دکن کی جھوٹی مخبری" میں اوس دروغ گوئی کا اظہار کرینگے اور اسی کے مقبولہ و مسلمہ گواہوں کی شہادت سے ثابت کرینگے کہ اسکے بیان میں دروغ گوئی پائی جاتی ہے۔ اس کیطرف سے یا اوسکے نامہ نگار یا ایڈیٹر کیطرف سے۔

ایک چیز کے اچھے یا برے ہونے کی نسبت جو رائے اخبار نویس یا عام اہل الرائے قائم کریں وہ محل تعجب و اعتراض نہیں۔ مگر واقعات کی از خود تولید اخبار نویس کا منصب نہیں ہے۔ اور نہ اوس کے کارسپانڈنٹ کا ہی ہے۔ جو ایسا کریگا وہ ضرور پکڑا جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے منجملہ اون اخباروں کے جنہوں نے اس معاملہ میں خلاف صواب کہا ہے۔ صرف مخبر دکن سے تعرض کیا ہے۔

باقی حصہ مضمون کے بیان کیلئے جو مجھے آخری دن وقت دینے کا سیکرٹری کمیٹی نے وعدہ دیا ہوا تھا وہ بھی مرزائی پارٹی نے (جسکے ہاتھ میں کمیٹی کی باگ تھی) منسوخ کرا دیا۔ اسکا پروگرام شائع ہو تو اسمیں میری بیان کیلئے وقت نہ تھا یہ تیسرا حملہ مرزائی پارٹی کا مجھ پر ہوا۔ مگر یہ حملہ بھی خدا کے فضل سے رد ہی

جواب سوالات جلسہ

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ
من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدی اللہ فلا مضل لہ و
من یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ
ونشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ - **امّا بعد صاحبان!**

قبل از بیان مقصود دو امر کی تمہید ضروری ہے۔

(۱) یہ جلسہ چونکہ جلسہ اعظم مذاہب [illegible] جلسہ کی جو اغراض
اربعہ بیان ہوئی ہیں (۱) مذہب کے واسطے عوام میں دلچسپی پیدا کرنا۔ (۲) مذہب کے
حاصل کرنے کے واسطے سہل اور عملی طریقے پیدا کرنا۔ (۳) مذہبی معاملات میں
تحمل پیدا کرنا۔ (۴) جسمانی اخلاقی اور روحانی ترقی کے وسائل پیدا کرنا۔ ان سب کا
رجوع مذہب ہی کی طرف ہے۔ اور جن سوالات کے جوابات اسوقت جلسہ کو مطلوب
ہیں۔ ان سب کا رجوع بھی مذہب ہی کیطرف ہے۔ لہذا مناسب ہے کہ قبل از جواب بر
سوالات مذہب کے معنے و مراد کی تشریح کی جائے۔ تاکہ حاضرین و سامعین کو
معلوم ہو کہ اغراض جلسہ اور اسکے سوالات اور جوابات مجیب میں کس معنے کی رو سے
مذہب پیش نظر ہے۔

پس واضح ہو کہ دنیا میں کوئی فرد بشر جو عقل و شائستگی کا مدعی ہے۔ مذہب سے
خالی نہیں ہے۔ جو لوگ دنیا میں لامذہب یا فری تھنکر (آزاد منش) کہلاتے ہیں

وہ بھی ایک مذہب رکھتے ہیں - جو اون کے دل ودماغ نے اون کو بتایا ہے - یا
کسی دوسرے کی تعلیم وتقلید سے اُنہون نے اختیار کیا ہے - اور لامذہبی بھی ایک
مذہب ہے - گو دوسرے اہل مذاہب اوسکو لامذہبی کے نام سے موسوم کرتے ہیں
ولیکن میرا یہ خیال ہے - کہ اس جلسہ کی اغراض وسوالات کو اس وسیع معنے مذہب سے
کوئی تعلق نہیں ہے - اور نہ اس مذہب کی دلچسپی عوام میں پیدا کرنا اِس جلسہ کا مقصود
ہے - کیونکہ اس معنے کر مذہب آزادی پسند طبیعتیں خود بخود اختیار کر لیتی ہیں -
اسکی رغبت دلانے اور اوس کے لئے دلچسپی پیدا کرنے کے لئے نہ کسی کی ترغیب کی
حاجت ہے - نہ جلسے ومباحثے کرنے کی ضرورت ہے - اور نہ اس مذہب سے
دنیا کے لئے اس فائدہ کی توقع وامید کی جا سکتی ہے - جو مذہب بمعنے خاص سے
(جو آئندہ بیان ہوگا) متوقع ہے - بلکہ جلسہ کی اغراض کو اسی مذہب سے تعلق ہے
جو آسمانی مذہب کہلاتا ہے - اور اسی مذہب سے اوسکے سوالات کا تعلق ہے - اور
اسی مذہب کی تائید وترغیب ہمارے جوابات میں اور اس جواب کے متضمنہ آیات
قرآن میں مطلوب ومد نظر ہے -

(۲) سوالات جلسہ کے جواب میں جو آیات پڑہی جائیں گی - اور جو اون کی تفسیر
وتشریح ہوگی اُن سے جملہ مذاہب حقہ وادیان منزلہ کی جو خدا کی طرف سے ہیں -
(خواہ وہ عرب کے ہوں یا عجم کے - یوروپ کے ہوں خواہ ایشیا کے - امریکہ کے ہوں
خواہ افریکہ کے - ہندوستان کے ہوں خواہ فارس یا ترکستان یا دیگر بلاد عمران کی)
تصدیق وتائید پائی جاتی ہے - کسی آسمانی دین یا مذہب حق کی تکذیب یا تردید ان
آیات کا مطلب نہیں ہے - لہذا حاضرین وسامعین توجہ سے ان آیات کا مطلب
سنینگے تو اوس سے فائدہ اوٹھائیں گے - اور محظوظ ہونگے - کوئی صاحب مذہب آسمانی
انکے فائدہ سے محروم نہ رہیں گے - اور ناخوش نہ ہونگے -

ما برائے وصل کردن آمدیم ٭ نے برائے فصل کردن آمدیم

تمہید ہو چکی۔اب سوالات جلسہ کا جواب دیا جاتا ہے۔ پس واضح ہو کہ سوالات جلسہ جنکا جواب اوسکو مطلوب ہے۔ پانچ ہیں (۱) انسان کے جسمانی اخلاقی اور روحانی حالتوں کا بیان (۲) عقبیٰ کا ذکر۔ (۳) دنیا میں انسان کی ہستی کی غرض کیا ہے۔ اور وہ کس طرح حاصل ہو سکتی ہے۔ (۴) افعال کا اثر دنیا اور عاقبت میں کیونکر ہوتا ہے۔ (۵) علم حاصل ہونے کے ذریعے۔

ان سوالات کے جوابات اگر کوئی شخص صرف اپنے عقل کی تجویز سے دے گا تو درصورت پاپولر (عام پسند) اور یوسفل (مفید) ہونے ان جوابات کے وہ جواب اسی شخص کی عقل اور ذاتی لیاقت کا نتیجہ سمجھے جائیں گے۔ اور جس مذہب کا وہ مدعی ہے اور اسکی خوبی وسچائی بیان کرنے کے لئے کھڑا ہوا ہے۔ اس مذہب کی خوبی وسچائی پر وہ جوابات دلیل مسلم نہ ہونگے۔ کیونکہ جبحالت میں اسکا مذہب ان جوابات سے محض ساکت ہے اور وہ اپنی عقل کی تجویز سے ان جوابات کو اپنے مذہب کی طرف سے اور اوسکی تائید میں پیش کرتا ہے۔ تو وہ اور اوسکا مذہب مثل مشہور "مدعی سست وگواہ چست" کے مصداق ہیں۔ اور ان جوابات سے اوس کے مذہب کی صداقت وفضیلت کا ثبوت ناممکن ہے۔ لہذا مناسب ہے کہ جو شخص اپنے مذہب کی تصدیق وتائید کے لئے ان سوالات کے جوابات پیش کرنا چاہے وہ اپنے مذہب ہی کی کتاب سے ان جوابات کو نکال کر پیش کرے۔

بنا ءً علی ہذا میں جو اسلام کی طرف سے وکیل ہو کر اسلام کی تائید واظہار سچائی کے لئے اس جلسہ میں شامل وحاضر ہوا ہوں۔ ان سوالات کے جوابات اپنے مذہب کی مقدس کتاب قرآن کریم سے نکال کر پیش کرتا ہوں۔ مگر ان جوابات پیش کرنے سے پہلے اس امر کا جتا دینا اور بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ کہ قرآن کریم کا نزول سوالات

جلسہ کی ترتیب پر نہیں ہوا۔ اور ترتیب آیات قرآن بھی سوالات جلسہ کی ترتیب کے مطابق نہیں ہے۔ لہذا میرے ذمہ یہ امر لازم نہیں ہے کہ جو آیات میں پیش کروں وہ اپنے مضامین کے بیان میں ترتیب سوالات جلسہ کے مطابق اور اوسکے تابع ہوں۔ اور نہ یہ مناسب ہے کہ میں ان آیات کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے انکو سوالات کی ترتیب پر بیان کروں۔ بلکہ ان سوالات کا جواب ادا ہونے کے لئے یہ امر کافی ہے۔ کہ سوالات کے جواب میں آیات قرآن پڑھ کر اون کی ایسی تشریح کر دوں جس سے جوابات ظاہر و ادا ہوں خواہ ایک آیت میں ایک سوال کا جواب ادا ہو یا ایک آیت میں متعدد سوالات کا جواب ادا ہو۔ یا ایک سوال کا جواب متعدد آیات میں ادا ہو۔

پہلے چاروں سوالات کا جواب آیات ذیل میں ہے

(۱) تبارک الذی بیدہ الملک وھو علی کل شیء قدیر الذی خلق الموت والحیوۃ لیبلوکم ایکم احسن عملا۔ (ملک۔ ع ۱)

(۱) بابرکت ہے وہ جسکے ہاتھ میں بادشاہت ہے (دنیا و عقبیٰ کی) اور وہ ہر چیز پر (جو ممکن الوجود ہے) قادر ہے۔ وہ جس نے نیستی اور ہستی کو اسلئے بنایا کہ تمہارا حال (تمہارے اعمال کا نتیجہ ظاہر ہونے سے) سب پر کھل جائے۔ کہ تم میں سے اچھے عمل والا کون ہے۔

(۲) ولقد خلقنا الانسان من سلالۃ من طین ثم جعلنہ نطفۃ فی قرار مکین ثم خلقنا النطفۃ علقۃ فخلقنا العلقۃ مضغۃ فخلقنا المضغۃ عظاما فکسونا العظام لحما ثم انشانٰہ خلقا اٰخر فتبارک اللہ احسن الخالقین۔ ثم

(۲) بیشک ہم نے بنایا آدمی کو چنی مٹی سے۔ پھر اوسکو قطرہ بنا کر مضبوط ٹھہراؤ کی جگہ (رحم میں) رکھا پھر نطفہ کو چھیچھڑا بنایا پھر چھیچھڑے کو گوشت کا ٹکڑا بنایا پھر گوشت سے ہڈیاں بنائیں۔ پھر ہڈیوں کو گوشت پہنایا۔ پھر اوس کو اور صورت

انکم بعد ذلک لمیتون۔ ثم انکم یوم القیامۃ تبعثون (المومنون۔ ع ۱)	(پوری انسان) میں پیدا کیا۔ سو خدا بڑی برکت والا ہے۔ سب سے بہتر بنانے

والا۔ پھر تم اس کے پیچھے مرنے والے ہو۔ پھر تم قیامت کے دن اٹھائے جاؤ گے۔

(۳) لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم ثم رددناہ اسفل سافلین الا الذین امنوا وعملوا الصالحات فلھم اجر غیر ممنون (والتین۔ ع ۱)	(۳) بے شک ہم نے انسان کو اچھے انداز پر پیدا کیا۔ پھر اوس کو سب نیچے والوں سے نیچے کر دیا۔ بجز اُن لوگوں کے جو ایمان لائے۔ اور اُنہوں نے اچھے عمل

کئے۔ اون کے لئے (اچھے عملونکا) بدلہ ہے جو کبھی موقوف نہ ہو گا۔

(۴) ولقد مکنٰکم فی الارض و جعلنا لکم فیھا معایش قلیلا ما تشکرون (اعراف۔ ع ۱)	(۴) بلا ریب ہمنے تمکو زمین میں (آسائش کی) جگہ دی اور تمہارے لئے سامان عیش مہیا کر دیئے (پر) تم بہت ہی کم شکر کرتے ہو۔
(۵) ولقد کرمنا بنی ادم وحملناھم فی البر والبحر ورزقناھم من الطیبات وفضلناھم علی کثیر ممن خلقنا تفضیلا۔ (بنی اسرائیل۔ ع ۸)	(۵) بلا شبہ ہم نے آدم کی اولاد کی عزت کی اور اُنکو جنگل اور دریا میں سواری دی اور ستھری چیزوں سے روزی دی اور بہتیری مخلوقات (حیوانات وغیرہ) پر بزرگی دی۔
(۶) الم تروا ان اللہ سخر لکم ما فی السموات وما فی الارض و اسبغ علیکم نعمہ ظاھرۃ وباطنۃ (لقمان۔ ع ۲)	(۶) کیا تم نے نہیں دیکھا کہ خدا تعالے نے تمہارے کام میں لگا رکھا ہے جو کچھ آسمان و زمین میں ہے۔ اور تم کو کھلی اور چھپی نعمتیں پوری دی ہیں۔
(۷) واذ تاذن ربکم لئن شکرتم لازیدنکم۔ ولئن کفرتم ان عذابی	(۷) تمہارے ربنے تمکو خبر دیدی ہے کہ اگر تم میری نعمتوں کا شکر کرو گے تو میں

لشدید (ابراہیم ع-۱)

(۸) اللہ الذی خلق السموات والارض وانزل من السماء ماء فاخرج بہ من الثمرات رزقا لکم وسخر لکم الفلک لتجری فی البحر بامرہ وسخر لکم الانھار وسخر لکم الشمس والقمر دائبین وسخر لکم اللیل والنھار واتاکم من کل ماسالتموہ۔ وان تعدوا نعمت اللہ لاتحصوھا ان الانسان لظلوم کفار (ابراہیم ع ۱۵-)

(۹) واعبدوا اللہ ولا تشرکوا بہ شیئاً۔ وبالوالدین احساناً و بذی القربی والیتامی والمساکین والجار ذی القربی والجار الجنب والصاحب بالجنب وابن السبیل وما ملکت ایمانکم ان اللہ لایحب من کان مختالا فخورا۔ (سورہ نساء ع ۱۲-)

(۱۰) ان اللہ یامر بالعدل والاحسان وایتاء ذی القربیٰ و

انکو بڑہاؤنگا۔ ناشکری کروگے توتم پر میرا عذاب سخت ہوگا۔

(۸) اللہ وہ ہے جس نے آسمان اور زمین بنائے اور آسمانوں (کی طرف) سے پانی برسایا جس سے تمہارے لئے پھلوں سے روزی نکالی۔ اور تمہارے کام میں کشتیاں لگادیں جو دریا میں خدا کے حکم سے چلتی ہیں اور نہریں تمہاری تابع کردیں۔ اور سورج چاند کو تمہارے کام میں لگادیا جو دستور کے موافق چلتے ہیں۔ اور رات اور دن کو تمہارے کام میں لگادیا۔ اور جو کچھ تم نے مانگا تمکو دیا۔ تم خدا کی مہربانیوں کو گنو تو گن نہ سکوگے انسان بے انصاف ہے ناشکر۔

(۹) خدا کی عبادت کرو اور (اس عبادت میں) کسی چیز کو اُسکا شریک نہ بناؤ۔ اور ماباپ۔ قرابتیوں۔ یتیموں۔ مسکینوں نزدیک اور دور کے ہمسایوں۔ ہم پہلو ساتھیوں۔ مسافروں اور غلاموں سے حسن سلوک کے ساتھ پیش آؤ۔ خدا کو تکبر اور فخر کرنے والے خوش نہیں لگتے۔

(۱۰) اللہ عدل اور احسان کرنے کا۔ اور

ینھی عن الفحشاء والمنکر والبغی یعظکم لعلکم تذکرون (نحل - ع ۱۳ -)

(۱۱) وقضی ربک ان لا تعبدوا الا ایاہ وبالوالدین احسانا اما یبلغن عندک الکبر احدھما او کلاھما فلا تقل لھما اف ولا تنھرھما وقل لھما قولا کریما واخفض لھما جناح الذل من الرحمۃ وقل رب ارحمھما کما ربیانی صغیرا - ربکم اعلم بما فی نفوسکم ان تکونوا صالحین فانہ کان للاوابین غفورا - وات ذا القربی حقہ والمسکین وابن السبیل - ولا تبذر تبذیرا - ان المبذرین کانوا اخوان الشیاطین وکان الشیطان لربہ کفورا الخ (بنی اسرائیل - ع ۳ -)

(۱۲) وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون - ما ارید منھم من رزق وما ارید ان یطعمون - ان اللہ ھو الرزاق ذو القوۃ المتین (ذاریات - ع ۳ -)

خاصکر قرابتیوں کو دینے کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی اور گناہ کے کاموں اور سرکشی سے روکتا ہے - کہ تم نصیحت پکڑو

(۱۱) خدا نے حکم دیا ہے کہ اسکے سوا کسی کی عبادت نہ کرو - ماں باپ سے اچھا سلوک کرو - اون کے بڑھاپے پر اون کی بے ادبی نہ کرو - نرمی اور شفقت سے پیش آؤ - قرابتی مسکین - مسافر کو اوسکا حق دو فضول خرچی نہ کرو - اپنی اولاد (لڑکیوں) کو فقیری کے خوف سے قتل نہ کرو - زنا اور قتل [illegible] یتیم کے مال کی حفاظت کرو - ماپ تول میں کمی نہ کرو - جس بات کا علم نہ ہو اوسکے درپے نہ ہو - زمین میں اکڑ کر نہ چلو - خدا کے ساتھ عبادت میں کسی کو شریک بناؤ -

(۱۲) مینے جن اور آدمی اور کسی کام کے لئے نہیں بنائے - بجز اس کے کہ وہ میری عبادت کریں - میں اون سے (کوئی) روزی نہیں چاہتا - اور نہ یہ کہ مجھے کچھ کھلاویں -

(۱۳) کیا تم نے یہ خیال کر لیا ہے - کہ

(۱۳) افحسبتم انما خلقناکم عبثا وانکم الینا لا ترجعون - فتعالی اللہ الملک الحق لا الٰہ الا ھو رب العرش الکریم (مومنون - ع - ۶ -)

ہم نے تم کو کھیل کے طور پر بنایا ہے۔ جبکا کوئی نتیجہ نہیں ہوتا) اور تم ہماری طرف لوٹائے نہ جاوگے۔ اللہ سچا بادشاہ (اس خیال سے) بالاتر ہے۔ اُسکے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔ وہ بڑے تخت کا مالک ہے۔

(۱۴) کما بدأنا اول خلق نعیدہ وعدًا علینا انا کنا فاعلین (انبیاء - ع - ۷ -)

(۱۴) جیسا ہم نے مخلوق کو شروع میں بنایا ایسا ہی ہم اسکو لوٹائیں گے۔ ہمپر وعدہ ہوچکا ہے۔ ہم اُسکو پورا کرنے والے ہیں۔

(۱۵) ما خلقکم ولا بعثکم الا کنفس واحدۃ ان اللہ سمیع بصیر۔ (لقمن - ع - [illegible])

(۱۵) تم سب کا پیدا کرنا۔ اور اوٹھانا اور کچھ نہیں مگر جیسا ایک جی کا پیدا کرنا اور اوٹھانا۔ اللہ تعالیٰ سننے والا دیکھنے والا ہے۔ (جہاں کہیں اور جس صورت میں کوئی ہے۔)

(۱۶) قالوا کیف یحیی العظام وھی رمیم - قل یحییھا الذی انشأھا اول مرۃ - وھو بکل خلق علیم (یٰسٓ - ع -)

(۱۶) وہ بولے خدا ہڈیوں کو جبکہ وہ بوسیدہ ہوجائینگی۔ کیونکر زندہ کریگا تو (جواب میں) کہدے وہ زندہ کریگا جس نے اونکو پہلی بار بنایا۔ وہ ہر (حالت) مخلوقات کا علم رکھتا ہے۔

(۱۷) اللہ یتوفی الانفس حین موتھا والتی لم تمت فی منامھا فیمسک التی قضی علیھا الموت ویرسل الاخری الی اجل مسمی ان فی ذلک لاٰیٰت لقوم یتفکرون - (زمر - ع - ۵ -)

(۱۷) اللہ تمام جانوں کو اون کے موت کے وقت مارتا ہے۔ اور جو نہیں مرتے اُن کو نیند میں ایک (قسم کی موت سے) قبض کرتا ہے۔ پھر (ان میں سے) جن کی

موت کا وقت پورا ہو چکتا ہے۔ اوس کو روک رکھتا ہے۔ (ایسے کئی دیکھے گئے ہیں۔ جو سوئے ہیں تو پھر نہیں اُٹھے۔) اور دوسرے کو (جن کی میعاد باقی ہوتی ہے) ایک وقت مقرر تک چھوڑ دیتا ہے۔ اس میں فکر والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔ (کہ وہ اسی طرح سب کو مار کر اوٹھائے گا۔ کیونکہ ہر روز موت اور ہر روز حشر دیکھنے میں آتا ہے نیند کے وقت جان قبض ہونے میں علماء اسلام کے دو قول ہیں۔ ایک تو یہ کہ۔ روح حیات بدن سے جدا ہو جاتی ہے۔ صرف اسکا ظل اور عکس جسم پر پڑتا ہے۔ دوسرا یہ کہ صرف روح مدرکہ جدا ہوتی ہے۔ بہر حال کوئی چیز تو مقبوض ہوتی ہے جو پھر لوٹائی جاتی ہے۔ یہ حشر بعد الموت کے لئے کافی نظیر ہے۔

(۱۸) فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ۔ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ (الزلزال [illegible])

(۱۸) جو ذرہ بھر نیکی کرے گا (اوسکا اجر دنیا میں خواہ آخرت میں) دیکھ لیگا جو ذرہ بھر بدی [illegible] اسکا بدلہ دنیا میں خواہ آخرت میں مشاہدہ کرے گا۔

(۱۹) لھم البشری فی الحیوۃ الدنیا وفی الآخرۃ (یونس۔ ع۔ ۷۔)

(۱۹) مومنوں کو دنیا اور آخرت میں (دو نو جگہ نیک عملوں کے بدلہ کی) خوشخبری ہے۔

(۲۰) لھم عذاب فی الحیوۃ الدنیا ولعذاب الآخرۃ اشق (الرعد۔ ع۔ ۵۔)

(۲۰) کافروں میں سے دنیا میں بھی (کسی کو) عذاب ہے۔ اور آخرت میں (سب کو) سخت عذاب ہے۔

(۲۱) وما اصابکم من مصیبۃ فبما کسبت ایدیکم ویعفوا عن کثیر (شوریٰ۔ ع۔ ۴۔)

(۲۱) جو کچھ تم کو دُکھ مصیبت (دنیا میں) پہنچتی ہے۔ یہ تمہارے اعمال کا بدلہ ہے۔ اور بہتیرے گناہوں سے (تمہے) دنیا میں درگذر بھی ہو جاتی ہے۔

(۲۲) ولا تحسبن اللہ غافلا عما یعمل الظالمون۔ انما یؤخرھم لیوم تشخص فیہ الابصار۔ (ابراہیم۔ ع۔ ۷)	(۲۲) جن ظالموں کو دنیا میں بدلہ نہیں ملتا۔ اون کے ظلم سے خدا تعالےٰ کو غافل نہ سمجھ۔ انکو وہ اس دن تک ڈھیل دیتا ہے جس میں آنکھیں پتھرا جائیں گی۔ (یعنے قیامت کے دن تک)۔
(۲۳) افنجعل المسلمین کالمجرمین مالکم کیف تحکمون (سورہ ن۔ ع۔)	(۲۳) کیا ہم فرمانبرداروں اور گنہگاروں کو برابر کردینگے؟ تمہیں کیا ہوگیا کیسی باتیں کہتے ہو۔
(۲۴) ما یبدل القول لدی و ما انا بظلام للعبید۔ (ق۔ ع)	(۲۴) میرا وعدہ جزا و سزا بدلا یا جائیگا میں بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہوں۔

تشریح۔

آیات نمبر ۱ و ۲ میں بجواب سوال اول جواب ہے۔ پہلی آئت میں ایک جسمانی حالت انسان مندرجہ سوال اول (پیدائش) کا ذکر ہے۔ اور اس پیدائش کی غرض کا بیان اور دنیا و عقبیٰ میں اسکا نتیجہ ظاہر ہونے کا ذکر ہے۔ دوسری آئت میں جسمانی حالت انسانی کے مراتب و درجات کا ذکر ہے۔ پھر اوس کی موت اور عاقبت میں اوٹھائے جانے کا بیان۔

اور آیات نمبر ۳ و ۴ و ۵ میں جواب سوال اول کے متعلق انسان کی جسمانی اخلاقی اور روحانی حالتوں کا بیان ہے۔ کہ انسان جسمانی بناوٹ و انداز میں اور حیوانات سے افضل ہے۔ اہل انصاف انسان کے ہاتھ۔ پاؤں۔ ناک۔ کان۔ آنکھ۔ وغیرہ اعضاء کا مقابلہ۔ اور حیوانات ہاتھی۔ گھوڑے۔ اونٹ وغیرہ کے اعضاء سے کریں تو اس فضیلت کا یقین و اقرار کریں۔ ان میں اُسکی عقل اور روحانی طاقتوں کی طرف بھی اشارہ ہے۔ کہ وہ ان طاقتوں میں سب سے فائق و ممتاز ہے۔ یہانتک کہ وہ سب

ا سکے آگے مقہور مغلوب اور یہ قاہر و غالب وہ اسکے خادم و مراکب ہیں۔ اور یہ انکا مخدوم و سوار۔ وہ سب مملوک ہیں۔ اور یہ اُنکا مالک۔

اور نیز ان میں سوال دوم و چہارم کا جواب ہے۔ اور یہ ارشاد کہ اگر انسان اپنی عقلی روحانی طاقتوں سے کام نہ لے اور اپنے بنی نوع اور ہمجنسوں اور ماتحتوں سے حسن اخلاق سے پیش نہ آوے۔ اور اپنے خالق کا حق احسان فراموش کر دے تو وہ ان سب سے نیچے درجہ میں جا گرتا ہے۔ اور بدترین حیوانات سے بدتر ہو جاتا ہے۔ جس کے حق میں دوسری آئت میں یہ کہا گیا ہے۔ کہ وہ لوگ چوپایہ جانوروں کی مانند ہیں۔ بلکہ انسے بھی گمراہ تر اور وہ غافل ہیں۔

اولٰئک کالانعام بل ھم اضل
اولٰئک ھم الغافلون (اعراف۔ ع ۲۲)

اور اگر وہ ان طاقتوں سے کام لے اور اپنے ہمجنسوں اور خالق کا حق ادا کرے تو دائمی اجر و انعام کا مستحق ہو جاتا ہے۔ جسکا ظہور دنیا و آخرت دو نو جگہ ہوتا ہے۔ اور آیات نمبر ۳ و ۷ و ۸ میں سوال اول کے متعلق انسان کے حالات ثلاثہ جسمانی اخلاقی روحانی کی مزید تشریح ہے۔ اور جواب سوال سوم کی طرف اشارہ کہ انسان کو اپنی ان حالتوں کی قدر دانی اور اپنے خالق محسن کی شکر گذاری لازم ہے۔ اور ناشکری و بے انصافی سے بچنا ضروری ہے۔ اور اُسکو پیدا کرنے اور ان نعمتوں سے سرفراز کرنے سے یہی غرض و مقصود ہے۔

اور آئت نمبر ۹ و ۱۰ و ۱۱ میں پہلے سوال کے متعلق انسان کی اخلاقی حالتوں کا بیان اور مکارم اخلاق کی ترغیب و ہدائت پائی جاتی ہے۔ آئت نمبر ۹ و ۱۱ میں جو دور و نزدیک کے ہمسائیوں اور یتیموں اور مسکینوں قرابتیوں وغیرہ سے احسان کرنیکا حکم ہے۔ اور آئت نمبر ۱۰ میں جو عدل و انصاف حکم ہے۔ یہ حکم عام ہیں جو اسلام کے علاوہ اور مذاہب کے ہمسایوں اور مسکینوں و یتیموں قرابتیوں وغیرہ کو بھی شامل ہو۔

اسلام کے ہادی اور ہمارے پیغمبر کا ارشاد ہے کہ تمام مخلوق خدا کا عیال ہے

الخلق عیال اللہ فاحب الخلق الی اللہ من احسن الی عیالہٖ رواہ البیھقی فی شعب الایمان (مشکوۃ صـ ۴۲۱)

سو خدا کو پیارا وہ ہے جو خدا کے عیال سے احسان کرے۔ (عیال کے معنے فرزند و زوجہ کے نہ سمجھ لینا۔ خدا تعالے جورو بیٹے۔ کنبہ۔ قبیلہ سے پاک ہے۔ عربی زبان میں عیال وہ کہلاتا ہے جسکی کوئی پرورش و تربیت کرے۔)

ہمارے ہادی و پیغمبر کے اصحاب میں سے ایک صاحب عبد اللہ بن عمر تھے اُنکے گھر میں بکری ذبح ہوئی۔ تو اُنھوں نے گھر والوں سے پوچھا کہ تم نے ہمارے فلاں ہمسایہ یہودی کو گوشت (بطور ہدیہ و تحفہ) بھیجا ہے۔؟

اصول و تعلیمات سے ناواقف اقوام کا خیال ہے کہ اسلام نے کافروں کو مارنے قتل کرنے یا کھانے پینے اور عیش کرنے ہی کی تعلیم کی ہے۔ اخلاق اور ہمدردی انسانی کی ان میں تعلیم نہیں ہے وہ لوگ اس آیت نمبر ۹ و ۱۰ و ۱۱ میں غور کریں اور اپنے غلط خیال کو واپس لیں۔

بیشک اسلام میں جہاد کا حکم بھی ہے۔ جو اسلام کا ایک رکن کین ہے۔ مگر وہ حکم جہاد ان ہی لوگوں سے مخصوص ہے جو مسلمانوں کو ستاویں۔ اور اون کے مذہب یا حقوق میں دست اندازی کریں۔ یہ حکم نہیں ہے کہ ہر ایک مخالف مذہب کو قتل کر ڈالیں گو ہمسایہ مسکین۔ یتیم۔ قرابتی۔ اور غیر ضرر رساں کیوں نہ ہو۔ اس مسئلہ کی تفصیل ہمارے رسالہ اقتصاد فی مسائل الجہاد میں ہو چکی ہے۔ جو اُردو۔ فارسی۔ انگریزی تینوں زبانوں میں شایع ہو چکا ہے۔ شائقین تفصیل اس رسالہ کو دیکھیں۔

اور آیت نمبر ۱۲ میں سوال سوم کا تصریح کے ساتھ جواب ہے۔ کہ انسان کو پیدا کرنے اور اسکو جسمانی روحانی قوائے عطا کرنے سے اصل غرض و مقصود یہی ہے کہ وہ

اپنے خالق کی عبادت کرے نہ یہ کہ صرف حیوانوں کی طرح کھانے پینے میں لگا رہے۔ اور رات دن اسی کے فکر میں سرگرم رہے۔ اس سے یہ مطلب نہیں ہے کہ انسان دنیا اور معاش کا کسب و شغل چھوڑ کر کسی مسجد میں یا کسی غار میں جا بیٹھے۔ اور بجز نماز و دعا کچھ کام نہ کرے۔ بلکہ مقصود یہ ہے کہ نماز و عبادت کو اصل مقصود سمجھے۔ اور دوسرے دنیاوی کاموں کو اسی عبادت کا ذریعہ۔ انسان کھانا کھائے گا۔ اور کپڑا پہنیگا تو عبادت کر سکے گا۔ لہذا اسکا اصل مقصد عبادت ہو۔ اور کھانا کھانا اور کپڑا پہننا اس غرض سے ہو کہ وہ عبادت کے کام میں آوے۔ اور اس سے عبادت میں مدد ملے۔ چنانچہ کہا گیا ہے ؎ خوردن برائے زیستن و ذکر کردن است ٭ تو معتقد کہ زیستن از بہر خوردن است ٭

کسب حلال و طلب معاش بھی انسان کا ایک فرض ہے۔ مگر وہ فرض عبادت کے دوسرے درجہ پر اور اسکے بعد ہے۔ چنانچہ آنحضرت نے ارشاد فرمایا ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طلب کسب الحلال فریضۃ بعد الفریضۃ۔ رواہ البیہقی فی شعب الایمان (مشکوٰۃ صفحہ ۲۴۲)

یہ کسب و طلب حلال بھی اس نیت سے چاہیے کہ یہ ہمارے ذمہ ایک فرض لگایا گیا ہے۔ نہ اس نیت سے کہ ہم اپنے کسب سے اپنے رزاق آپ ہیں اور یہی کسب ہماری روزی کا حقیقی مؤثر ہے۔

دنیا میں بہت لوگ ناداں و بے سامان ایسے ہیں جو کچھ نہیں کرتے۔ یا کرتے ہیں تو بہت کم۔ مگر وہ عیش سے عمر بسر کرتے ہیں۔ اور بہت سے عقلمند اور صاحب مال ایسے ہیں جو رات و دن کسب و کام میں سرگرم ہیں۔ اور وہ اپنی ضروریات روزمرہ پوری نہیں کر سکتے۔ ؎ بسا ناداں آنچناں روزی رساند ٭ کہ دانا اندراں حیراں بماند ٭

آیت نمبر ۱۳ و ۱۴ و ۱۵ و ۱۶ و ۱۷ میں سوال دوم وچہارم کا تشریح اور دلیل کے ساتھ جواب دیا گیا ہے۔ اور یہ ثابت کیا گیا ہے۔ کہ مرنے کے بعد تم اٹھائے جاؤ گے۔ اور اپنے اعمال کا بدلہ اس دنیا اور عاقبت دونو جگہ پاؤ گے۔

تمہارا دوبارہ پیدا کرنا ایسا ہے جیسے پہلے پیدا کرنا۔ اور ساری مخلوق کو اوٹھانا ایسا ہے جیسا کہ ایک جی کو اوٹھانا۔ تم ہر شب ایک قسم کی موت سے قبض کئے جاتے ہو اور پھر صبح کو اٹھائے جاتے ہو۔ ایسا ہی اس موت کے بعد اٹھائے جاؤ گے۔ جو آخری موت ہے۔

اور آیت نمبر ۱۸ لغایت ۲۱ میں جواب سوال چہارم کی تفصیل وکیفیت بیان کی گئی ہے۔ کہ ایک ذرہ بھر نیکی یا بدی کرو گے تو اسکا بدلہ بھی پاؤ گے۔ دنیا میں ہو خواہ عاقبت میں۔ نیکو کاروں کو دنیا میں بھی نیکی کا بدلہ کسیقدر ملتا ہے۔ اور عاقبت میں پورا ملے گا۔ اور جو دنیا میں کسی نیکی کا بدلہ نہ پائیں گے۔ وہ عاقبت میں اوسکو پورا لیں گے۔ اور انکو بدی کا بدلہ بھی دنیا میں ملجاتا ہے۔ اور کسی بدی سے درگذر بھی ہو جاتا ہے اور آخرت میں وہ اس بدی سے پاک وصاف ہو کر جائینگے۔ اور بدکاروں ظالموں کو اُنکی بدیوں اور ظلم کا دنیا میں بھی کسی قدر ملجاتا ہے۔ اور آخرت میں پورا ملیگا۔ اور جو دنیا میں ظلم کا بدلہ نہیں پاتے۔ وہ آخرت میں ظلم وگناہونکا بوجھ پورا اٹھا کر جائینگے اور اُسکا پورا بدلہ پائیں گے۔ ان ظالموں سے دنیا میں کچھ نیکی ہونی ہے۔ (مثلاً کسی بھوکھے کو کھانا کھلانا یا پانی پلانا) تو اسکا بدلہ اُن کو دنیا میں صحت ورزق وعافیت ملجاتا ہے۔ اور اُنکا وہ عمل بیکار و بے اجر نہیں رہتا۔ ہاں عاقبت میں اسکا اجر کچھ نہ ملے گا۔ کیونکہ اُنہوں نے بڑا ظلم کیا ہے۔ لہٰذا اگر وہاں بھی اونکو اسکا بدلہ ملے تو نیکو کاروں پر جنہوں نے گناہ سے اپنے آپ کو روکا۔ اور اسکا بدلہ دنیا میں پورا نہ پایا۔ قانونی و شرعی ظلم ہو گا جس سے خدا تعالے پاک ہے۔

صاحبان! - یہ جواب جو آیات مذکورہ بالا میں ادا ہوئے ہیں - صرف دعاوی نہیں ہیں - بلکہ اون کے دلائل بھی اُنکے ساتھ موجود ہیں - اور یہ قضایا منطق کی اصطلاح میں ولیات کہلاتے ہیں - جنکے قیاسات اُنکے ساتھ ہوتے ہیں -

انسان کے حالات جسمانی اخلاقی اور روحانی جو آیات مذکورہ میں بیان ہوئے ہیں - وہ کس وناکس کے مشاہدہ میں آتے ہیں -

ومعہذا ہم کم توجہ لوگوں کی فہمائیش کے لئے ان حالات کی کسی قدر تشریح بھی عنقریب کریں گے -

ان حالات کا عین مقتضا و لازمہ ہے کہ انسان اپنے ہمجنسوں و ماتحتوں پر شفقت کرے - اور حُسن اخلاق سے پیش آوے (جو انسان کی اخلاقی حالت ہے) اور اپنے منعم ومحسن حقیقی کا شکرگذار و فرمانبردار رہو - (جو انسان کی روحانی صفت ہے) سے

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کارند ❊ تا تو نانے بکف آری و بغفلت نخوری ❊
ہمہ از بہر تو سرگشتہ و فرمانبردار ❊ شرط انصاف نباشد کہ تو فرمان نبری ❊

یہی شکرگذاری و فرمانبرداری انسان کی روحانیت ہے جسکے بغیر انسان انسان کہلانیکا مستحق نہیں ہے - یہ روحانیت ان صفات و حالات انسان کا لازمہ ٹھری - تو اس سے جزا و سزا کی ضرورت بھی ثابت ہوئی -

جزا و سزا نہ ہو تو انسان کی پیدائیش ان حالات و صفات کے ساتھ عبث ٹھرتی ہے جس سے خدا تعالےٰ حکیم و علیم کی شان بلند ہے - ہم ایک کاریگر لوہار کی ساخت سوئی یا گھڑی کا چکر دیکھتے ہیں - تو اس سے یقین کرتے ہیں کہ ان سے سینے کا یا دوسرے پرزے کو یا چلانے کا کام لینا لوہار کو مقصود ہے - اور جو سوئی یا چکر یہ کام نہ دے اسکا پھینک دینا مناسب ہے - پھر کیا صانع عالم کی مصنوعات صفات و حالات انسانی سے یہ یقین نہیں کرتے - کہ انسے روحانیت کام لینا خدا کا مقصود ہے - اور جو کام نہ دے

اسکو انسانیت کے رتبہ سے گرا کر جلانیکا ایندھن بنانا مناسب ہے۔

اور چونکہ ہم صاف مشاہدہ کر رہے ہیں کہ دنیا میں بہت لوگ ایسے ہیں۔ کہ اپنے عمل نیک و بد کا پورا بدلہ نہیں پاتے۔ بہت سے نیک عمل و خداترس ایسے ہیں جو مدت العمر ابناء جنس سے حسن اخلاق و سلوک سے پیش آتے ہیں۔ اور خدا کی یاد و عبادت میں شب و روز مصروف رہتے ہیں۔ باایںہمہ وہ دنیا میں تنگی و تکلیف سے عمر بسر کر جاتے ہیں۔ اور اپنے اعمال حسنہ کا پورا اجر دنیا میں نہیں پاتے۔ اور بہت لوگ ایسے ہیں کہ وہ رات دن فسق و فجور و ظلم و غفلت میں لگے رہتے ہیں۔ اور وہ دنیاوی عیش اور آسائش سے عمر بسر کرتے ہیں۔ اور اپنے فسق و فجور و ظلم و غفلت کی کچھ بھی سزا دنیا میں نہیں پاتے جس سے ہم کو یقین ہوتا ہے۔ کہ انکی جزا و سزا کا محل اس دنیا کے سوا کوئی اور محل بھی ہونا چاہیئے۔ ورنہ پیدائش صفات انسانی عبث ہو جائیگی۔

وہ محل عاقبت یا آخرت ہے جس کی ایک مثال تو وہ بالا بیان ہوگئی ہے۔

جزا و سزا اخروی کے تین نظائر دنیا میں بھی موجود ہیں۔ اور کس و ناکس کے مشاہدہ و تجربہ میں آجاتے ہیں۔ ان ہی نظائر سے چوتھی قسم (اُخروی جزا و سزا) کا یقین بھی حاصل ہو سکتا ہے۔

صاحبان! جن تین اقسام کی جزا و سزا دنیا میں مل جاتی ہیں۔ **ازانجملہ ایک وہ** جزا و سزا ہے۔ جو انسان کے جسمانی حالات اور طبعی خواص کا مقتضا ہے۔ انسان اگر غذا موافق طبع کھاوے تو تندرست رہتا ہے۔ اور اگر زہر کھائے تو وہ فوراً مر جاتا ہے گھوڑا گھاس کھائے تو اچھا رہتا ہے۔ اور اگر گوشت کھائے تو اوسکی صحت میں فتور و قصور واقع ہو جاتا ہے۔ یہ جزا و سزا نہیں تو اور کیا ہے؟

قسم دوم وہ سزا جو انسان کی روحانی صفات و قوائے کا مقتضا ہے۔ کسی انسان سے (بشرطیکہ وہ انسانیت سے خارج ہو کر بہائم سے ملحق نہ ہو گیا ہو۔) اگر کسی معصوم

کی جان بے گناہ و ناحق تلف ہوگئی ہو۔ تو اگرچہ کسی دوسرے غالب (حاکم وقت) یا مساوی درجہ کے آدمی کو خبر تک نہ ہوئی ہو۔ تاہم اسکے دل سے اوسکی روحانیت سے اوس کے کانشنس سے افسوس و رنج و ملامت پیدا ہوتی ہے۔ اور اگر اس سے کسی مخلوق پر رحمت و شفقت عمل میں آوے تو اسکے دل میں فرحت و سرور پیدا ہوتا ہے۔ یہ بھی ایک قسم کی سزا و جزا نہیں تو اور کیا ہے؟ قسم سوم وہ جزا سزا ہے کہ اعمال نیک و بد کے عوض میں دنیا کے لوگوں سے ملتی ہے۔ جب کوئی نیک کام کرتا ہے اور اس کے اس کام پر دنیا کے لوگونکو اطلاع ہوتی ہے۔ تو چاروں طرف سے اُسپر نعرہ تحسین بلند ہوتا ہے۔ عام لوگوں کیطرف سے (اون کی غرض اس شخص سے متعلق ہو خواہ نہ ہو) آفرین کی صدا پہنچتی ہے۔ کہ فلان شخص بڑا نیک ہے جس نے ایسا نیک کام کیا ہے۔ اور اگر وہ برائی کرتا ہے تو دنیا کے لوگوں سے اُسپر نفرین اور شیم شیم کی آواز بلند ہوتی ہے۔ اور چاروں طرف لعنتوں کی بوچھاڑ پڑتی ہے۔ اور کس و ناکس کی طرف سے یہ آواز آتی ہے۔ کہ فلان شخص بہت بُرا آدمی ہے۔ جس [illegible] نہیں تو اور کیا ہے۔؟

صاحبان!۔ یہ قسم سوم بھی ایک قسم کی آسمانی جزا و سزا ہے۔ خدا کے حضور میں کسی شخص کے کسی فعل نیک یا بد کے سبب عزت یا اہانت ہوتی ہے۔ تو حکم آسمانی پہلے آسمان والوں میں۔ پھر دنیا میں سرکلیٹ* کیا جاتا ہے کہ یہ شخص میرا پیارا یا دشمن ہے تم اس کو پیار کرو یا اس سے دشمنی کرو تو وہ مقبول یا مبغوض خلائق بن جاتا ہے۔ یہ مضمون ایک حدیث کا ہے۔ جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے۔ اور اوسکے موافق

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ اذا احب عبدًا دعا جبریل فقال انی احب فلانا فاحبہ ثم ینادی فی السماء فیقول ان اللہ یحب فلانا فاحبوہ فیحبہ اہل السماء فیوضع لہ القبول فی الارض الحدیث رواہ مسلم (مشکوٰۃ صفحہ ۴۱۷)۔

*یعنے مشتہر و متداول۔

یہ ضرب المثل مشہور ہے "زبان خلق نقارہ خدا"۔ اور جب یہ تین قسم جزا و سزا کے مسلم کل ہیں تو چوتھی قسم جزا و سزا اخروی کا مان لینا محل اشکال نہیں رہتا۔ اور قرآن کے دعوے جزا و سزا اُخروی کے صدق میں شک باقی نہیں رہتا۔

خاص کر پہلے سوال کے متعلق روحانی حالات انسانی کا جواب

(جسکے ضمن میں اور سوالات کا جواب بھی ادا ہوا ہے)

(۱) اناعرضنا الامانة على السمٰوات والارض والجبال فابين ان يحملنها واشفقن منها وحملها الانسان انه كان ظلوما جهولا۔ (احزاب۔ع۔۹)	(۱) ہمنے امانت کو (اخلاقی اور روحانی احکام کو بجالانا۔ اور اس تکلیف کا متحمل ہونا) آسمان اور زمین اور پہاڑوں (کی فطرت) پر پیش کیا۔ تو اُنہوں نے (اپنی فطرتی عدم لیاقت سے) انکار کیا۔ اور ان (کی حالت)

کو اس سے ڈر لگا۔ انسان نے اوسکو اٹھالیا۔ کیونکہ اس (کی فطرتی حالت) میں ظلم (اور جہالت) [illegible] (اور اس تکلیف کی صلاحیت رکھتا تھا)۔

(۲) وربك يخلق ما يشاء ويختار ما كان لهم الخيرة سبحان الله وتعالى عما يشركون۔ (قصص۔ع۔۷)	(۲) تیرا رب جس مخلوق کو چاہتا ہی (کسی صفت سے چن لیتا ہے) اور مخصوص کرتا ہے، لوگوں کو اس امر کا اختیار نہیں

ہے۔ (جو مشرکین اعتراض کرتے ہیں کہ فلاں شخص کو فلاں صفت سے کیوں مخصوص کیا۔ اس سے خدا) پاک اور بالاتر ہے۔

(۳) واذا جاءتهم اية قالوا لن نؤمن حتى نؤتى مثل ما اوتى رسل الله الله اعلم حيث يجعل	(۳) جب اُنکو (نبی کی تصدیق کیلئے) کوئی نشانی پہنچتی ہے تو کہتے ہیں ہم نہ مانینگے جبتک ہمکو نہ ملے۔ جو رسول کو ملا ہے

رسالتہ سیصیب الذین اجرموا صغار عند اللہ وعذاب شدید بما کانوا یمکرون (انعام - ع - ۱۵)	(یعنے نبوت ومعجزہ) اللہ خوب جانتا ہی رسالت کہاں بھیجی - مجرموں (رسول کے منکروں) کو جلد ذلت اور سخت عذاب

پہنچیگا - ان مکروں کے بدلے جو وہ کرتے ہیں -

(۴) قالوا ان انتم الا بشر مثلنا تریدون ان تصدونا عما کان یعبد اباؤنا فأتونا بسلطان مبین قالت لھم رسلھم ان نحن الا بشر مثلکم ولکن اللہ یمن علی من یشاء من عبادہ وما کان لنا ان نأتیکم بسلطان الا باذن اللہ وعلی اللہ فلیتوکل المؤمنون (ابراہیم - ع - ۲) (۵) قالوا لولا نزل ھذا القرآن علی رجل من القریتین عظیم اھم یقسمون رحمت ربک نحن قسمنا بینھم معیشتھم فی الحیوۃ الدنیا ورفعنا بعضھم فوق بعض درجات لیتخذ بعضھم بعضا سخریا - ورحمت ربک خیر مما یجمعون (زخرف - ع - ۳)	(۴) وہ (رسولوں کو) بولے تم تو ہمارے جیسے بشر ہو (جو کھاتے پیتے ہو -) اور ہم کو ان معبودوں سے روکتے ہو - جنکو ہمارے بزرگ پوجتے تھے - ہمارے پاس کوئی نشان ظاہر لاؤ - رسولونے کہا - ہیں تو ہم تمہارے جیسے - مگر خدا جس بندہ پر چاہتا ہے - احسان کرتا ہے - اور نشان لانے کا ہم کو (ذاتی) اختیار نہیں ہے - بجز اسکے کہ خدا کا حکم ہو - اور خدا ہی پر مومنوں کو بھروسہ کرنا چاہئیے - (۵) وہ بولے - کیوں نہ اُتارا گیا یہ قرآن دو بستیوں (مکہ اور طائف) کی ایک سردار پر - کیا وہ خدا کی رحمت کو بانٹتے ہیں - ہم نے ان میں دنیا کی روزی بانٹ رکھی ہے - اور ایک کو دوسرے سے اونچا کیا تاکہ ایک دوسرے کو خادم بنا وے

خدا کی رحمت اس سے بہتر ہی جو وہ اکٹھا کرتے ہیں -

(۶) انظر کیف فضلنا بعضھم علی بعض وللآخرۃ اکبر درجات واکبر تفضیلا (بنی اسرائیل - ع - ۲)	(۶) دیکھ ہم نے کیونکر ایک کو ایک پر (دنیا میں) بزرگی دی ہے - (اسی سے سمجھ لے) کہ البتہ آخرت درجوں میں اور بزرگی میں بہت بڑی ہے -
(۷) قل ما کنت بدعا من الرسل وما ادری ما یفعل بی ولا بکم ان اتبع الا ما یوحی الی وما انا الا نذیر مبین - (احقاف - ع - ۱)	(۷) تو کہدے میں انوکھا رسول نہیں ہوں (یعنے نہ میری تعلیم انوکھی ہے - نہ رسالت) اور مجھے یہ خبر نہیں کہ (دنیا میں)

مجھ سے کیا ہوگا - (مکہ میں رہکر تم پر غالب آؤنگا - یا یہاں سے ہجرت کرکے غلبہ حاصل کرونگا) اور تم سے کیا ہوگا - میں تو حکم ہی کا پیرو ہوں - اور میں صرف کھلا کھلا ڈر سنانیوالا ہوں -

(۸) وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا - (بنی اسرائیل - ع - ۲)	(۸) ہم کسی بستی کو عذاب کرنیوالے نہیں جبتک کہ رسول نہ بھیج لیں -
(۹) انما انت منذر ولکل قوم ھاد (رعد - ع - ۱)	(۹) تو صرف ڈر سنانے والا ہی - اور ہر ایک قوم کیلئے (ایسے) رہنما گذرے -
(۱۰) ان انت الا نذیر - انا ارسلناک بالحق بشیرا ونذیرا - وان من امۃ الا خلا فیھا نذیر - (فاطر - ع - ۳)	(۱۰) تو صرف ڈر سنانے والا ہے - اور تجھے ہم نے ڈر سنانے والا - اور خوشخبری دینے والا بنا کر بھیجا ہے - اور کوئی امت یا جماعت نہیں جس میں ڈرانے والا نہ گذرا ہو
(۱۱) وما کان ربک مھلک القری حتی یبعث فی امھا رسولا یتلو علیھم ایاتنا وما کنا مھلکی القری الا واھلھا ظالمون (قصص - ع - ۶)	(۱۱) تیرا رب ایسا نہیں کہ کسی بستی کو ہلاک کرے - جبتک اسکے صدر مقام میں رسول بھیج لے - جو انپر خدا کی آیتیں پڑھے -

(۱۲) انا اوحینا الیک کما اوحینا الی نوح والنبیین من بعدہ واوحینا الی ابراھیم واسمعیل واسحق و یعقوب والاسباط وعیسی وایوب ویونس وھارون وسلیمان واتینا داوود زبورا ورسلا قد قصصنھم علیک من قبل ورسلا لم نقصصھم علیک وکلم اللہ موسی تکلیما رسلا مبشرین ومنذرین لئلا یکون للناس علی اللہ حجۃ بعد الرسل وکان اللہ عزیزا حکیما۔ (النساء ع ۲۳)

(۱۳) شرع لکم من الدین ما وصی بہ نوحا والذی اوحینا الیک وما وصینا بہ ابراھیم وموسی وعیسی ان اقیموا الدین ولا تتفرقوا فیہ کبر علی المشرکین۔ ما تدعوھم الیہ۔ اللہ یجتبی الیہ من یشاء ویھدی الیہ من ینیب۔ (شوری۔ ع ۲)

(۱۴) لکل جعلنا منکم شرعۃ و منھاجا ولو شاء اللہ لجعلکم امۃ واحدۃ ولکن لیبلوکم فی ما اتاکم فاستبقوا الخیرات

ہم بستیوں کو تب ہی ہلاک کرتے ہیں کہ اُسکے لوگ ظالم ہوں۔

(۱۲) ہم نے تیری طرف ایسے وحی (مخفی پیغام) بھیجی ہے جیسے نوح۔ ابراہیم و اسمٰعیل۔ و اسحٰق۔ و یعقوب۔ و عیسیٰ۔ و ایوب۔ و یونس۔ و ہارون۔ و سلیمان کی طرف بھیجی۔ اور داؤد کو زبور عطا کی۔ اور موسےٰ سے ہمکلامی کی۔ اور کتنے رسول بھیجے جنکا حال سُنایا۔ اور کتنے رسول بھیجے جنکا حال نہیں سُنایا۔ رسولوں کو ڈرانے اور خوشخبری سُنانے کو بھیجا۔ تاکہ لوگوں کی خدا کے سامنے حجت باقی نہ رہے (کہ ہمارے پاس کوئی رسول نہیں آیا۔)

(۱۳) تمہارے لئے ہمنے وہ (اصول) دین مقرر کردیے ہیں جو نوح وغیرہ نبیوں کو مقرر کردی تھے۔ اور حکم دیا کہ دین کو قائم رکھو۔ اور اسمیں پھوٹ نہ ڈالو۔ اللہ جسے چاہتا ہے چن لیتا ہے۔ جسکو چاہتا ہے راہ دکھاتا ہے۔

(۱۴) تم میں سے ہر ایک کو (مناسب وقت) جدا جدا فروعی شریعتیں بھی دی ہیں خدا

الی الله مرجعکم جمیعا فینبئکم بما کنتم فیه تختلفون (مائدہ ع ۷)

چاہتا تو سب کو ایک ہی (فروعات والی) جماعت بنا دیتا ہے۔ مگر وہ تم سے احکام مناسب وقت و حالت کے مطابق کام لینا چاہتا ہے سو نیکیوں میں آگاڑی بڑہو۔

(۱۵) وکذلک اوحینا الیک روحا من امرنا ما کنت تدری ما الکتب ولا الایمان ولکن جعلنه نورا نهدی به من نشاء من عبادنا و انک لتهدی الی صراط مستقیم (شوری ع ۵)

(۱۵) ایسا ہی ہمنے تیری طرف روح کو (یعنے وحی الہی کو جو دلونکو زندہ کرتی ہی) اپنے حکم سے بھیجا۔ تو نہ جانتا تھا کتاب آسمانی کیا ہوتی ہے۔ اور ایمان دلانے کی باتیں) کیا۔ ولیکن ہم نے یہ روشنی کی ہے۔ اس سے ہم راہ دکھاتے ہیں جسکو اپنے بندوں سے چاہتے ہیں اور تو (بھی) لوگوں کو سیدہی راہ دکھاتا ہے۔

(۱۶) قل لو شاء الله ما تلوته علیکم ولا ادرىكم به فقد لبثت فیکم عمرا من قبله افلا تعقلون۔ (یونس ع ۲)

(۱۶) کہہ اگر خدا چاہتا۔ تو میں یہ کتاب تمپر نہ پڑہتا۔ اور نہ وہ تمکو اسکی خبر دیتا۔ میں تو تم میں ایک عمر رہ چکا ہوں تم نہیں سمجھتے۔

(۱۷) وما کنت تتلوا من قبله من کتاب ولا تخطه بیمینک اذا لارتاب المبطلون (عنکبوت ع ۴)

(۱۷) تو اس سے پہلے نہ کوئی کتاب پڑہتا تھا۔ اور نہ اپنے ہاتھ سے لکھتا تھا تب تو شک کرتے یہ جھوٹے۔

(۱۸) قد نعلم انه لیحزنک الذی یقولون فانهم لا یکذبونک ولکن الظالمین بایات الله یجحدون (انعام ع ۴)

(۱۸) ہمکو علم ہے کہ تجھے انکی بات سے غم ہوتا ہے وہ تجھے تو جھوٹا نہیں کہتے۔ (یہ ظالم) تو میری آیتوں سے انکار کرتے ہیں۔

(۱۹) وقال الذین کفروا ان ھذا الا افك افتراہ واعانہ علیہ قوم اخرون - فقد جاؤ ظلما وزورا - وقالوا اساطیر الاولین اکتتبھا فھی تملی علیہ بکرۃ واصیلا - قل انزلہ الذی یعلم السر فی السموات والارض انہ کان غفورا رحیما (فرقان - ع - ۱ -)

(۱۹) منکر کہتے ہیں یہ قرآن جھوٹ ہے، اسنے از خود بنا لیا ہے - اور دوسرے لوگوں نے اوسکی مدد کی ہے - سو آگئے ظلم اور جھوٹ پر بولے یہ پہلوں کی کہانیاں ہیں - اُسنے لکھوا لی ہیں اور رات دن اسپر پڑھی جاتی ہیں تو (انکے جواب میں) کہدے یہ قرآن اُسنے اتارا ہے - جو آسمانوں اور زمین کے بھید جانتا ہے - (یعنے اس میں وہ بھید ہیں - جنکے بیان پر اور کوئی قادر نہیں ہے)

(۲۰) ولقد نعلم انھم یقولون انما یعلمہ بشر لسان الذی یلحدون الیہ اعجمی وھذا لسان عربی مبین (النحل [illegible])

(۲۰) بیشک ہم جانتے ہیں کہ یہ کہتے ہے [illegible] سکھاتا ہے جسکی طرف وہ جھکتے ہیں - اسکی زبان تو عجمی ہے - اور یہ قرآن صاف عربی ہے -

(۲۱) ام یقولون افتراہ قل فأتوا بعشر سورۃ مثلہ مفتریات وادعوا من استطعتم من دون اللہ ان کنتم صدقین - (ھود - ع - ۲ -)

(۲۱) کیا یہ کہتے ہیں کہ اس نے یہ (قرآن) جھوٹ بنا لیا ہے - تو کہدے (اگر جھوٹ ہے) تو تم بھی ویسی دس سورتیں جھوٹی بنا کر لاؤ - اگر سچے ہو - اور جس کو (مدد کے لئے) بُلا سکو بلا لو -

(۲۲) وان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا فأتوا بسورۃ من مثلہ وادعوا شھداءکم من دون

(۲۲) اگر تم کو اس میں شک ہے جو ہم نے اپنے بندے پر اتارا ہے - تو تم اس جیسی ایک ہی صورت بنا کر لاؤ -

اللّٰہ ان کنتم صٰدقین۔ فان لم تفعلوا ولن تفعلوا فاتقوا النّار التی وقودھا النّاس والحجارۃ اعدّت للکافرین (بقر ع ۳)

(۲۳) قل لئن اجتمعت الانس والجنّ علیٰ ان یأتوا بمثل ھذا القراٰن لا یأتون بمثلہٖ ولو کان بعضھم لبعضٍ ظھیرا (بنی اسرائیل ع ۱۰)

اور اپنے مددگاروں کو بھی بلا لو۔ اگر تم سچے ہو۔ اور اگر ایسا نہ کرو اور ہرگز نہ کرسکوگے تو (انکار چھوڑ کر) اس آگ سے بچو جسکا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں منکروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔

(۲۳) تو کہدے کہ آدمی اور جن سب ملکر اس قرآن کی مثل بنا کر لانا چاہیں تو ہرگز نہ لاسکینگے۔ اگرچہ ایک دوسرے کا مددگار بنجائے۔

تشریح

صاحبان! یہ تیئیس آیئیں جو میں نے پڑھی ہیں۔ یہ جلسے کے متعدد سوالوں کے جواب کی متضمن ہیں۔ مگر خصوصیت اور تفصیل کے ساتھ اون میں پہلے سوال کو متعلق انسان کی روحانی حالت [illegible] خالق، اور ادنے (ابنی ہمجنس مخلوق) سے تعلق ہے۔ مخلوق سے اسکے تعلق کا اثر یہ ہے یا ہونا چاہیئے کہ وہ اپنے ہمجنسوں سے حسن اخلاق کے ساتھ پیش آئے اور ان کے واجبی حقوق ادا کرے۔

خالق سے اسکے تعلق کا اثر یہ ہے یا ہونا چاہیئے۔ کہ وہ اوس کی فرماں برداری اور شکر گذاری میں لگا رہے۔ اور اوسکی مرضیات کا شایق و طالب رہے۔

یہ اعلےٰ درجے کی روحانیت انسان کو نہ اپنی قدرت و اختیار اور صرف اپنے عقل و عمل سے حاصل ہوتی ہے۔ بلکہ یہ محض قدرتی و وہبی دولت ہے۔ جو خدا تعالےٰ ہی کے فضل و مہربانی سے بحسب استعداد و قابلیت محل حاصل ہو سکتی ہے۔ اس دولت عظمےٰ و موہبت کبرےٰ کے لئے خدا تعالےٰ اپنے خاص خاص بندوں کو چن لیتا ہے

جس کو رسول اور نبی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ انہی کے ذریعہ سے بطور نیابت و وراثت یہ دولت دوسرے روحانیوں کو بھی پہنچتی ہے جو انبیا علیہم السلام کے اتباع میں شامل ہو کر اولیاء و صلحا کہلاتے ہیں

حضرات انبیاء علیہم السلام اس دولت کے اول درجے کے مالک بنائی جاتے ہیں۔ اور اُن کی روحانیت ایسے اعلےٰ درجہ کی ہوتی ہے۔ کہ نوع انسان کے لئے اس سے بڑھ کر حاصل ہونی ممکن نہیں ہے۔

ان آیات کریمہ میں اول درجے کے روحانیوں (انبیاء علیہم السلام) کی قوت روحانی کا بیان و ثبوت ہے۔ جس کی تقریر آیات مذکورہ کی تفسیر کے طور پر کی جاتی ہے۔

آئت نمبر اول میں انسان کا اخلاقی اور روحانی طاقتوں کا محل ہونے۔ اور اسوجہ سے روحانی کمال [illegible] لائق ہونے کا بیان ہوا ہے۔ پھر آئت نمبر ۲ میں یہ ارشاد ہوا ہے۔ کہ اس روحانیت میں سبھی انسان مساوی درجے پر نہیں ہیں۔ بعض اوّل درجے کے روحانی ہوتے ہیں۔ جنکو خداوند تعالےٰ چن لیتا ہے۔ اور اس سوال کا جواب دیا گیا ہے کہ خدا نے سب کو مساوی و یکساں کیوں نہ کر دیا۔

پھر آئت نمبر ۳ میں منکرین انبیاء کا یہ سوال نقل کر کے کہ ہم کو وہ درجہ کیوں نہ ملا اسکا یہ جواب دیا۔ کہ تم سب اس درجہ کی لیاقت و قابلیت نہیں رکھتے ؎

کلاہ خسروی و بادشاہی ❊ بہر کل کے رسد حاشا و کلا۔

پھر آئت نمبر ۴ و ۵ میں ان کے سوال مذکور کی یہ سند و دلیل نقل کر کے کہ "انبیاء بھی ہماری مثل بشر ہیں۔ اور کھاتے پیتے ہیں"۔ اسکا یہ جواب دیا ہے کہ انبیاء کھانے پینے سے مستثنےٰ و ممتاز نہیں۔ بلکہ وہ روحانی صفات سے ممتاز ہیں جنکی

وجہ سے وہ پہننے کیلئے مخصوص کیے گئے ہیں۔ اور خدا جس پر چاہے کوئی احسان کرے اسمیں کسی کو مجال اعتراض نہیں ہے۔ دنیا کے مراتب و درجات کو دیکھو۔ کوئی باوشاہ ہے۔ کوئی گدا۔ کوئی خادم ہے کوئی مخدوم کوئی فقیر ہے کوئی امیر۔ ان تخصیصات اور امتیازات پر اعتراض نہیں تو روحانی درجات میں خصوصیت انبیاء پر کیوں اعتراض ہے۔

پھر آئت نمبر ۶ میں دنیاوی مراتب و درجات میں ایک کی دوسرے پر فضیلت مسلّم قرار دیکر اس سے روحانی اور اخروی درجات کی فضیلت کا اثبات کیا اور معترضین کے سوال مذکور کو قطع کر دیا۔

آیات نمبر ۷ و ۸ و ۹ و ۱۰ و ۱۱۔ میں خاتم الانبیاء کے نبوت و رسالت سے مخصوص ہونے پر اعتراض کو اٹھایا۔ اور یہ ظاہر کیا ہے کہ جیسے آپ رسول ہو کر آئے ہیں ویسے ہی [illegible] ہیں۔ کوئی امت یا جماعت رسول سے خالی نہیں۔

صاحبان! عام لوگوں کا ایک یہ اعتراض تھا۔ کہ قرآن میں خاص کر عرب یا شام وغیرہ بلاد کے نبیوں کا ذکر ہے۔ اس نبوت کی روحانی اصلاح کے لیے ضرورت تھی تو اور ملکوں میں نبی کیوں نہیں بھیجے گئے۔ اس اعتراض کا ان آیات میں یہ جواب دیا گیا ہے۔ کہ سب قوموں اور سب ملکوں کے صدر مقاموں میں رسول بھیجے گئے ہیں۔

آئت نمبر ۱۲ میں یہ فرمایا ہے کہ فرق صرف یہ ہے کہ بعض رسولوں کا ہم نے حال سُنایا ہے بعض کا نہیں سُنایا۔

صاحبان! اسکی وجہ یہ ہے۔ (واللہ اعلم) کہ قرآن کے اوّل مخاطب اُن ہی ملکوں کے رسولوں کی تصدیق کر سکتے تھے۔ جو عرب کے قریب تھے اور اُنہی رسولوں کے

نام انہون نے سنے ہوئے تھے۔ اور اگر ہندوستان یا فارس کے رسولون کے نام
اون کو سنائے جاتے تو وہ اُون کی تصدیق نہ کر سکتے۔
قرآن شریف نے ہم کو نہیں بتایا۔ اسواسطے یقیناً تو نہیں کہا جا سکتا لیکن
ممکن ہے کہ ہندوستان میں وہ لوگ رسول ہو گذرے ہوں جنکو یہاں کے
لوگ اپنا مذہبی پیشوا مانتے ہیں۔ پچیس برس کا عرصہ ہوا ہے کہ میں نے مرزا
مظہر جانجانان خلیفہ ارشد حضرت مجدد الف ثانی کے حالات کی کتاب مقامات
مظہری میں دیکھا تھا۔ کہ مرزا صاحب یا آپ کے پیر صاحب نے رام اور
کرشن کو خواب میں آگ کی نہر میں دیکھا۔ ایک شخص نہر کے بیچ میں کھڑا ہے۔
دوسرا کنارے کے قریب۔ اسکی تعبیر مرزا صاحب یا ان کے پیر نے یہ کی۔ کہ
ممکن ہے کہ یہ معرفت و عشق الٰہی کی آگ ہو۔ اور بیچ میں کھڑا ہے وہ معرفت و
عشق الٰہی میں کامل اور کنارے کے قریب کھڑا ہونے والا اس سے کمتر ہو۔
اگر کسی مسلمان کو یہ شبہ پیدا ہو کہ ان لوگوں کے جو حالات و مقالات انکے
پیرو (ہندو) بیان کرتے ہیں۔ وہ ایسے نہیں ہیں جیسے مقدس لوگوں کے ہوتے
ہیں۔ پس اس صورت میں مرزا صاحب موصوف کی اس خواب کی مذکورہ بالا
تعبیر کیونکر درست ہو سکتی ہے۔ تو اسکا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے کہ یہ حالات
جو اُنکے پیرو بیان کرتے ہیں اصلی اور واقعی نہ ہون۔ بلکہ وضعی اور بناوٹی ہوں۔
چنانچہ یہود اور نصاریٰ مقدس گروہ انبیا علیہم السلام کے بہت سے حالات و
مقالات ایسے بیان کرتے ہیں جو اُن کی شان کے مناسب نہیں۔ پھر کیا ان حالات
سے ان حضرات کی نسبت کچھ اعتراض ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ دور کیوں جاؤ
اسلام ہی کو دیکھو کہ عام مسلمانوں نے اسلام میں بہت سی باتیں ایسی ملا رکھی ہیں
جو اصل اسلام میں نہیں ہیں۔ پھر کیا ان عوام کے کہنے سے وہ باتیں داخل

اسلام سمجھی جا سکتی ہیں۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ اونکو یقینی طور پر وضعی اور بناوٹی کہا جاتا ہے اور اسلام کو ان سے پاک سمجھا جاتا ہے۔

ایسا ہی ممکن ہے کہ جو بُری باتیں رام اور کرشن کی ہندوؤں کی کتابوں اور روایتوں میں موجود ہیں۔ وہ اصلی نہ ہوں بلکہ وضعی ہوں۔

آئت نمبر ۱۳ و ۱۴ میں خاتم الانبیاء کی تعلیم کا انبیائے سابق کی تعلیم سے مطابق ہونا بیان ہوا ہے۔ اور یہ فرمایا ہے۔ کہ اصول تمام انبیاء علیہم السلام کے ایک ہیں فروعات میں اختلاف ہے جو ہر وقت اور ہر زمانہ میں بحسب ضرورت اور مصلحت وقت ہوتا رہا ہے۔ پس صرف ان بعض فروعی اختلافات کی نظر سے آپ کے مخالفین اور منکرین کو آپ کی تصدیق اور پیروی سے نفرت اور انکار کسی طرح بھی مناسب نہیں۔ وہ ان فروعات سے نظر اوٹھا کر اصول کو دیکھیں اور ان اصول کی نظر سے خاتم الانبیاء کو بھی مان لیں۔ اگر وہ پہلے نبیوں کو مانتے ہیں۔

آئت نمبر ۱۵ و ۱۶ و ۱۷ و ۱۸ میں منکرین نبوت خاتم الانبیاء پر یہ دلیل قائم کی ہے کہ یہ شخص چالیس برس کی عمر تک تم میں رہا۔ نہ لکھنا جانتا تھا۔ نہ لکھے ہوئے کو پڑہنا نہ کسی کتاب کا علم رکھتا تھا۔ نہ ایمانی باتون سے واقف تھا۔ چالیس برس تک ان باتوں سے آشنا نہ ہوا۔ اور کبھی اُنکا دعوے نہ کیا۔ تو چالیس برس کے بعد (جبکہ قولئے نفسانی وشہوانی درجہ انحطاط کو پہنچ جاتے ہیں) ایسی باتیں ایمانی اور ایسی کتاب آسمانی از خود کیونکر بنالایا۔ اور نیز چالیس برس کی عمر تک اوس نے بندوں پر جھوٹ نہ بولا۔ تو دعوئے نبوت و نزول کتاب آسمانی میں خدا پر کیونکر افترا کیا۔

ابوجہل نے آپ کو کہا تھا کہ ہم تمہیں جھوٹا نہیں کہتے اور نہ ہم نے تیرا جھوٹ کبھی دیکھا ہے۔ پر یہ جھوٹ ہے جو تو اب لے کر آیا ہے جسپر یہ ارشاد ہوا جو آئت

نمبر ۸ ا میں ہے کہ یہ تجھے جھوٹا نہیں کہتے مجھے کہتے ہیں۔

آیت نمبر ۱۹ تا آخر میں منکرین نبوت خاتم الانبیاء کا یہ شبہ و خیال نقل کیا ہے کہ یہ شخص جو مکہ کے ایک نصرانی لوہار کے پاس کبھی جایا کرتا تھا اوس سے یہ قصے کہانیاں عاد و ثمود کی سیکھ کر آتا ہے۔ اور اون کو لکھوا کر خوب یاد کر کے لوگوں کو سُنا دیتا ہے۔ اور یہ جھوٹا دعوے کرتا ہے۔ کہ یہ قرآن ہے جو خدا کیطرف سے نازل ہوا ہے۔

قرآن کریم نے انکے اس شبہ کے دو لاجواب جواب دیئے ہیں۔ جنکا جواب نہ کسی نے آجتک دیا۔ نہ قیامت تک کوئی دیسکتا ہے۔ ساری دنیا کے مخالف اور معاند جمع کیوں نہ ہو جائیں اوّل جواب آیت نمبر ۲ میں یہ دیا کہ وہ لوہار جس کے پاس کسی زمانے میں آنحضرت جایا کرتے تھے اسکی زبان عربی نہیں ہے۔ اور یہ قرآن تو ایسا صاف عربی ہے جس کا لوہا عرب نے مان لیا ہے۔ اسپر اُنہوں نے یہ اعتراض کیا۔ جس کا آیت ۱۹ میں ذکر ہے۔ اسکا جواب لاجواب آیت نمبر ۱۷ و ۲۱ و ۲۲ و ۲۳ میں یہ دیا کہ یہ شخص تو لکھا پڑھا نہ کبھی اوس نے شعر کہا نہ خطبہ پڑھا۔ (یعنے لکچر دیا) اور تم لوگ تو بڑے بڑے شاعر و خطیب (لکچرار) ہو۔ اس قرآن کو اس شخص کا کلام سمجھتے ہو تو تم اسکی مثل دس سورتیں ہی بنا کر لاؤ۔ اس سے وہ لوگ رہ گئے تو فرمایا کہ ایک ہی سورت بنا کر دکھاؤ اور ساتھ ہی اسکے یہ پیشگوئی بھی کردی کہ تم ہرگز ایک سورۃ بھی اسکی مثل بنا نہ سکو گے۔ اگرچہ تمام جن و انسان ملکر ایک دوسرے کے مددگار ہو جاویں۔

اس جواب کے جواب میں منکرین نبوت خاتم الانبیاء عاجز و ساکت ہو گئے کوئی شخص زمانہ حضرت رسالت میں اور اوسکے بعد آجتک ایسا نہ اٹھا جس نے قرآن کی ایک سورہ کا مقابلہ کیا ہو۔ اور اس مقابلہ میں وہ کامیاب ہوا ہو۔ اور آئیندہ بھی

قیامت تک ممکن نہیں ہے کہ کوئی اسکے جواب میں کھڑا ہو جائے۔ اور قرآن کی ایک چھوٹی سی سورۃ مثلاً انا اعطینٰک الکوثر فصل لربک وانحر ان شانئک ھو الابتر۔ کی مثل بنا سکے۔

اس سے قرآن کا نہ صرف لفظی اعجاز ثابت ہوتا ہے۔ بلکہ اسکا معنوی اعجاز (ایک پیشگوئی کرنا۔ اور اسمیں سچا نکلنا) بھی ایسا زور سے ثابت ہوتا ہے کہ اسمیں کسی کو چون وچرا کرنے اور دم مارنے کی جگہ نہیں ہے۔

صاحبان - اس مجلس کے اکثر حاضرین اور سامعین ہندی ہیں جو عربی زبان سے واقف نہیں ہیں۔ لہٰذا وہ قرآن کی فصاحت و بلاغت کو اپنے ذاتی علم سے نہیں پہچان سکتے۔

قرآن کا اعجاز سمجھنے کے لئے اون کو یہی امر کافی ہے کہ عرب عرباء نے (جو دنیا بھر میں [illegible] سمجھتے تھے۔ اور باقی ملکوں کے آدمیوں کو عجم (جس کے معنے گونگے کے ہیں) کے نام سے موسوم کرتے تھے) اس قرآن کی فصاحت و بلاغت کو تسلیم کر لیا۔ اور اوسکا مقابلہ اون سے نہ ہو سکا ہوتا تو باوجود کثرت مخالفین خاتم الانبیاء کے وہ مخفی نہ رہتا۔ خصوصاً اوس حالت میں کہ قرآن نے بطور پیشگوئی یہ دعوے کیا۔ اور اشتہار دیدیا تھا کہ کوئی شخص قرآن کا مقابلہ نہ کر سکے گا اس دعوے و اشتہار پر مخالفین و معاندین ختم الانبیاء کا قومی و مذہبی فرض تھا کہ ضرور مقابلہ کرتے اور قرآن کے دعوے لفظی اعجاز کو بھی توڑتے۔ اور اس کے معنوی اعجاز (پیشگوئی) کو بھی جھوٹا کرتے۔ اگر وہ اپنے اندر اس مقابلہ کی قدرت پاتے۔ انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ تو اس سے کس و ناکس کو (گو عربی زبان اور اسکی فصاحت و بلاغت سے آشنا نہو) یقین ہو سکتا ہے کہ قرآن کی عربی بے مثل ہے۔ اور کوئی بشر ایسی عربی بنانے پر قادر نہیں۔

صاحبان! ایک شخص کسی گھڑی کا عمدہ ہونا اپنے ذاتی تجربہ سے نہیں جانتا پر وہ لائق واچ میکر (گھڑی ساز) کے کہدینے سے اسکی عمدگی کا یقین کرلیتا ہے ایک ہی ایک شخص سونے یا موتی کی شناخت نہیں رکھتا پر لائق جوہری یا صراف کے کہدینے سے اسکی کھرائی وستھرائی کا یقین کرلیتا ہے۔

ایسا ہی غیر عربی دان عرب کے فعلی شہادت مذکورسے قرآن کی عربی کے بےمثیل ہونے کا یقین کرسکتا ہے۔ اگر اسمیں یقین کا مادہ و انصاف ہو۔

بعض بے انصاف اس دلیل پر یہ اعتراض کرتے ہیں۔ کہ گلستان سعدی بلکہ کریما بھی بے مثل ہے۔ کسی شخص نے آجتک ایسی کتاب نہیں بنائی۔ پھر کیا اس سے وہ بھی کلام الٰہی ہوسکتے ہیں۔ اسکا جواب ادنے توجہ دلی سے اونکو مل سکتا ہے کہ گلستاں یا کریما کے مقابلہ [illegible] بطور پیشگوئی دعوے کیا تھا۔ کہ اوسکا کوئی مقابلہ نہ کرسکے گا۔ وہ ایسا کرتے تو پھر لوگ دیکھ لیتے کہ اس گلستاں اور کریما سے بڑھکر کسقدر گلستاں اور کریما تیار ہوئے ہیں۔

دوسرا جواب اصل شبہ منکرین نبوت خاتم الانبیاء کا قرآن نے یہ دیا ہے کہ قرآن صرف قصہ وکہانیاں نہیں ہیں کہ ادہراس لوہار سے سنیں اور ادہر عرب کو سنادیں۔ بلکہ یہ قرآن پانچ انواع علوم پر مشتمل ہے۔

اوّل علم توحید وصفات باری تعالےٰ دوم علم احکام حلال وحرام۔ سوم علم وعد ووعید۔ چہارم علم امثال پنجم علم قصص واخبار۔ قصے وکہانیاں تو علوم قرآن کا پانچواں حصہ ہے۔ اسکے علاوہ چار حصے علوم قرآن خصوصاً پہلے تین حصے تو ایسے ہیں کہ وہ اسرار مخفی ہیں جنپر انسان کا اپنی انسانی عقل سے مطلع ہونا ناممکن ہے۔

پھر اوس لوہار یا کسی اور کی مدد سے وہ علوم کیونکر بیان ہوسکتی ہیں۔

صاحبان! - ان علوم قرآن کی طرف آئت نمبر ۱۹ - میں اشارہ ہوا ہے اور لفظ ساعی کے جو اس آئت میں وارد ہے - عام طور پر اور سرسری نظر سے مفسرین نے یہ معنے کئے ہیں - کہ اس سے بعض واقعات مخفی (جیسے ایک شخص کا روزہ کی رات کو اپنی زوجہ سے ہم بستر ہونا) کے متعلق قرآن کا خبر دینا - اور اوسکا حکم بتانا (کہ مثلاً وہ فعل مباشرت شب صوم فلان شخص سے واقعہ ہوا ہے - اور خدا تعالٰے نے اوس کو معاف کرکے آئندہ رات کے وقت اس فعل کو مباح کر دیا ہے -) مراد ہیں مگر غور و فکر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کے پہلے تینون علوم سب کے سب اسرار ہیں سے ہیں - جنپر انسانی عقل خود بخود مطلع نہیں ہو سکتی - چنانچہ بضمن تقریر و توضیح عقلی اس امر کی تفصیل ہو گی - انشاء اللہ تعالٰے -

صفحہ ۳۰۵ و ۳۰۶ ملاحظہ ہو -

شریعت کے احکام علال و حرام باوجودیکہ بذات خود اسرار ہیں اپنے ضمن اور نیت میں اور اسرار رکھتے ہیں - جنکو خواص ماہران شریعت اپنی خداداد عقل سے اور شریعت کی برکت سے سمجھتے ہیں - انکو اسرار کہنا عوام کی نظر سے ہے جو ان اسرار سے محجوب ہیں -

وہ اسرار الٰہیات اور احکام کی حکمتیں (یا فلاسفی) ہیں - کہ فلان حکم کیوں مشروع ہوا ہے مثلاً بکری کیوں حلال ہے اور خنزیر و کتا کیوں حرام - پانی کیون پاک و حلال ہے - اور شراب کیوں نجس و حرام - بول و براز سے صرف محل بول کو کیوں دہونا فرض ہے - اور خروج منی سے تمام بدن کا غسل کیوں فرض ہے - وضو میں ہاتھ پاؤں مُنہ کو دہونے کا کیوں حکم ہوا ہے - اور سر کا صرف مسح کرنا کیوں فرض کیا ہے - وعلٰے ہذا القیاس - میرے پاس اسوقت وقت نہیں ہے کہ میں ان تمثیلات کے اسرار بیان کرون - یا اور تمثیلات کی تفصیل کرون - لہذا میں بجائے اس تفصیل کے -

حاضرین وسامعین و دیگر شائقین مباحثہ کو اجازت دیتا ہوں کہ وہ جب چاہیں مجھ سے احکام شریعت اسلام کے اسرار کی بابت سوال کریں اور جواب لیں دمیرے مکان پر تشریف لاویں خواہ اپنے مکانوں اور مجلسوں یا سماجوں میں مجھے بلاویں۔

میں باوجودیکہ بہت بڑا عالم اسلام نہیں ہوں - بلکہ ایک ناقص علم اور محدود معلومات رکھتا ہوں دعوے سے کہتا ہوں کہ میں انشاءاللہ تعالے انکے اس قسم کے سوالات کا خدا کے فضل و توفیق سے جواب دونگا - اور احکام شرع کی حکمت (یا فلسفی) اون کے سامنے بیان کرونگا - اور یہ ثابت کردونگا کہ شریعت کا کوئی حکم حکمت سے خالی نہیں ہے۔

اسرار احکام شریعت محمدیہ کو متقدمین سے امام محدث ابو سلیمان خطابی - اور متوسطین سے شیخ عزالدین ابن عبدالسلام اور صوفی صافی امام غزالی وغیرہ اور متاخرین سے شیخ مشائخنا حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی نے اپنے اپنے تصانیف میں بیان کیا ہے - اسباب میں حضرت شاہ صاحب کی کتاب حجۃ اللہ البالغہ ہے جو مسلمانوں کی خوش قسمتی سے اسوقت اردو میں ترجمہ ہوگئی اور اسلامیہ پریس لاہور میں طبع ہو رہی ہے - اور مہتمم مطبع سے بقیمت ۱۲ ملسکتی ہے

یہ قرآن کا جواب دوم بھی لاجواب ہے - اور اس سے قرآن کا معنوی اعجاز ثابت ہوتا ہے اور اوسکے مقابلہ و جواب میں کوئی دعوی نہیں کرسکتا - اور نہ اوس کا ثبوت دے سکتا ہے - کہ قران نے جو متعلق توحید و صفات و احکام و وعدہ وعید اسرار ظاہر کئے ہیں - وہ انسانی عقل کی تعلیم سے بیان ہو سکتے ہیں - ان دونوں جواب سے منکرین نبوت خاتم الانبیاء کا شبہ دور ہوا اور یقیناً ثابت ہوا کہ قران اپنی لفظی اور معنوی

اعجاز سے کلام بشر ہونے سے پاک ہے۔ اور یہ محض القا و الہام الٰہی ہے جو اعلیٰ درجہ کی روحانیت والی نبی پر انعام ہوا ہے۔

یہاں اگر یہ سوال ہو۔ کہ انسان کے لئے عقل و حواس کے سوائے علوم و ادراک آلہ الہام ہونے پر کیا دلیل ہے اور عام لوگوں کو اسکے یقین کی کیا سبیل۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ دلیل جس سے کوئی شخص خواہ کسی ملت و مذہب کا ہو انکار نہ کر سکے۔ رویا صالحہ (سچی خواب) ہیں جو الہام و وحی الٰہی کا جو نبوت کے خواص سے ہی چھیالیسواں حصہ ہے۔

صاحبان!۔ آپ یہ خیال نہ کریں کہ خواب صرف خیالات ہی ہوتے ہیں۔ انکا کیا اعتبار۔

حضرات! خواب پانچ قسم ہوتے ہیں۔ قسم اوّل اخلاطی (یا طبعی) خواب ہیں۔ یہ وہ ہیں جس خلط صفرا یا بلغم کا غلبہ ہوتا ہے۔ اس خلط کے موافق آگ یا پانی خواب میں نظر آتے ہیں۔

قسم دوم۔ اخلاقی (یا ملکی) خواب ہیں۔ یہ اون لوگونکو نظر آتی ہیں جو اخلاق فاضلہ میں ملکہ راسخہ حاصل کر لیتے ہیں۔ اور جذبات طبیعت سے متجرد ہو جاتی ہیں ایسے لوگ اپنے کسی وقت کے بے جا غصہ کو جو بمقتضائے طبیعت اون سے سرزد ہو جاتا ہے۔ شیر یا بھیڑیئے کی صورت میں دیکھتے ہیں۔ اور اپنے اچھے اخلاق و ایمان کو دودھ شہد وغیرہ ستھری چیزوں کی صورت میں دیکھتے ہیں۔

قسم سوم۔ خیالی خواب ہیں۔ یہ عام لوگوں کے خواب ہوتے ہیں۔ جن کاموں میں وہ لوگ لگے رہتے ہیں وہ اون کی قوت متخیلہ میں محفوظ و مجتمع رہتے ہیں۔ اور رات کو ان کے دیکھنے میں آتی ہیں۔ یہیں سے یہ مثل مشہور ہو گئی ہے "بلی کو چھچھڑوں کے خواب"۔ *

قسم چہارم ۔ شیطانی خواب ہیں ۔ یہ شیطان کا وسوسہ یا ڈراوا ہوتا ہے جو بُری باتوں کے خیال ہیں گذرنے اور خوفناک صورتوں کے نظر آنے سے ہوتا ہی جن سے بعض اوقات انسان چلا اوٹھتا ہے ۔

قسم پنجم ۔ رحمانی خواب ہیں ۔ اور خدا کی طرف سے ایک قسم کے الہامات واشارات ہوتے ہیں ۔ مثلاً ایک آیندہ واقعہ کی نسبت ایسا مشاہدہ کرا دیا جسمیں پہلے چاروں قسم کا دخل نہ ہو ۔ (نہ انسان کی اخلاط کا نہ اخلاق کا ۔ نہ خیالات روزمرہ کا ۔ نہ وسوسہ یا ڈراوا شیطان کا ۔) اور پھر ویسا ہی وقوع میں آجانا اسکی مثال بادشاہ مصر کا وہ خواب ہے جسمیں اُسکو سات موٹی تازہ گائے ۔ اور سات دُبلی ۔ اور سات سبز بالیں اور سات خشک نظر آئیں ۔ اور حضرت یوسف علیہ السلام نے اسکی یہ تعبیر بتائی کہ سات سال خوب سیرابی اور ارزانی ہوگی پھر سات سال خشک سالی و گرانی اور پھر ایسا ہی وقوع میں آگیا ۔

اس قسم پنجم سے تمام دنیا میں کوئی فرد بشر خواہ کسی مذہب و ملت کا ہو ۔ اپنی تمام عمر میں خالی نہ رہا ہو گا ۔ اوس نے ضرور کبھی نہ کبھی ایسا واقعہ خواب میں دیکھا ہو گا جس میں اخلاط و اخلاق و خیالات وغیرہ کا کچھ دخل نہ ہو ۔ اور وہ ایسا وقوع میں آگیا ہو ۔

اس قسم کے خواب عامہ خلائق کو دکھانے سے خدا تعالےٰ نے بندوں پر اپنی حجت قایم کی ہے ۔ اور ان کو یہ بات سوجھا دی ہے کہ ادراک و علم کا آلہ و وسیلہ صرف عقل و حواس ہی نہیں ہیں ۔ بلکہ یہ ایک غیر اختیاری وسیلہ بھی ہے جس کی نظیر گو چھیالیس حصے اس سے بڑھی ہوئی انبیاء میں پائی جاتی ہے ۔ اور وہ الہام و وحی الٰہی کہلاتی ہے ۔ جو لوگ باوجود تجربہ و مشاہدہ اس ادنے چھیالیسویں حصے نظیر کے اس اعلےٰ نظیر الہام و وحی انبیاء سے انکار کرینگے ۔ اور اسکو نامکن

و محال قرار دینگے وہ خدا کے سامنے جوابدہ ہونگے۔

مگر اے حضرات حاضرین و سامعین یہ ادنےٰ درجہ کا آلہ و وسیلہ ادراک ایسا وسیع اور مستقل نہیں ہے کہ ہر شخص اسکو اپنی ہدائت و عمل کے لیے مستقل دست آویز بنالے۔ اور اپنی خوابوں کے ذریعہ احکام کی تشریع و تجدید کرے۔

مثلاً کوئی مسلمان اپنی خواب کی دست آویز سے شراب کو حلال بنالے یا نماز کو معاف کرالے۔ وعلےٰ ہذالقیاس۔

بلکہ اس آلہ کے ادنےٰ درجہ والوں کو لازم ہے کہ اس ادنےٰ درجہ کے مشاہدہ سے اس کے وجود کا یقین حاصل کر کے اعلےٰ درجہ والے انبیاء کی پیروی اختیار کریں۔ اور اپنے اس قسم کے خوابوں کو ان کے وحی و الہام کے تابع کریں۔ پھر جسکو اس کے موافق پاویں اسکو الہام رحمانی سمجھیں۔ اور جو مخالف ہو اسکو قسم چہارم وسوسہ شیطان خیال کریں۔

اس اعلےٰ نظیر کی تصدیق و تائید ہماری آئندہ کی تقریر توضیح میں بھی پائی جاتی ہے۔ سامعین اسکا انتظار کریں۔

اس تشریح اور تشریح سابق کی عقل و قانون قدرت سے مزید توضیح

آئت نمبر اول۔ اور اس سے سابق الذکر آیات نمبر ۳ و ۴ و ۵ میں جو انسان کی قوائے عقلیہ و صفات روحانیہ ہیں اور حیوانات پر مزیت و فوقیت بیان ہوئی ہے اور ان قوائے و صفات کی وجہ اور تقاضا سے انسان کا لائق تحمل اثقال امانت و بجا آوری احکام ہونا۔ اور اس امانت برداری اور ذمہ واری میں انبیاء علیہم السلام

کا سب انسانوں سے فائق ولائق تر ہونا بیان ہوا ہے۔ اسکی کافی تشریح ہم اُن آیات کی ذیل میں کر چکے ہیں۔

اب ہم اس تشریح کی مزید توضیح عقل اور قانون قدرت سے کرتے ہیں۔ اور اسکی تائید میں عقلاء اور حکماء کے اقوال نقل کرکے ضرورت نبوت کو ثابت کرتے ہیں جو روحانیت انسانی کا اعلےٰ اور آخری درجہ ہے۔

حضرات! ۔ ہم کتاب قانون قدرت کے صفحات پر نظر ڈالتے ہیں۔ اور انسان کی فطرت دیا یوں کہو کہ نیچر[*]) میں بمقابلہ نباتات وحیوانات نظر کرتے ہیں تو انسان کی فطرت بہت صراحت کے ساتھ شہادت دیتی ہے کہ انسان اس امانت برداری اور ذمہ واری کے لائق ہے۔ اور حضرات انبیاء علیہم السلام ان سب میں بڑھ کر ہیں۔ اور اسیوجہ سے وہ نبوت سے مخصوص وممتاز ہوئے ہیں۔

نباتات اشجار وغیرہ کو حکیم علے الاطلاق نے حیوانی افعال وارادات عطاء نہیں فرمائے تو انکے وجود اور بقاء شخص ونوع کیلئے ایسے اسباب پیدا کردیئے ہیں جنمیں انکے ارادی افعال کا دخل نہیں ہے۔ کوئی تخم ریزی کرے۔ کوئی درخت یا پودا لگا دے۔

مکھیاں یا ہوا نر کا پھل مادہ تک پہنچادیں۔ اور ان پھلوں کے جفت ہونیسے اور پھل لگیں جس کیطرف آیت منقولہ حاشیہ میں اشارہ ہے۔ انکی غذا مٹی اور پانی

ومن کل شیء خلقنا زوجین لعلکم تذکرون (الذاریت ع ۳)[1]

*) نیچر سے مراد یہاں وہ نیچر محسوس ہے جو مشاہدہ میں آتا ہے۔ نہ نیچر معقول جو موجودہ حالات موجودات پر قیاس کرکے خداتعالے کی قدرت کا قانون قرار دیا گیا ہے۔ دیکھو مضمون "النیچر" اشاعۃ السنہ نمبر ۲ جلد ۴ میں۔

[1] یعنے ہم نے ہر چیز سے (جسمیں توالد وتناسل کا سلسلہ جاری ہے) دو جوڑے نر اور مادہ پیدا کئے ہیں تاکہ تم نصیحت پکڑو۔

نیچے سے سرتک پہنچے تو اون کو وجود حاصل ہو اور انکی شخص اور نوع کا قیام رہے۔

حیوانات چرندوں و پرندوں میں افعال وحرکات ارادی خدا تعالیٰ نے ودیعت رکھے ہیں۔ تو ان کو حفظ شخص کے لیئے الہام طبعی ہوتا ہے کہ چل پھر کر اپنی غذا۔ اور دیگر ضروریات زندگی تلاش کریں وہ اس طبعی الہام الٓہی پر عمل کر رہے ہیں

اور چل پھر کر اپنا رزق اور ضروریات زندگی تلاش کرتے ہیں۔ چنانچہ آیات منقولہ حاشیہ میں ذکر ہے۔ گرمی کے بچاؤ کے لیئے وہ درخت کا سایہ یا دیوار کی اوٹ تلاش کرتے ہیں۔ اور سردی کے بچاؤ کے لیئے علاوہ کسی اوٹ یا جگہ کہ ان کے [illegible] کی کھال اور پشم اونکو لباس کا کام دے رہی ہیں۔ جسمیں انسان بھی اون کے شریک وفیضیاب ہیں چنانچہ

وما من دابۃ فی الارض الا علی اللہ رزقها۔ (ہود ع ۱)[1]

وما من دابۃ فی الارض ولا طائر یطیر بجناحیہ الا امم امثالکم (سورہ انعام ع ۴)[2]

وکاین من دابۃ لا تحمل رزقها الله یرزقها وایاکم [illegible][3]

ثم کلی من کل الثمرت فاسلکی سبل ربک ذللا۔ (النحل ع ۹)[4]

---

[1] کوئی زمین پر چلنے والا جاندار نہیں جس کی روزی خدا تعالیٰ پر نہ ہو۔ (جنکو وہ چلکر لیتا ہے۔)

[2] کوئی زمین پر چلنے والا جاندار نہیں۔ اور نہ پروں سے اوڑنے والا جانور۔ مگر تمہارے جیسی جماعتیں ہیں۔ (جو چل پھر کر روزی کھاتی ہیں)

[3] بتیرے جانور ہیں جو اپنی روزی اٹھائے نہیں پھرتے اون کو اور تمکو خدا روزی دیتا ہے (جب تم اور وہ روزی کو نکلتے ہو۔)

[4] خدا نے شہد کی مکھی کو طبعی الہام کیا کہ پھر خدا کے دیئے ہوئے ہر قسم کے پھل کھا۔ اور خدا کے (بتائے) راہوں چل۔ جو تیرے قابو میں ہونگے۔ یعنے تو ان میں بھول نہ جائیگی۔

والانعام خلقها لکم فیها دفء و منافع ومنها تاکلون (النحل - ع ۱-)[1] والله جعل لکم من بیوتکم سکنا و جعل لکم من جلود الانعام بیوتا تستخفونها یوم ظعنکم ویوم اقامتکم ومن اصوافها واوبارها واشعارها اثاثا ومتاعا الی حین (النحل - ع ۱۱-)[2] ومن آیته ان خلق لکم من انفسکم ازواجا لتسکنوا الیها وجعل بینکم مودة ورحمة (الروم - ع - ۳-)[3]

آیت منقولہ حاشیہ میں انسان پر احسان جتایا ہے اور بقاء نوع کے لئے اونکو یہ طبعی الہام ہوتا ہے کہ رغبت وارادہ سے نر مادہ کیطرف متوجہ اور اس سے جفت ہو اور اوس میں وہ افعال انسانوں کی طبعًا پیروی کریں - اسوجہ سے جو احسان آیت منقولہ حاشیہ میں انسانوں کو جتایا گیا ہے اُسکا حصہ حیوانوں کو بھی پہنچتا ہے اور اس خطاب انسانوں میں تبعًا وہ بھی شامل ہیں - پھر ازانجملہ جنکے بچے پیدا ہوتے ہی چلنے پھرنے لگ جاتے ہیں اون کو بچوں کے لئے گہ تلاش مخصوص کرنے کا حکم نہیں ہوتا - اور جنکے بچے ایک مدت کے بعد اپنا آپ سنبھال سکیں اونکو یہ طبعی الہام ہوتا ہے کہ وہ درختوں یا دیواروں یا زمین میں گھونسلے یا چھتے یا بل بناویں جبکا

---

[1] اور تمہارے لئے خدانے چوپایہ جانور بنائے ان (کی بالوں اور کھالوں) میں تمہارے لئے گرمائی ہے - اور کئی اور نفع اور کچھ کھاتے ہو -

[2] خدانے تمہارے لئے تمہارے گھر سکونت کی جگہ بنائی - اور چوپایہ جانوروں کے چمڑوں کے خیمہ بنا دیئے جسکو ہلکے جانکر اُٹھاتے ہو سفر کے دن اور قیام میں اور اون جانوروں کی اُون روؤں اور بالوں سے ایک وقت تک تمہارے لئے سامان بنایا اور نفع پہنچایا -

[3] خدا کی (قدرت کی) نشانیوں سے ہے - کہ تمہارے لئے تمہارے ہم جنس جوڑے بنا دیئے - کہ اُن کی طرف متوجہ ہو کر چین پاؤ - اور تم میں باہم الفت و رحمت رکھدے -

واوحی[۱] ربک الی النحل ان اتخذی من الجبال بیوتا ومن الشجر ومما یعرشون (النحل - ع ۹ -)

وان[۲] لکم فی الانعام لعبرۃ نسقیکم مما فی بطونہ من بین فرث ودم لبنا خالصا سائغا للشاربین (النحل - ع - ۹ -)

ذکر بطور تمثیل آئت منقولہ حاشیہ میں ہے۔

شیر دار حیوانوں کو یہ طبعی الہام ہوتا ہے، کہ وہ اپنے بچوں کو دودھ پلائیں - اور انکے علاوہ انسانوں کو دیجاوں کو گھاس دانہ دیتے ہیں) بھی دودھ دیں جسکا انسان پر احسان جتانے کو آئت منقولہ حاشیہ ذکر کیا گیا ہے - اور جو جانور دودھ نہیں رکھتے اونکو یہ الہام ہوتا ہے کہ وہ اپنے موںھ میں دانہ رکھ کر اوسکو نیم ہضم کرکے بچوں کے مُنہ میں رکھدیں۔

حیوانات میں ان افعال کے علاوہ ادراکات کلیہ وضوابط عقلیہ کا مادہ نہیں رکھا گیا - تو اونکو حضرت انسان کی طرح انکے مبادی امور کے کسی عقلی امر اور کلی ضابطہ کا الہام نہیں ہوا۔

اب ہم حضرت انسان کی فطرت یا نیچر میں نظر کرتے ہیں تو اوسکو نباتات و حیوانات کی صفات مذکورہ و دیگر صفات کا جامع - اور مجموعہ پاتے ہیں - اور کئی صفات ہم اسمیں ایسی پاتے ہیں جنکا نباتات اور حیوانات میں مشاہدہ نہیں کرتے - اسکی مجموعہ صفات میں نظر کرکے ہم یہ سوچتے ہیں کہ منجملہ ان مجموعہ صفات کے

[۱] خدا نے شہد کی مکھی کو (طبعی) الہام کیا - کہ پہاڑوں میں اور درختوں پر - اور لوگوں کے چھتوں میں چھتے بنا دے۔

[۲] تمہارے لئے چوپایہ جانوروں میں عبرت ہے - اون کے پیٹوں میں گوبر اور خون کے بیچ میں سے ہم خالص و خوشگوار دودھ نکال کر تمکو پلاتے ہیں - - -

جو انسان میں پائے جاتے ہیں کونسے صفات ہیں جو انسانیت کا مناط و مدار ہیں اور اون کے سبب سے انسان انسان کہلانے کا مستحق ہے۔ اگر ہم یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ صفت اسکا طول قامت وعظم جسامت وضخامت ہے تو ہم کو خیال آتا ہے۔ کہ یہ صفات تو انسان کی نسبت درختوں اور پہاڑوں میں بدرجہا بڑھ کر ہیں۔ اگر یہ مدار و مناط انسانیت ہیں۔ تو پہاڑ اور درخت بطریق اولے مستحق اطلاق لفظ انسان ہیں۔

اور اگر ہم یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ صفات انسان کی خوبصورتی اور اسکے خط وخال کی خوشرنگی ہے تو ہمکو یہ خیال آتا ہے۔ کہ یہ صفات تو انسان کی نسبت پھولوں اور پتوں میں بڑھ کر موجود ہیں۔ پس چاہیئے کہ انسان ان چیزوں کو بدرجہ اولے گنا جائے۔

اور اگر سمجھتے ہیں کہ وہ صفات انسان کا کھانا پینا غضب و شہوت وغیرہ ہیں۔ تو یہ بھی سمجھ میں آتا ہے کہ یہ صفتیں انسان سے بمراتب زائد ہاتھی۔ گھوڑے۔ گدہے۔ شیر۔ بھیڑیئے۔ خنزیر۔ بندر۔ میں پائی جاتی ہیں۔ پس اگر انسانیت کثرت شہوت سے عبارت ہے۔ تو بندر انسان کامل ہے۔ جو اس صفت میں سب سے بڑھ کر ہے۔ اسکے بعد خنزیر وغیرہ سانڈ جانور۔ اور اگر پھاڑ کھانا یا مار ڈالنا انسانیت کے کام ہیں تو شیر۔ بھیڑیا۔ انسان کھلانے کے زیادہ مستحق ہیں۔ اور اگر بہت کھانا انسانیت ہے۔ تو ہاتھی سب سے زیادہ اس نام کا استحقاق رکھتا ہے۔

اور اگر ہم خیال کرتے ہیں کہ ابنائے جنس و ازواج و اولاد سے الفت و محبت کرنا انسانیت ہے تو ہم کو یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ عام حیوانات اور ان میں سے درندے بھی اپنے ہمجنس اور جوروں اور بچوں سے الفت رکھتے اور پیار کرتے ہیں۔ گدہا۔ گدہے کو خرخاری کرتا ہے۔ کتا کتیا کو۔ گائے اپنے بچے کو چومتی چاٹتے

ہیں۔ شیر مادہ اپنے بچے کو دودھ دیتی ہے۔ یہ اوصاف انسانیت ہے۔ تو یہ حیوانات انسان کہلانے کے مستحق بنتے ہیں۔ حالانکہ ان سب حیوانات کو باوجود کمالیت صفات مذکورہ کے کوئی انسان نہیں سمجھتا۔

ان سب صفات سے برتر بعض صفات ہم انسان میں ایسے بھی پاتے ہیں جو بادی الرائے میں حیوانات وجمادات میں پائی نہیں جاتی۔ جیسے عجیب عجیب صنعتیں بنانا۔ بہادری دکھانا وغیرہ وغیرہ

عامہ خلایق جنکو صرف بادی الرآے پر نظر ہوتی ہے۔ اور انکا حال آیت

يعلمون[1] ظاهرا من الحيوة الدنيا وهم عن الاخرة هم غفلون (الروم ۔ ع ۔ ۱۔)

فاعرض[2] عن من تولى عن ذكرنا ولم يرد الا الحيوة الدنيا ۔ ذلك مبلغهم من العلم ان ربك هو اعلم بمن ضل عن سبيله وهو اعلم بمن اهتدى (النجم ۔ ع ۔ ۲۔)

منقولہ حاشیہ میں بیان ہوا۔ ان ہی صفات کو مناط انسانیّت سمجھتے ہیں اسیواسطے جمہور خلایق ان ہی صفات کی تحصیل و [illegible] میں شب و روز سرگرم ہیں۔ اور جنہیں یہ صفات ہیں وہ انسان کامل خیال کئے جاتے ہیں مگر تعمق و غور نظر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ صفات بھی مدار و مناط انسانیّت نہیں ہیں کیونکہ ان صفات کا اثر و صل اصول اور حیوانات میں بھی پایا جاتا ہے

---

[1] وہ لوگ دنیا کی ظاہری زندگی کو جانتے ہیں۔ اور آخرت سے غافل ہیں۔

[2] اوس شخص سے تو منہ پھیرے جو ہماری یاد (یا نصیحت) سے منہ موڑتا ہے۔ اور وہ بجز زندگی دنیا کچھ نہیں چاہتا۔ اون کے علم کی حد یہی دنیا ہے۔ خدا خوب جانتا ہے کون اوس کی راہ سے بھکا۔ اور کون ہدایت پانے والوں میں ہے۔

مثلاً بہادری کا اصل اصول غصہ کرنا۔ اور انتقام کا طالب ہونا۔ اور سختی و ہلاکت کی جگہ ثابت قدم رہنا ہے۔ سو بہتیرے حیوانات شیر وغیرہ میں پایا جاتا ہے۔

عجائب صنعتیں بھی بعض حیوانات سے سرزد ہوتی ہیں دیکھو بیا کیسا گھر بناتا ہی جو انسان سے بجز تکلف بن نہیں سکتا۔ شہد کی مکھی بلا پرکار و صناعی آلات کے ایسا مسدس چھتا بناتی ہے۔ جو انسان سے بدون آلات تیار ہونا مشکل ہے۔ اسکے نظائر اور بہت ہیں جنکا ذکر ہمارے اشاعۃ السنۃ نمبر ۳ جلد ۲ میں ہے مگر غور و فکر کرنے سے معلوم ہوتا ہی کہ مدار و مناط۔ انسانیت انسان کی اور ہی صفات ہیں جن سب کا مآل و مرجع اوسکی دو صفتیں ہیں ایک قوت عقلیہ جو ادراک کلیات سے عبارت ہے۔ اور اسی کی نظر سے انسان کو ناطق یعنے مدرک کلیات کہا جاتا ہے اس قوت عقلیہ کی دو شاخیں ہیں۔ ایک وہ جسکو نظام بشری اور اسباب دنیاوی سے تعلق ہے۔ اور ان ہی کے متعلق اس نظام بشری و دنیاوی سے قواعد و ضوابط استنباط کرنا کام ہے۔ اس شاخ کی نظر سے انسان کیلئے تمدن۔ اور قانون تمدن کی ضرورت ثابت ہوتی ہے۔

دوسری شاخ وہ جسکو غیب الغیب سے تعلق ہے۔ اور امور و علوم ضوابط قوی ہونا اسکا فعل و اثر ہے۔ اس شاخ کی نظر سے انسان کیلئے نبوت اور وجود انبیاء کی ضرورت ثابت ہوتی ہے۔

دوسری قوت عملیہ ہے اسکی بھی دو شاخیں ہیں۔ ایک اعمال کو بطریقہ ارادہ واختیار وجود میں لانا جس سے عمل انسان کو بہائم و حیوانات کے افعال سے تمیز ہوتی ہے۔ (یہ شاخ قوت عملیہ ہر ایک انسان میں موجود و متحقق ہوتی ہے۔) ہرچند حیوانات و بہائم بھی عمدہ عمدہ افعال کرتے ہیں۔ چنانچہ ابھی ہم ذکر کر چکے ہیں۔ مگر وہ جو کچھ کرتے ہیں طبعاً و اضطرار کرتے ہیں۔ ارادتاً و اختیاراً نہیں کرتے۔ اسپر یقینی

دلیل ہے۔ کہ انسان جو فعل کرتا ہے اسکا اثر و رنگ اسکے دل میں پیدا ہوتا ہے۔ بخلاف حیوانات و بہایم کے کہ وہاں اثر و رنگ پیدا نہیں ہوتا۔

انسان جس کام کو اچھا سمجھ کر کرتا ہے۔ اس سے اس کے دل پر فرحت و نورانیت و سرور پیدا ہوتا ہے۔ اور جس کام کو وہ بُرا سمجھ کر عمل میں لاتا ہے اس سے اوسکے دل پر ظلمت و کدورت پیدا ہوتی ہے۔ (چنانچہ سزا و جزا کے اقسام ثلثہ جو صفحہ (۲۶۰) میں بیان ہوئی اُسکی موئید ہیں۔) اور یہ امر حیوانات و بہایم سے مشاہدہ میں نہیں آتا۔ انسے جو ہوتا ہے طبعاً ہوتا ہے۔ نہ اونکو اپنے اچھے کام کی بہتری کا علم و خیال ہوتا ہے۔ نہ اُسکا اثر انکے دل پر نور و سرور ظاہر ہوتا ہے۔ اور نہ برے کام کی بُرائی کا انکو علم ہوتا ہے۔ اور نہ اس برائی کا اثر ظلمت و کدورت اُنکے دل پر ظاہر ہوتی ہے

دوسری شاخ قوت عملیہ کے روحانی حالات و عالی مقامات ہیں جیسے اپنے خالق سے اُنس و محبت رکھنا [illegible] اسی طرح [illegible] شاخ قوت عملیہ کا اظہار [illegible] ان افراد نوع انسان میں پائی جاتی ہے جو روحانیت میں کامل اور وہ صاحب وحی کے الہام کہلاتے ہیں۔ (اِن دونوں صفتوں اور اوسکی شاخوں کا صرف انسان میں (نہ اسکے ہم جنس حیوانات میں) پایا جانا مشاہدہ و تجربہ سے ثابت ہے۔ اس لئے انکا اثبات و بیان دلائل سے انسانوں کے لئے چنداں ضروری نہ تھا۔ مگر چونکہ اکثر انسان بہیمی حجابوں میں مستور ہو کر اپنی انسانیت سے غافل ہیں۔ جن کا حال آیت منقولہ حاشیہ میں بیان ہوا ہے لہٰذا ان صفتوں اور اون کے شاخوں کے وجود پر اُن لوگوں کو آگاہ کرنا ضروری ہے۔ قوت عقلیہ و عملیہ کی

اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ (اعراف ع ۲۲)[^1] يَتَمَتَّعُوْنَ وَيَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ (محمد ع ۲)[^2]

[^1]: وہ نہیں ہیں مگر جیسے چوپائہ جانور۔ بلکہ اُنسے بھی بڑھ کر گمراہ۔
[^2]: دنیاوی چیزوں سے نفع اٹھاتے ہیں اور ایسا کھاتے ہیں جیسے جانور۔ یعنے جس سے آخرت میں کچھ نتیجہ ظاہر نہو۔

پہلی دو شاخوں کے وجود پر انسان کا طریق تمدن وطرز معاشرت گواہ ہے ۔ ہم صاف مشاہدہ کرتے ہیں کہ اگرچہ انسان کھانے پینے مباشرت کرنے ۔ سردی کے وقت دہوپ میں بیٹھنے ۔ آگ تاپنے ۔ اور گرمی کے وقت سایہ میں بیٹھنے وغیرہ طبعی کاموں میں اور حیوانات سے مشارکت رکھتا ہے ۔ مگر وہ ان سبھی کاموں میں اور حیوانات سے تین امور میں امتیاز رکھتا ہے ۔

اوّل یہ کہ ان کاموں کے لئے اسکے دل میں باعث ومحرک ایک کلی رائے پیدا ہوتی ہے ۔ جو ان کاموں کا نشیب وفراز وانجام وآغاز اوسکو بتا دیتی ہے (اس طرح کی کلی رائے حیوانات کے افعال طبعی میں نہیں پائے جاتے ۔ انکو صرف طبعی جذبات باعث ہوتے ہیں ۔

امر دوم یہ کہ وہ اپنے کام میں شائستگی مدنظر رکھتا ہے ۔ (لباس مکان اچھا چاہتا ہے [illegible] یہ امر بھی حیوانات میں پایا نہیں جاتا ۔ انکو صرف دفع ضرورت وقضائے حاجت طبعاً مطلوب ہوتی ہے ۔

امر سوم ۔ کہ وہ ضوابط وقواعد حسن معاشرت کو دوسرے بنی نوع سے اخذ کرتا ہے اور نوع انسان میں افادہ واستفادہ وتعلیم وتعلم جاری ہے ایسی ہی اوسکی قوت عقلی وعملی کی دوسری دو شاخیں بھی مشاہدہ حال انسان سے ثابت ہیں ۔ ہم صاف مشاہدہ کرتے ہیں کہ بعضے انسان ایسے علوم وقوانین بیان کرتے ہیں جنکو ظاہری نظام دنیاوی سے اخذ کیا نہیں جاسکتا ۔ خواہ کیسی ہی قوت فکری صرف کریں ایسا ہی ہم دیکھتے ہیں کہ بعضے لوگ اپنے خالق سے ایسی محبت رکھتے ہیں کہ جو روبیٹے روپے پیسے سے نہیں رکھتے ۔ اور خدا پر ایسا بھروسہ رکھتے کہ اپنے ہاتھ کے زور اور بازو کی قوت اور دوست وآشنا پر نہیں رکھتے (انہی دو شاخون

کے موصوف و محل انبیاء علیہم السّلام ہیں۔ جنکے وجود کی ضرورت ثابت کرنے کے ہم درپے ہیں ۔) انسان کی قوت عقلیہ و عملیہ کی پہلی دو شاخیں اوسکو مدنی الطبع (اپنے ابنائے جنس سے مل جُل کر کسی شہر یا گاؤں میں رہنے کا محتاج ہونا۔) ثابت کرتے ہیں۔

اور یہ مدنی الطّبع ہونا اوسکو کسی قانون تمدن کا محتاج بناتا ہے۔ اور قانون کے لئے قانون بنانے والے کی ضرورت ہے۔ اس سے حکماء و فلاسفہ یونان نے نبی اور نبوّت کی ضرورت کو ثابت کیاہے۔ وہ کہتے ہیں کہ وہ قانون بنانے والا نبی ہوتاہے۔ اور قانون اسکی وہ شریعت یادین ہے جسپر وہ لوگوں کو چلنے کی ہدائت کرتاہے۔

شیخ الرئیس بوعلی بن سینانے کتاب شفامیں کہاہے۔ یہ بات سب کو معلوم ہے۔ کہ انسان اور حیوانات سے اس امر میں ممتاز ہے۔ کہ وہ مدنی الطّبع ہی

ونقول الآن انه من المعلوم ان الانسان یفارق سائر الحیوانات بانہ لایحسن معیشتہ لوانفرد وحدہ شخصًا واحدًا یتولی تدبیر امرہ من غیر شریك یعاونہ علی ضروریات حاجاتہ وانہ لابدمن ان یکون الانسان مکفیًا باخرمن نوعہ یکون ذلك الاخرایضًا مکفیًا بہ وبنظیرہ فیکون ھذا مثلاینقل الی ذلك و ذلك یخبز لھذا وھذا یخیط للاخر

[illegible] تنگی سے اپنی زندگی بسرنہیں کرسکتا۔ اور بلامشارکت و معاونت دوسروں کے اپنی ضروریات زندگی کو پورا نہیں کرسکتا۔ بلکہ ضروری ہے کہ اس کے نوع کی دوسری افراد اوسکی ضرورتوں میں اوسکو مدد دین یہ اوسکو روٹی پکادے۔ وہ اوسکو کپڑے سی دے۔ وہ سوئی بناوے وعلے ہذا القیاس وہ سب اکٹھے ہوں تو انکے کام پورے ہوسکتے ہیں۔ اور

والالآخر یتخذ الابرة لهذا حتی اذا اجتمعوا
کان امرهم مکفیا - ولهذا ما اضطروا
الی عقد المدن والاجتماعات فمن
کان منهم غیر محتاط فی عقد مدنیه
علی شرائط المدینة وقد وقع منه
ومن شرکائه الاقتصار علی الاجتماع
فقط فانه یتجبل علی جنس بعید
الشبه من الناس عادما لکمالات
الناس ومع ذلک فلا بد لامثاله
من اجتماع ومن تشبه بالمدنیین
فاذا کان [illegible] فی
وجود الانسان وبقائه من مشارکة
ولا تتم المشارکة الا بمعاملة کما لا بد
فی ذلک من سائر الاسباب التی
تکون له ولا بد فی المعاملة من سنة
وعدل ولا بد للسنة والعدل من
سان ومعدل ولا بد من ان یکون
هذا بحیث یجوز ان یخاطب الناس
ویلزمهم السنة ولا بد من ان یکون
هذا انسانا ولا یجوز ان یترک الناس
وآراءهم فی ذلک فیختلفون ویری

اس وجہ سے وہ ایک شہر یا گاؤں
بنانے کے محتاج ہوتے ہیں - پھر جو
شخص از انجملہ اس تمدن کی شرائط میں
احتیاط نہیں کرتا - بلکہ صرف ایک جگہ
اپنی شرکاء سے ملکر رہنے پر اکتفا کرتا ہی
جیسے پہاڑی لوگ یا جھونپڑیاں والے
خانہ بدوش - اس میں کامل انسانوں
کے کمالات مفقود ہوتے ہیں - ومعہذا
اوسکو بھی کچھ نہ کچھ شہر والوں کی مشابہت
اختیار کرنی پڑتی ہے - پھر جب ادن کو
[illegible] میں رہنا پڑا
تو اس شراکت کے سبب ان میں باہم
معاملات وتبادلات کا وقوع لازمی
ٹھرا - ان معاملات کے لئے قانون
عدالت کی ضرورت ہوئی - اور اس
قانون کے لئے مقنن عادل انسان
کی حاجت پڑی اور وہ ایسا ہونا چاہیئے
جو لوگوں سے ہم کلام اور مخاطب ہو سکے
اور انکو قانون عدل پر عمل کرنا لازم
کردے - اور لوگوں کو اپنے مختلف
راؤں پر عمل کرنیکا مختار نہ رہنے دے

کلواحد منھم مالہ عدلا وما علیہ ظلما
فان الحاجۃ الی ھذا الانسان فی ان
یبقی نوع الناس ویتحصل وجودہ
اشدّ من الحاجۃ الی نبات الشعر
علی الاشفار وعلی الحاجبین و
تقعر الاخمصین من القدمین و
اشیاء اخری من المنافع التی لاضرورۃ
فیھا فی التقابل اکثر مالھا انھا تنفع
فی بقاء وجود الانسان الصالح لان
یسن ویعدل ممکن کما سلف منا
ذکرہ ولا یجوز ان یکون العنایۃ الاولی
یقتضی تلک المنافع ولا یقتضی ھذہ
التی ھی اسّھا ولا ان یکون المبدأ الاول
والملائکۃ بعدہ تعلم ذلک ولا تعلم
ھذا ولا ان یکون ما تعلمہ فی نظام
الامر الممکن وجودہ الضروری حصولہ
لتمھید نظام الخیر لا یوجد بل کیف
یجوز ان لا یوجد ما ھو متعلق بوجودہ
مبنی علی وجودہ موجود فواجب
اذن ان یوجد نبی وواجب ان یکون
انسانا وواجب ان یکون لہ خصوصیۃ

کہ جس امر کو وہ چاہیں عدل سمجھیں اور
جس کو چاہیں ظلم۔ ایسے شخص کی حاجت
وجود اور بقائے نوع انسان کے لئے
ایسی ہے۔ کہ وہ آنکھ کی حفاظت کیلئے
پلکوں کی اور ابرؤں کی اور چلنے کے لئے
پاؤں کے تلووں میں گہری جگہ کی ضرورت
سے زیادہ ہے۔ ان چیزوں کے منافع
وجود اور بقائے نوع انسان کے لئے
ایسے شخص کے وجود سے زیادہ نہیں
اور یہ جائز نہیں۔ کہ عنایت ازلی ان
منافع کو جو پلکوں وغیرہ اعضاء میں
پائے جاتے ہیں ملحوظ فرمائے۔ اور
ان منافع کو جو ایسے مقنن کے وجود
سے متصور ہیں۔ اور وہ بہت مطلوب
ومرغوب ہیں۔ اور نظام خیر عالم کے لئے
ان کی سخت ضرورت ہے۔ نظر انداز
کردے اس سے ثابت ہوا کہ نبی کا ہونا
جو مقنن قانون عدل ہوتا ہے ضروری
ہے۔ اور یہ کہ وہ انسان ہو۔ (یعنے نہ
کوئی فرشتہ نہ خود خدا تعالےٰ جو بلا واسطہ
غیر ہر ایک کو اپنا مخاطب بنا دے۔)

لیست لسائر الناس حتی یستقر الناس مدۃ الا یوجد لھم فیتمیز به عنھم فیکون به المعجزات التی اخبرنا بھا۔ فھذا الانسان اذا وجد یجب ان یسن للناس فی امورھم سنناً باذن اللہ تعالے وامرہ و وحیه وانزال الروح المقدس علیه انتھے مختصراً۔

اور یہہ بھی ضروری ہے کہ اس متقنن (یا نبی) میں ایسی خصوصیت پائی جائے جو دوسرے میں پائی نہ جاوے۔ جسکی وجہ سے لوگ اسکو پہچان لیں۔ اور دوسرون سے ممتاز سمجھیں یہ خصوصیت معجزات ہیں جنکی ہم خبر دے چکے ہیں۔ ایسا شخص پیدا ہوگا تو وہ لوگوں کو خدا کے حکم۔ اور وحی سے اور روح القدس کے اسپر نازل ہونے سے احکام۔ اور طریق تمدن کی ہدایت کریگا۔

اس خصوصیت اور معجزات کی تفصیل میں شرح مقاصد میں فلاسفہ سے نقل کیا ہے کہ نبی میں تین خصوصیتیں جمع ہوتی ہیں

قالوا وھذا الانسان ھو الذی یجتمع فیه خواص ثلاث ھی الاطلاع علی المغیبات وظھور خوارق العادات ومشاھدۃ الملک مع سماع کلامه۔ معنی ذلک علی ما شرحہ فی الشفاء وغیرہ ان یکون کاملاً فی قوتہ النفسانیۃ اعنی الانسانیۃ والحیوانیۃ المدرکۃ والمحرکۃ بمعنے ان نفسه القدسیۃ لصفاء جوھرھا وشدۃ اتصالھا بالمبادی العالیۃ المنتقشۃ لصور

(۱) غائب چیزوں پر جہانتک حواس نہ پہنچ سکیں اطلاع پانا۔
(۲) اُسنے عادت کے برخلاف امور کا ظہور میں آنا۔
(۳) فرشتے کو دیکھنا۔ اس کی شرح شیخ الرئیس نے شفا میں یوں کی ہے کہ وہ انسان (یعنے نبی) اپنی قوت نفسانی انسانی اور حیوانی میں کامل ہوتا ہے۔ اوسکی قوت مدرکہ بھی کامل ہوتی ہے۔ قوت محرکہ جس سے دوسری

الکائنات ماضیها وحاضرها
وآتیها وقلة التفاتها الی الخسة
السافلة تکون بحیث یحصل لها
جمیع ما یمکن للنوع دفعة واحدة
او قریبا من دفعة ولا یحل هناك
ولا احتجاب وانما المانع هو
الانجذاب القوابل الی عالم
الطبیعة وانغماسها فی الشواغل
عن عالم العقل - وان قوتها المتخیلة
تکون بحیث یتمثل لها العقول
المجردة بصور واشباح یشاهدها
ویسمعون کلاما منظوما محفوظا
وان قوتہ المتحرکۃ تکون بحیث
یطیع لها هیولی العناصر تتصرف
فیها تصرفها فی بدنها فیعرف
بالخصائص هذہ القوی بمشاهدة
الملك هذا المعنی الی ان ذکر
انفجار الماء من الاصابع والا
حجار - (شرح مقاصد صـ ۱۷۱)

چیزوں میں اثر پیدا ہو بھی کامل - اسکی
قوت مدرکہ کا کمال یہ ہوتا ہے - کہ وہ
اپنے جوہر (یعنے ذات) کی صفائی سے
فرشتوں سے اتصال پیدا کرتا ہے جن کے
مدرکہ میں واقعات گذشتہ و موجودہ
و آئندہ کی صورتیں منقش ہوتی ہیں
اور وہ امور سفلی بدنی وغیرہ کیطرف
توجہ کم رکھتا ہے - اس وجہ سے اسکو
وہ امور غیب جو نوع انسان کے لئے
معلوم ہونے ممکن ہیں دفعتاً یا اوسکے
قریب معلوم ہوجاتے ہیں وہاں
کوئی حائل و حجاب نہیں ہوتا - حجاب امور
سفلی کیطرف توجہ ہے - سو وہ انہیں
پایا نہیں جاتا - اور اوسکی قوت خیالی
ایسی ہوجاتی ہے کہ اسمیں فرشتوں
کی صورتیں متشکل ہو کر دکھائی دیتی
ہیں - اور وہ اُنسے ہمکلام ہوتے ہیں
اور اونکی قوت محرکہ عناصر اربعہ کے
مادے میں ایسا تصرف کرتی ہے -
جیسا اپنے بدن میں وہ ہوا کو پانی بنا دیتی ہیں - اُنکی انگلیوں اور پتھروں سے
پانی جاری ہوتا ہے - کیونکہ انکے نفس قدسی کو اپنے بدن سے صرف تدبیر کا

تعلق ہوتا ہے۔ نہ حلول یا انطباع کا۔ لہذا جائز ہے کہ وہ اور اجسام عناصر میں بھی تصرف کر سکیں۔"

ہر چند شیخ الرئیس مدعی اسلام ہے۔ اور مسلمانوں میں معدود۔ اور صاحب شرح مقاصد۔ (علامہ تفتازانی) تو مسلمانوں کے ایک مقتدا ہیں۔ مگر جو کچھ اُنھوں نے نبوت اور معجزہ کے متعلق کہا ہے وہ فلاسفہ کے اصول کے مطابق کہا ہے۔ نہ برطبق اصول اسلام۔ اسلام میں جس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے نبی اور نبوت کو تسلیم کیا گیا ہے وہ اس ضرورت سے بڑھ کر ہے جسکی نظر سے فلاسفہ نے نبی اور نبوت کو مانا ہے۔ فلاسفہ کی صرف تمدن پر نظر ہے۔ اور اسلام کو روحانیت کا زیادہ لحاظ ہے۔

اور نیز فلاسفہ نے معجزات انبیاء کو اس حد تک تسلیم کیا ہے۔ کہ علم طبعی یا سائنس اور نیچر بھی اسکا موید ہو [illegible] کا ہوا ہو جانا وعلے ہذا القیاس۔ اسلام اور دیگر آسمانی مذاہب معجزہ کو ایسا وسیع مانتے ہیں کہ وہ اوسکو علم طبعی اور سائنس کے تابع نہیں کرتے۔ بلکہ متبوع کہتے ہیں۔ اور اسکے سوپر نیچرل (مافوق قانون قدرت) ہونے کا یقین رکھتے۔ انکے نزدیک نبی کی دعا یا توجہ سے باذن وحکم الٰہی لکڑی کا سانپ بن جانا۔ اور آگ کا پانی کے افعال دکھانا ممکن ہے۔ وعلے ہذا القیاس۔

فلاسفہ نے جو ضروریات تمدن کے لئے نبی کی ضرورت ثابت کی ہے۔ اُسپر یہ سوال وارد ہوتا ہے کہ یہ کام جو ضرورت تمدن سے تعلق رکھتا ہے۔ (قانون تمدن بنانا) تو ہر ایک عقلمند کر سکتا ہے۔ بلکہ جہان کے عقلاء قانون تمدن بناتے چلے آئے ہیں۔ سلطنتوں کے ارکان اور پارلیمنٹ اور کونسل واضع آئین قوانین کے ممبر یہی کام کر رہے ہیں۔ پس اگر اس کام کے کرنے والے نبی ہیں تو وہ سب کے سب

بنی ہے تو اس سے انبیا کی ضرورت کی جو اس مقام میں بیان ہے نہ تو اور مدلل نفی ثابت ہوتی نہ اثبات اور یہ دلیل عکس مدعا کا نتیجہ دیتی ہے۔

اس سوال کے جواب کے لئے فلاسفہ کے اصول پر شیخ الرئیس سے معجزہ تجویز کیا ہے اور اس سے انبیاء کو عام عقلاء سے ممتاز ٹھرایا ہے۔ اور اپنی تقریر منقولہ بالا میں اسکا یہ جواب دیا ہے۔ کہ کسی شخص یا جماعت عقلاء کا صرف اپنے عقل سے ایک قانون تمدن بنا دینا تمام دنیا کے عقلاء پر موثر نہیں ہو سکتا جب تک کہ قانون بنانے والے کو ان سب پر امتیاز اور خصوصیت نہ ہو جس سے وہ ان سب کی نظروں میں ان کی ذاتوں سے عزیز تر اور صاحب قدر نہو۔ اور دلی محبت سے نہ جبر حکومت و زور عقل سے واجب الاتباع سمجھا جائے۔ ایسا شخص صرف نبی ہوتا ہے نہ کوئی اور عقلمند یا حکیم یا بادشاہ یا اوسکی سلطنت یا کونسل ممبر۔

عقلمند کی عقلی بات دوسرا عقلمند اسوقت تک مانتا ہے کہ اوسکی بات کی خوبی اپنے عقل سے بخوبی سمجھ لے اور وہ خود اپنی عقل سے [illegible] یا ویسی بات تجویز نہ کر سکے۔ اور جو بات اسکے عقل میں نہ آوے یا ویسی اپنی عقل سے بنا سکے اوسکی پیروی نہیں کرتا ٭ اور حکومت کا قانون تا قیام حکومت صرف جبر سے مانا جاتا ہے۔ دلی محبت اور یقین سے دوسرے کی بات کو مان لینا اور جو بات اسکی سمجھ میں آوے اوسکو مافوق العقل سمجھکر صرف تقلید سے قبول کر لینا عقلمندوں سے آپس میں ممکن الوقوع و متوقع نہیں ہوتا ایسا شخص صرف نبی ہوتا ہے جسکی ہر بات کو دلی اعتقاد اور محبت سے تسلیم کیا جاتا ہے اور اگر اوس کی کوئی بات عقل میں نہ آوے تو اسکو بھی مافوق العقل سمجھ کر اور اوس شخص کو معجزہ کے سبب مؤید من اللہ مانکر اوسکی اس بات کو بھی محض تقلید سے تسلیم کر لیا جاتا ہے۔

فلاسفہ کا یہ جواب بلا ارتیاب کافی و شافی و تسلی بخش ہے۔ اور یہ نبی کی عام عقلاء جہان پر امتیاز و فوقیت ثابت کرتا ہے۔ مگر افسوس صد افسوس اس تاریکی

٭ صفحہ ۳۰۱ کا بیان اسکے مخالف نہیں ہے

کے زمانہ میں (جسکو برطبق مصرع - برعکس نہند نام زنگی کافور - روشنی کا زمانہ سمجھا جاتا ہے - اور در حقیقت ایمانی روشنی اس زمانہ میں کافور ہو گئی ہے - ایسے معجزات کو (جنکو فلاسفہ مانتے ہیں - چہ جائے معجزات یعنے وسیع جنکو اسلام وغیرہ مذاہب آسمانی تسلیم کراتے ہیں) ماننے والے بہت کم نظر آتے ہیں - اور ون پر کیا افسوس ہے - جو لوگ بظاہر مذہب کو کسی سنس (معنے) میں مانتے ہیں وہ وجود معجزات سے بتاویل وتسویل انکار کرتے ہیں اُنکے سامنے کتابی اور روایتی معجزات پیش کئے جاویں تو وہ اونکی ایسی تاویلات کرتے ہیں جو صریح انکار سے بدتر ہیں - ایسے لوگوں کے لئے اسوقت معجزات دکھانے والے نظر نہیں آتے - انبیاء علیہم السلام ختم ہو چکے ہیں - اور اُنکے کامل اتباع اور نائب اولیاء جو وراثت کے طور پر معجزہ کے قائم مقام کرامات دکھا سکتے ہیں اب نظر نہیں آتے - مدعی تو بہت ہیں مگر [illegible] نشان نمائی کا بذریعہ تحریرات واشتہارات دعوٰے* کرتے ہیں وہ اپنے ان دعووں میں جھوٹے نکلتے ہیں - جیسے عام تجارتی اشتہاروں کے مشتہر جھوٹے نکلتے ہیں - اور وہ منکرون کی نظروں میں مومنوں کو حقیر کراتے ہیں - اور خود ذلیل ہوتے ہیں - انکے اشتہاری معجزون کی حقیقت دیکھکر منکرین معجزات اور بھی دلیر ہوتے اور یہ کہتے ہیں کہ پہلے زمانہ کے معجزہ دکھانے والے بھی ایسے ہی ہونگے -

*یہ مرزا غلام احمد کی طرف اشارہ ہے - جنکو تین ہزار معجزہ ونشان نمائی کا دعوے ہے - مگر درحقیقت ایک نشان بھی اون کا صادق نہیں نکلا اس کی تفصیل مضمون "مرزائی رسائل انجام آتھم وغیرہ کا جواب" میں ملاحظہ ہو - میاں غلام احمد تو اپنی طرف سے مسلمانوں کو ان عاوی کاذبہ سے ذلیل کرا چکے تھے مگر مسلمان انکو اسلام سے خارج کرکے اس ذلت والزام مخالفین سے بچ گئے - نمبر ۱ جلد ۲۴

لہذا ان لوگوں (منکرین معجزات) کے سامنے پیش کرنے کے لائق اس سوال کا جواب یہ ہے جو ہم دیتے ہیں۔ اور ان لوگوں کے دکھانے کے لائق معجزہ حضرات انبیاء کی تعلیم ہے۔ جو دائمی معجزہ ہے۔ اور اوسکی تشریح اس جواب کے ضمن میں کرتے ہیں۔ پس واضح ہو کہ وہ جواب دو ہیں۔

اوّل یہ کہ تمدن کے قوانین میں جہاں کہیں صحت کا نشان پایا جاتا ہی وہ ان ہی مقدس حضرات کی تعلیم کا نتیجہ ہے و اثر و فیض ہے۔

بابلکے یہاں سے کون لایا ٭ جس نے پایا یہیں سے پایا

اور جو اسمیں غلطی یا خطا ہے وہ انسانی عقل کا نتیجہ ہے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے۔ کہ اہل تمدن نوع انسان پر ایسا وقت کوئی نہیں گذرا۔ کہ انمیں خدا کی طرف سے بنی نہ بھیجا گیا ہو۔ اور اوس نے خدا کی آیات واحکام اور آسمانی تعلیم [illegible] عدل و انصاف نہ سکھائے ہوں۔ انسانی عقل خود بخود اُستاد نہیں بلکہ شاگرد ہے۔ اور ادراک حقایق و خواص اشیاء و حصول تجارب میں خود بخود مستقل نہیں ہے۔ بلکہ جو کچھ اوس نے جانا ہے سکھانے سے جانا ہے۔

حقیقی عالم نے جو کچھ اوّل نبی (آدم علیہ السلام) کو اور اوسکے بعد ہر زمانے کے نبیوں کو سکھایا۔ وہی انسانی عقل نے سیکھا ہے۔

مذہب کو الگ رہنے دو۔ دنیا میں جس قدر علوم و کمالات ہیں طب نجوم وغیرہ اور ادنے واعلےٰ کام جو انسان انسانی عقل سے کرتے ہیں۔ جوتا۔ کپڑا سینا لکھنا پڑھنا وغیرہ وغیرہ وہ بھی سب کے سب انسانی عقل نے سکھانے سے سیکھے ہیں ایسا عاقل انسان دنیا میں کم سے کم ایک بھی نہیں جسکو کچھ نہ سکھایا جائے۔ اور ایک جنگل یا کسی غار میں پرورش ہو۔ اور وہ اپنے آپ کپڑا جوتا سینے۔ لکھنے پڑھنے لگ جائے

پھراس تعلیم کا ماخذ آسمان نہیں تو اور کیا چیز ہے۔ اسکا معلم عالم حقیقی نہیں تو اور کون ہے۔

محققین اہل اسلام امام غزالی وغیرہ نے تصریح کی ہے۔ کہ جسقدر علوم دنیا میں پائے جاتے ہیں۔ طب۔ نجوم۔ وغیرہ سب کے سب الہامی ہیں۔ اور خدا کا قول وعلّم آدم الاسماء کلھا اونکے قول پر شاہد ہے۔ ہاں اس اوّل تعلیم کے بعد اس شاگرد (عقل) نے اپنے تجربے وقیاس سے بھی بہت کچھ کام لیا۔ اور اسمیں بہت کچھ کمی بیشی کی [illegible] اور اسی کمی بیشی سے اس تعلیم میں خطا وقصور واقع ہوگیا بناء علیہ انسانوں کے اصول وقوانین میں جو صحیح ہیں۔ وہ سب کے سب آسمانی ہیں اور جو غلط ہیں وہ انسانی۔

(ودلیل امکانها ووجودها وجود معارف فی العالم لا یتصور ان تنال بالعقل کعلم الطب والنجوم فان من بحث عنها علم بالضرورة انها لا تدرک الا بالهام الٰهی وتوفیق من جهة الله ولا سبیل الیه بالتجربة فی احکام النجومیة مما لا یقع الا فی کل سنة [illegible] مرة فکیف [illegible] وکذلک خواص الادویة (المنقذ من الضلال)۔)

ان غلط اصول کی تصحیح کیلئے خداوند تعالے نے وقتاً فوقتاً اوّل معلم (آدم علیہ السلام) کی جگہ اور نبیوں کو بھیجا تاکہ انکی غلطی کو رفع کریں۔ اور ٹھیک آسمانی تعلیم کو قایم رکھیں یہانتک کہ سب سے آخر خاتم المرسلین کو بھیجا جنھوں نے ان اغلاط کی تصحیح کر کے ایسا قانون تہذیب اخلاق (قرآن کریم) مکمل کر کے پہنچایا کہ اُسکے بعد کسی اور قانون اور مقنن کی ضرورت کو باقی نہ رہنے دیا۔

بناءً علیہ عقلاء جہان کا اور انکے صحیح قوانین کا وجود نبوت اور انبیاء کا ثبوت دیتا ہے۔ نہ نفی کرتا ہے اور وہ دلیل جو فلاسفہ پیش کرتے ہیں اُنکے مدعا کی دلیل ہو نہ عکس کی ہمارے اس جواب کی صحت وتسلیم دو مقدموں کی صحت وتسلیم پر موقوف ہے۔

اوّل یہ کہ عقلاء اپنے عقلی اور انسانی فیصلوں میں غلطی کرتے ہیں۔
دوسرا یہ کہ انبیاء اپنے احکام و ہدایات میں جو آسمانی تعلیم سے وہ فرمائے ہیں۔ کبھی غلطی نہیں کرتے۔

مقدمہ اول تو میرے خیال میں تمام جہان کا مسلمہ قضیہ ہے۔ دنیا میں ایسا کوئی عاقل نہ ہوگا جس نے کبھی غلطی یا خطا نہ کی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ یہ مقولہ بطور قاعدہ کلیہ مشہور ہو کر عربی میں ضرب المثل ہو گیا ہے۔ الانسان مرکب من الخطاء والنسیان جسکو یوں بھی تعبیر کرتے ہیں الانسان یساوق النسیان اور یہ بھی کہتے ہیں اول الناس اول ناس اور آسمانی مذاہب میں سے دو مذہب اسلام اور عیسائیت۔ اس مقولے کو مذہبی مسئلے کے طور پر تسلیم کرتے ہیں۔ اسلام میں یہ حدیث مانی گئی ہے کہ حضرت آدم سے بھول اور خطا ہوئی۔ تو انکی اولاد سے بھی بھول اور خطا ہونے لگے۔ جو رسالہ نمبر ۲ جلد ۱۷ اس کے صفحہ (۴۹) منقول ہو چکی ہے۔

عیسائیوں کی مقدس کتاب واعظ باب ۷۔ آئت ۲۰ میں کہا ہے۔
کوئی انسان زمین پر ایسا صادق نہیں کہ نیکی کرے۔ اور خطا نہ کرے۔
عیسائی مذہب کی کتابوں میں لفظ خطا سے بڑھ کر لفظ گناہ بھی تمام انسانوں کے لئے وارد ہے۔ اس لفظ سے غلطی و خطا بطریق اولے ثابت ہوتے ہیں کیونکہ خاص میں عام کا تحقق ضروری ہے۔
ایوب کے باب ۱۴۔ آئت ۴ میں ہے۔ کون ہے جو ناپاک سے پاک نکالے۔ کوئی نہیں۔
زبور باب ۵۱ آئت ۵ میں ہے۔ دیکھ میں نے برائی کی صورت پکڑی اور گناہ کے ساتھ میری ماں نے مجھے پیٹ میں لیا۔

نواب

یرمیا باب ۱۷- آئت ۹- وسعیا باب ۶۴- آئت ۷ میں ہے دل سب چیزوں سے زیادہ حیلہ باز ہے - اور وہ نہائت فاسد ہے - اوسکو کون دریافت کرسکتا ہے ہم تو سب کے سب ایسے ہیں جیسے ناپاک چیز اور ہماری ساری راست بازیاں گندی دھجی کی سی ہیں - اور ہم سب پتے کیطرح کملاتے ہیں - اور ہماری بدکاریاں آندھی کی مانند ہمیں اڑا لینگی -

رومیوں کے باب ۳- آئت ۲۳ میں ہے - سبھوں نے گناہ کیا - اور خدا کے جلال سے محروم ہیں -

حکماء کے اقوال بھی ان اقوال کے قریب قریب ہیں - **ارسطاطالیس** کا قول ہے - بنی آدم ایک ناتوان شکل اور ڈھلکتی گنبد اور حسد اور درد و رنج کے مہد کے سوا کچھ نہیں ہے - **بطلیموس** کا قول ہے - ہر ایک شئے اپنی اصلیت کیطرف رجوع ہونے سے باز نہیں رہتی - پس انسان جو گناہ کرتا ہے اوسکا ذاتی منشا ہے طوکیدیدس کا قول ہے کہ آدمی کی بدیاں ظاہر میں کیا باطن میں - اور بری ہوا و ہوس عقل کو نابینا کرتی ہے - اور اسطرح گناہ پورا ہوتا ہی **جالینوس** کا قول ہے - کہ آدمی بالذات شریر اور گناہ کا طالب ہے - اور اگر تہذیب اخلاق نہ ہو تو یقین ہے کہ بد سے بدتر ہو جاوے - **پلوطارخ** کا قول ہی کہ بری ہوا و ہوس پیدائش ہی کے وقت سے آدمی مین پیدا ہوئی ہے - نہ یہ کہ پیدا ہونے کے بعد اوسمیں سمائی گئی ہے - اور اگر آدمی کو نصیحت اور تنبیہ نہ کرتے تو گمان ہوتا ہے کہ وہ جنگلی جانور سے بھی زیادہ وحشتناک ہوتا - **اقلیدس** کا قول ہے - کہ بدی انسان کا اپنا نتیجہ ہے - **قراطس** کا قول ہے - کہ جیسے ہر انار مین ایک گلا ہوا دانہ ہوتا ہے - ایسے ہی ہر آدمی میں بھی بری آرزو البتہ ہوتی ہی یہانتک کہ کوئی بے گناہ نہیں ہے - **بقراط** کا قول ہے - کہ اگر تعلیم اور تعلم

اور درس و تدریس حکماء کا ایک لچر اور بیہودہ کام ہے تو ضرور انسان گناہ سے مبرا ہے۔ واللہ بدہے۔ کالسدیس کا قول ہے۔ کہ انسان کا دل ایک ناطق اور موکد شاہد ہے۔ کہ وہ بدی اور شرارت کی طرف بدل رجوع ہے۔ یہ امر دال ہے اسکی خطا کاری پر۔ فرزانہ لاورزی کا قول ہے۔ کہ انسان کو زیبا ہے کہ اپنے بُرے دل کی شرارت سے ہمیشہ منفعل اور خجل اور بھی سرنگوں رہے۔

ان حوالجات و اقوال کو کوئی شخص صحیح نہ سمجھے۔ تو ہم کو وہ دنیا کے لوگوں سے گذشتہ زمانے کے ہوں یا حال کے۔ ایک شخص کی نشان دہی کرے جس کی غلطی و خطا نہ ہوئی ہو۔ سلطنتوں کے واضعان آئین و قوانین اور پارلیمنٹ کے ممبروں ہی میں سے ایک شخص کو بتا دے جس نے غلطی نہ کی ہو۔ ہم تو صاف دیکھتے ہیں کہ وہ ہمیشہ [illegible] بدلتے رہتے ہیں۔

پارلیمنٹ کے ممبروں سے ایسے اسپیکر ہوتے ہیں کہ وہ اپنی تقریر سے اپنے مدعا کو بزور دلائل ایسا صحیح ثابت کر دیتے ہیں کہ اکثر حاضرین و سامعین اسکو حق و صحیح سمجھ کر اس پر ایمان لے آتے ہیں۔

آسکے مقابلہ میں دوسرا اسپیکر کھڑا ہوتا ہے۔ تو وہ پہلے کا سارا کیا کرایا خاک میں ملا دیتا ہے۔ اور اوسکا خلاف ایسا ثابت کرتا ہے۔ کہ اوس کا بیان سنکر حاضرین یہ کہہ اُٹھتے ہیں کہ پہلے نے ہم پر جادو کر کے اپنا مدعا صحیح کر دکھایا تھا۔ حق تو یہی ہے جو اس دوسرے نے بیان کیا ہے۔

حکمائے یونان کے خیالات اور اُنکے مقابلے میں یوروپ کے فلاسفروں کے خیالات کو دیکھو۔ تو ضرور ایک جانب کو غلط اور خطا قرار دو۔

ان خیالات کے بیان کی نہ حاجت ہے نہ وقت۔ و معہذا کسیکو شوق ملاحظہ ہو تو ہمارے رسالہ اشاعۃ السنہ کے جلد دوم کے صفحات ۴۲ سے ۸۶ تک کا ملاحظہ کرے۔ اس بیان سے حاضرین کو یقین ہو گیا ہو گا۔ کہ ہمارا پہلا مقدمہ ایسا صحیح ہے کہ اسمیں کسیکو اختلاف اور مقال کی گنجایش نہیں۔

اب رہا مقدمہ دوم سو بھی میرے خیال میں اختلاف اور نزاع کے لائق نہیں حضرات انبیاء علیہم السلام جو قوانین و اصول آسمانی تعلیم سے بیان کر گئے ہیں ان میں سے کم سے کم ایک بھی ایسا نہیں جس میں غلطی یا خطا کی آمیزش ہو۔ ان اصول و قوانین کو نہ متقدمین نے خود خطا اور غلط قرار دیا۔ اور نہ ایک کے قانون کو دوسرے نے غلط کہا۔ بلکہ ایک نے دوسرے کی تصدیق کی۔ اور سچا کہا۔ یہ اصول کی نسبت حکم ہے وہی، فروعات مناسب وقت اور محل سوانیں البتہ تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔ چنانچہ آیت ۱۳ و ۱۴ متعلق جواب سوال روحانیت کی تفسیر میں بیان ہوا ہے۔ اگر یہ تبدیلی پہلے حکم کی غلطی پر مبنی نہیں بلکہ تبدیل حالات اور ضرورت وقت پر مبنی ہے۔

اس کی نظیر کونسلوں کے قوانین نہیں ہیں۔ جو غلطی معلوم ہونے سے بدلے جاتے ہیں۔ بلکہ حکیموں اور ڈاکٹروں کے نسخے ہیں جو حسب ضرورت و تبدل حالت مریض بدلے جاتے ہیں۔ اسکی ایک مثال حضرت آدم کی قریبی اولاد بھائیوں بہنوں کے باہم نکاح ہیں، جو حسب ضرورت وقت ہوتے تھے۔ جب وہ ضرورت نہ رہی تو وہ حکم اٹھایا گیا۔ اور حقیقی بہن کا نکاح حقیقی بھائی سے منع ہو گیا۔ جس کا سر یہ ہے۔ کہ زوجہ ایک فراش ہے اور شوہر اوسکا حاکم یا افسر چنانچہ آیت

الرجال قوامون علی النساء بما فضل اللہ بعضھم علی بعض (نساء ع ۶)

منقولہ حاشیہ میں بیان ہے بلکہ فراش میں فی الجملہ ابتذال پایا جاتا ہے۔ اور قریب کے

رشتہ میں اعزازی صلہ مناسب ہے۔

میں اسوقت جملہ مذاہب کیطرف سے وکیل ہوکر کھڑا نہیں ہوا کہ سب مذاہب کے اصول و قوانین بیان کرکے انکا خطا سے پاک ہونا ثابت کروں۔ بلکہ صرف اسلام کی طرف سے وکیل ہوں۔ اور اس امر کے ثابت کرنے کے لئے خدا کے فضل و توفیق سے تیار و مستعد ہوں۔ کہ اسلام کے ایک قانون اور اصول میں بھی غلطی نہیں ہے

عام نبوت کی ضرورت بیان کرنے کے بعد جب خاصکر اسلام کے ثبوت اور تائید کے لئے کھڑا ہونگا۔ اُسوقت چند ہی مثالوں سے اپنا دعوے ثابت اور مدلل کر دکھاؤنگا۔ انشاء اللہ تعالےٰ۔

میں نے آجکل اپنے رسالہ اشاعۃ السنہ میں ایک مضمون "عصمت انبیاء" درج کیا ہے۔ جو [illegible] میں نے اسمضمون کا اشتہار دیا ہے۔ کہ اگر کوئی شخص آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ایک گناہ ثابت کرے۔ تو میں اوسکو ایک ہزار روپیہ انعام دونگا۔ اسمقام میں اس لفظ گناہ کے ساتھ میں لفظ خطا بھی زیادہ کرتا۔ اور یہ کہتا ہوں۔ کہ اگر کوئی شخص آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ایک ایسی خطا ثابت کرے جس پر منجانب اللہ اطلاع ہوکر اوس کی اصلاح نہ کیگئی ہو۔ تو وہ بھی ایک ہزار روپیہ انعام لے۔

خلاصہ جواب اول یہ ہے کہ قانون تمدن بنانے والے عقلا و اراکین سلطنت جو صیحح قوانین بناتے ہیں وہ انبیاء کے بنائے اور بتائی ہوئے قوانین ہیں اور جو قانون اپنی عقل سے بناتے ہیں۔ انمیں غلطی کھاتے ہیں۔ لہذا وہ انسان کی تمدنی ضرورت کو پورا نہیں کرسکتے۔ اور انبیاء کا کام نہیں دے سکتے۔ اور نہ نبی کہلانیکے مستحق ہوسکتی

٭ یہ مضمون اسی جلد میں شائع ہوگیا جس جلد میں یہ مضمون خطبہ درج ہوا ہے۔

ہیں۔ یہ کام انبیاء ہی کا کام ہے جسمیں سب عقلمند انبیاء کی تعلیم و ہدایت کے محتاج ہیں۔

دوسرا جواب اس سوال کا یہ ہے۔ کہ اگرچہ تمدن کے عام اصول و قوانین بنانے میں انسانی عقل کی مداخلت ہوسکتی ہے۔ جسمیں وہ کچھ شاگردی انبیاء سے اور کچھ اپنے اجتہاد و قیاس کی اُستادی سے کام کرسکتی ہے۔ اور ان قوانین میں وہ خطا و صواب دونو سے موصوف ہوسکتی ہے۔ (چنانچہ جواب اوّل میں ثابت ہوا۔) مگر بعض اخلاقی اور روحانی اصول قایم کرنے میں عقل کی استادی کچھ بھی نہیں چلتی۔ اور اسمیں اوسکو آسمانی تعلیم کی ہی شاگردی کرنی پڑتی ہے۔ کیونکہ ان اصول کے متعلقات تک طائر عقل کو پرواز نصیب نہیں۔ بلکہ وہاں جاکر اوسکے پر جل جاتے ہیں۔

اس حکم نفی میں [illegible] کی نہ عقلائے بیشمار کی۔ بلکہ کل بنی نوع انسان کی مراد ہے۔ اور اسکی نسبت ہمارا یہ دعوے ہے کہ ان اشیاء تک کسی کی عقل کو وصول نہیں ہے۔ اور ان چیزوں کے متعلق انسان کو علم حاصل کرنے کی ضرورت بھی کھانا کھانے۔ پانی پینے۔ کپڑا پہننے کی ضرورت سے بھی بڑھکر ہے۔ اور اس ضرورت کے پورا ہونے کا ذریعہ اور سبیل انبیاء علیہم السلام کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔ اس سے نبوت اور انبیاء کی ضرورت ثابت ہوتی ہے۔ اور اس ضرورت کے مطابق انبیاء کا وجود یا جو انکی تعلیمات سے ثابت ہوتا ہے۔

انسان کی جسمانی اخلاقی اور روحانی صفات کی کسیقدر ہم تفصیل کرچکے ہیں۔ از انجملہ اس کی جسمانی صفات اور اخلاقی حالات کی نظر سے اوسکو قانون تمدن سے تعلق ہے۔ (جسکو فلاسفہ نے ثابت کیا ہے۔) اور بعض روحانی

صفات کی نظر سے اوسکو اپنے خالق سے تعلق ہے۔ اس تعلق کی وجہ سے ایک خیال اوسکو خدا کی ہستی اور ذات کا کہ "وہ ہونا چاہیئے" پیدا ہوتا ہے۔ دوسرا خیال اوسکی صفات کا کہ وہ ہے تو کیسا ہے۔ اور کن صفتوں سے موصوف ہے۔ تیسرا خیال اسکی ارادات۔ و مرضیات کا کہ وہ کن کاموں سے خوش ہے۔ اور اُنپر اوسکی طرف سے انعام و جزا ملنے کی امید ہے۔ اور کن فعلوں سے ناخوش ہے۔ اور اُنپر اوسکی طرف سے مواخذہ کا خوف ہے۔

پہلے خیال (یعنے ہستی و ذات خدا) کے متعلق تمام جہان کے عقلاء کی عقل بجز اسکے کچھ راہنمائی نہیں کرتی کہ اسکا ہونا ضروری ہے۔ اور وہ ہونا چاہیئے۔ وہ نہ ہوتا تو ہم بھی نہ ہوتے۔ اور وجود میں نہ آتے۔ اس سے بڑھکر کہ وہ موجود ہے عقل بتا نہیں سکتی۔ اور کسی چیز کے موجود ہونے کی خبر دینا عقل کا کام نہیں۔ یہ مشاہدہ کا کام ہے۔ مثلاً ہم دہوئیں کو دیکھتے ہیں۔ تو اوس سے ہم یہ نتیجہ نکالتے ہیں اور حکم لگاتے ہیں۔ کہ یہاں آگ کا ہونا ضروری ہے۔ آگ نہ ہوتی تو دہواں پیدا نہ ہوتا اور اس سے بڑھکر یہ حکم کہ وہاں آگ ہے عقل کا کام نہیں ہوتا۔ بلکہ مشاہدہ کا کام ہوتا ہے۔

اس خیال کے متعلق خداوند تعالے نے خود ہی آسمانی تعلیم اور انبیاء کے ذریعے سے انسانی عقل کو مطلع کیا کہ میں ہوں۔ تو اوسکو اوسکی ہستی کا علم حاصل ہوا۔

دوسرے خیال (خدا کی صفات) کے متعلق بھی جہان کی عقل ملکر کوشش کرے تو اوسکو کچھ پتا نہیں لگتا۔ کہ خدا تعالے کن صفتوں سے موصوف ہے۔

جسکی وجہ یہ ہے کہ عقل انسان کی دوڑ وہاں ہی تک ہے جہانتک اسکی جو ہیں حواس کا وصول ہو۔ اور جہاں حواس کو وصول نہ ہو۔ وہاں وصول عقل ناممکن ہے۔

اپنی صفات سے بھی خدا نے خود ہی خبر دی۔ اور انسانی عقل کو آسمانی تعلیم پہنچی تو

انسانی عقل کو ان صفات کی خبر ہوئی۔

صاحبان! ۔ایک معلم آسمانی اسلام کے ہادی او ہمارے نبی نے خدا تعالےٰ کی ہستی اور ذات وصفات کے متعلق جو تعلیم آسمانی پہنچائی ہے اوسکو آپ حضرات توجہ سے سُنیں گے تو داد انصاف دیکر کہیں گے کہ انسانی عقل سے یہ تعلیم نہیں سکتی اور کسی نے انسانی عقل سے یہ تعلیم نہیں دی۔

خدا کی ذات اور ہستی اگر محض تنزیہہ سے بلا استعمال الفاظ تشبیہہ لوگوں کو سمجھائی جائے (جیسا کہ عموماً عقلاء سمجھاتے اور بیان کرتے ہیں کہ مثلاً وہ واجب الوجود ہے۔ (جسکا ہونا ضرور ہے) یا وہ قیوم ہے (جو بذات خود قایم ہے اور دوسری موجودات کے قیام کا سبب وموجب۔) یا وہ کازاوف کاز (علۃ العلل) ہے تو خدا تعالےٰ کو صرف معدودے چند فلاسفر اور کریجوئیٹ (تعلیم یافتہ) ہی سمجھتے [illegible] محتاج ہیں اور وہ اکثر اُمی (ان پڑھ) ہیں۔ جو ان الفاظ کے مفاہیم تو کیا سمجھینگے۔ ان الفاظ سے انکے کان کبھی آشنا نہیں ہوئے۔ اور اگر اس فہمائیش ہستی اور ذات خداوندی کے لئے تشبیہہ کو کام میں لایا جائے۔ اور عوام الناس کو اس ہستی کی فہمائیش ادن الفاظ سے کی جاوے جن الفاظ سے وہ اوسکو سمجھ سکتے ہیں کہ خدا وہ ہے جس نے اپنے ہاتھوں سے آدم یا آسمان کو بنایا۔ اور وہ آسمانوں یا عرش پر ہے۔ اور وہ بولتا۔ دیکھتا۔ سُنتا ہے۔ وعلیٰ ہذالقیاس۔ تو ان الفاظ سے بےشک عام لوگ خدا کی ہستی اور ذات کو سمجھ سکتے ہیں۔ مگر اوسکے ساتھ وہ اس بلا میں مبتلا ہو جاتی ہیں کہ وہ خدا کو انسانوں جیسا ایک انسان ہاتھوں والا۔ زبان۔ کان وغیرہ اعضا والا کسی تخت یا چوکی پر بیٹھنے والا سمجھنے لگ جاتے ہیں۔ جو خدا کے تقدس کے برخلاف ہے۔

ہمارے معلم آسمانی اور رسول رحمانی (صلے اللہ علیہ وسلم) اس فہمائش ہستی اور ذات وصفات کے وقت دونو فریق عقلاء وعوام کے افہام کا لحاظ فرمایا۔ خواص عقلاء کی فہمائش کے لئے تنزیہہ وتقدس کے الفاظ کو استعمال فرمایا۔ اور عوام کی فہمائش کے لئے الفاظ تشبیہہ سے کام لیا۔ اور اس الفاظ تشبیہہ سے جو وہم وگمان جسم وجسمانیت پیدا ہوتا تھا۔ اوسکو اس ایک آیت قرآن سے "لیس کمثلہ شئ وھو السمیع البصیر" یعنے اوسکی مانند کوئی چیز نہیں ہے۔ وہ سننے والا جاننے والا ہے" اٹھا دیا۔ جسکا مطلب یہ ہے کہ خدا تعالے سننے والا تو ہے۔ مگر نہ ایسا جیسا کہ ہم ایک جسمانی آلہ کان سے سنتے ہیں۔ پر ایسا ہی کچھ۔ وہ دیکھنے والا تو ہے مگر نہ ایسا جیسا ہم جسمانی آلہ (آنکھ) سے دیکھتے ہیں۔ پر ایسا ہی کچھ ہو۔

ھو اللہ الذی لا الہ الا ھو علم الغیب والشھادۃ ھو الرحمن الرحیم۔ ھو اللہ الذی لا الہ الا ھو الملک القدوس السلم المؤمن المھیمن العزیز الجبار المتکبر سبحان اللہ عما یشرکون (الحشر ع ۳) قل ھو اللہ احد اللہ الصمد لم یلد ولم یولد

اس نفی تشبیہہ اور پھر اسیقدر اختیار تشبیہہ سے اس ہادی کا مقصود یہ ہے کہ خدا کے سُننے دیکھنے۔ اور انسان کے سُننے دیکھنے کو حقیقت میں تو مشابہت ومماثلت نہیں ہے بلکہ فعل ونتیجہ میں مشابہت ہے۔

صاحبان! ۔ ہر چیز کی ایک حقیقت ہوتی ہے۔ ایک اس حقیقت کا اثر وفعل ولازمہ ونتیجہ۔ آنکھ کی حقیقت ڈھیلا اور رطوبتیں اور طبقات ہے۔ اور اوسکا فعل واثر ونتیجہ دیکھنا ہے۔ ایسی ہی کان کی حقیقت ایک سوراخ دار جسمانی عضو ہے جس میں پٹھے بچھائے ہوئے ہیں۔ اور اس میں ایک پردہ ہے جسپر ہوا ٹکراتی ہے

۔ اللہ وہ ہے جسکے سوا پوجنے کے لائق کوئی نہیں۔ چھپی اور کھلی چیزونکو جاننے والا بخشش کرنیوالا مہربان۔ بادشاہ سب عیبوں سے پاک۔ سلامتی دینے والا نگھبان غالب۔ جو چاہے کر لے۔ بڑائی کے لائق۔ کہ اللہ ایک ہی بے نیاز ہے نہ اُسنے کسیکو جنا۔ اور نہ وہ کسیکا جنا ہوا۔ اور نہ اس جیسا کوئی ہے۔

اور اوسکا فعل سننا ہے۔

خدا تعالےٰ کے دیکھنے اور سننے کو جو انسان کے دیکھنے اور سُننے سے مشابہت ہے تو صرف ان افعال میں ہی نہ حقیقت انسانی آنکھ اور کان سے۔

حضرات! یہ باتیں کہ خدا تعالےٰ جسمانی آنکھ و کان نہیں رکھتا۔ اور معہذا وہ دیکھتا اور سنتا ہے۔ انسانی عقل سے جس نے خدا کو نہیں دیکھا کہاں معلوم ہوسکتی ہیں۔ جب تک خدا تعالےٰ خود نہ بتادے کہ میں ایسا ہوں۔

خدا تعالےٰ کی صفت وحدت اور اسکی توحید اس ہادی برحق نے سمجھائی ہے تو وہ بھی ایسے طور پر سمجھائی ہے کہ کسی اور عاقل نے نہیں سمجھائی۔ اور نہ کوئی سمجھا سکتا ہے۔

آپ نے فرمایا کہ خدا تعالےٰ کو ہی ذات و صفات و استحقاق عبادت تینوں کی نظر سے ایک ماننا چاہئے۔ اور ان توحیدات ثلثہ کے بغیر خدا کو ماننا نہ ماننے کے برابر ہے۔

توحید ذات یہ ہے کہ جیسے ایک انسان کی مانند دوسرا انسان ہوتا ہے۔ ایک ستارہ کی مانند دوسرا ستارہ۔ درخت کی مانند دوسرا درخت وعلیٰ ہذا القیاس ویسے خدا کی مانند کوئی چیز نہیں۔ وہ اپنی ذات و ہستی و وجود میں اکیلا ہے۔ جو اپنی نظیر اور کفو نہیں رکھتا۔

توحید صفات یہ کہ جن صفات کمال سے وہ موصوف ہے۔ ان صفات سے کوئی دوسرا موصوف اور انمیں اسکا شریک و مماثل نہیں ہے۔ جیسا کہ وہ بلا جسمانی آنکھ دیکھتا ہے دوسرا کوئی نہیں دیکھتا۔ جیسا کہ وہ بلا جسمانی کان سنتا ہے ایسا نہیں سُنتا۔ جیسا کہ بلا مدد آلات و مواد موجودات کو پیدا کرتا ہے کوئی دوسرا پیدا نہیں کرتا۔ جیسا وہ ہر چیز کو تمام لوگوں سے چھپی ہو خواہ کھُلی انکے نزدیک ہو خواہ

کتنی ہی دور۔ یکساں جانتا ہے۔ اور کوئی چیز اس سے چھپی نہیں ہے۔ ایسا کوئی دوسرا اُن چیزوں کو نہیں جانتا وعلے ہذالقیاس۔

توحید استحقاق عبادت یہ ہے کہ غائت درجہ کی عجز و انکسار بندوں کا جسکو وہ اپنی ہمجنس اکابر (بادشاہ حاکم ماباپ وغیرہ منعم ومحسن) کے سامنے نہ کرسکیں وہی مستحق ہے۔ اس سے ایسا ڈریں کہ کسی دوسرے سے نہ ڈریں۔ اس سے ایسی امید رکھیں کہ کسی دوسرے سے نہ رکھیں۔ اُسکے آگے ایسی عاجزی اور تضرع کریں جو کسی کے آگے نہ کریں۔ وعلے ہذالقیاس۔

توحید خدا کی تشریح وتفصیل بھی انسانی عقل سے نہیں ہوسکتی نہ انسانی عقل خدا کی ذات وصفات کو بذات خود دریافت کرسکتی ہے نہ اسکے حقوق واستحقاق عبادت کو بذات خود بیان کرسکتی ہے۔

یہ اسرار خدا تعالے ہی کی تعلیم سے (جو بواسطہ روحانی معلموں کے پہنچی ہیں) کھلے اور کھل سکتے ہیں

دنیا میں بڑے بڑے فلاسفر گذر چکے ہیں جنہوں نے تعلیم انبیا کی طرف توجہ نہ کی تو توحید عبادت اُنسے چھوٹ گئی۔ افلاطوں سے تاریخی نقل ہے کہ اُسنے اپنے وارثوں کو مرنے کے وقت وصیت کی تھی کہ فلان بت کے نام اس کی طرف سے ایک مرغا ذبح کریں۔ جو کمال تعجب کا محل ہے۔

تیسرے خیال (خداوندتعالے کے ارادات ومرضیات) کے متعلق بھی انسانی عقل کو اپنے آپ علم حاصل ہونا ناممکن ہے۔ ایک انسان دوسرے ہم جنس انسان کے دل ودماغ پر احاطہ نہیں کرسکتا۔ اور اپنی انسانی طاقت سے نہیں جان سکتا کہ اُسکے دل ودماغ میں فلان امر کے متعلق کیا خیال ہے۔ وہ اس میں خوش ہے یا ناخوش جب تک کہ وہ خود زبان سے نہ کہے۔ یا ایسے قراین وعلامات قائم نہ کردے جنسے

اُسکی رضا یا عدم رضا یقیناً ظاہر ہو سکے۔ چہ جائے خداوند تعالٰے جس سے انسان کو کسی قسم کی مجانست ومماثلت نہیں ہے۔

یہ امر بھی خداوند تعالٰے نے خود ہی فرمایا اور آسمانی تعلیم سے اظہار پر اپنی رضا و عدم رضا کو ظاہر کیا تو انسانی عقل کو اسکا علم حاصل ہوا۔

دُنیا کی موجودہ اشیاء کے وجود وخواص یا نیچر سے کچھ پتہ نہیں لگتا۔ کہ خدا تعالٰے بندوں سے اُن اشیاء کے متعلق کیا چاہتا ہے۔ اور اوسکی رضا ان اشیاء کے استعمال میں ہے یا ترک میں۔ اسکی دلیل اور مثال زہر وتریاق وکفر وشکر کی تفصیل دیکھنی چاہو تو ہمارا رسالہ اشاعۃ السنۃ نمبر ۸ جلد ۴ صفحہ ۲۲۸ وغیرہ کو ملاحظہ کرو۔

اس جواب پر یہ سوال ضرور ہوگا۔ کہ اگر انسانی عقل کو خدا کی ذات وصفات وارادات پر ڈائرکٹلی (بلا واسطہ) اطلاع ممکن نہیں ہے۔ اور عقل انسانی ان چیزونکا مشاہدہ وتجربہ [illegible] ان چیزونکا علم ویقین اوسکو کیونکر حاصل ہو سکتا ہے۔ اور اس امر پر انسانی عقل کے پاس کیا دلیل ہے۔ کہ جو کچھ انبیاء نے ان چیزوں کے متعلق اوسکو بتایا ہے۔ وہی حق ہے۔ اور مطابق واقع۔

اس سوال کا جواب یہ ہے۔ کہ تمام دُنیا کا معمولی اور قدرتی دیعنی نیچرل) قاعدہ ہے۔ کہ اُنسان دنیا کی تمام چیزون کا علم ویقین نہ صرف اپنے ذاتی تجربہ اور مشاہدہ سے حاصل کرتا ہے۔ بلکہ بہت سی چیزونکا علم ویقین اوسکو دوسرے شخص یا اشخاص سے۔ (جو اُن چیزونکا مشاہدہ وعلم رکھتے ہوں۔ اور اس امر کا وہ اور لوگوں کو علم و یقین دلا چکے ہوں۔) بتانے سے حاصل ہو جاتا ہے*۔

(۱) ایک شخص بڑا مشہور حکیم یا ڈاکٹر ہے۔ (جسکا ڈاکٹر ہونا فن ڈاکٹری کی کالج سے حاصل کرنے اور کسی مشہور یونیورسٹی سے سند پانے اور رات دن معالجات کرنے اور دھندھا

* صفحہ ۲۰۷ کا بیان اسکے مخالف نہیں ہی۔ اس مقام میں نادان کیلئے دانا کا اتباع کرنا بیان ہوا ہی۔ گذشتہ مقام میں ایک دانا کیلئے دوسرے دانا کی بلا دلیل اتباع سے انکار بیان ہوا ہی۔

لوگوں کے اس کے علاج سے شفا پانے سے مسلم ہو چکا ہو -) وہ اگر کسیکو یہ کہدے
کہ تیرے جگر میں پھوڑا ہے - اوسکو چیرا جائے گا - تو تو بچے گا - یا تیری آنکھ کی روشنی
بند ہونے والی ہے تو فلاں دوا کو استعمال کرائے گا تو آنکھ بچے گی - یہ قول سُنکر
اوسکو ڈاکٹر جاننے والے کو یقین ہو جاتا ہے - اور وہ اپنا جگر اور اپنی آنکھ اُسکے سامنے
رکھدیتا ہے - اور اوسکو اختیار دیتا ہے کہ جو عمل اسمیں چاہے سو کرے -

اور اس سے پہلے یہ سوال نہیں کرتا کہ اول مجھ کو میرے جگر کا پھوڑا دکھادے - اور
آنکھ کی روشنی کو بند کرنے والی چیز کا مشاہدہ کرادے - تب میں تیری بات کا یقین
کروں گا -

(۲) عدالت کا وکیل (جس کا وکیل ہونا اور قانون میں ماہر ہونا مسلم ہو -) اگر
کسی بے علم ملزم کو یہ کہدے - کہ فلاں امر میں تو عدالت میں یہ عذر پیش کر - ورنہ تو
جیل خانہ میں بھیجا جائیگا - تو وہ فوراً اوس بات کا یقین کر لیتا ہے - اور یہ نہیں
کہتا کہ پہلے مجھ کو وہ قانون دکھادے - تب میں تیری بات کا یقین کرونگا -

(۳) جوہری یا صراف جسکا اس فن میں ماہر ہونا مسلم ہو - کسی ناواقف موتی یا
سونے کے خریدار کو اگر یہ کہدے کہ یہ موتی جھوٹا - اور یہ سونا کھوٹا ہے - تو وہ فوراً اس
بات کا یقین کر لیتا ہے - اور خریداری سے رُک جاتا ہے - اور یہ نہیں کہتا کہ مجھکو اسکا
جھوٹ اور کھوٹ پہلے مشاہدہ کرادے - تب میں تیری بات کو مانونگا -

(۴) ایک شخص مدت العمر کا راستباز اور خیر خواہ خلائق ہے جس کی راست گوئی و خیر خواہی مسلم
اقران و اخوان ہو - اگر اپنے بھائی یا دوست کو خبر دے کہ فلاں جنگل یا غار میں شیر
بیٹھا ہوا ہے - اسطرف نہ جایو - تو اوسکو خیر خواہ و راستباز جاننے والا ہرگز شک
نہیں کرتا - اور اوسکی بات کا یقین کر لیتا ہے - اور یہ نہیں کہتا پہلے مجھ کو شیر دکھادے
پیچھے میں تیری بات کو مانونگا -

آسکے نظایر دنیا میں کثرت سے پائے جاتے ہیں جنکا شمار دشوار ہے۔ ان نظایر سے ثابت ہوتا ہے کہ بعض اشیاء کا علم ویقین دوسرے کے بیان سے اگر وہ اس کا عالم واہل ہو ثابت ہو جاتا ہے۔ اس نیچرل اور دنیا کے معمولی قاعدہ کی رو سے انسانی عقل کو انبیا کی تعلیمات وبیانات کا جنکو وہ خدا کی ذات وصفات کے متعلق پیش کرتے ہیں۔ علم ویقین ہو جاتا ہے۔ گو اُن چیزونکا اونکو مشاہدہ نہ ہو۔ مگر اسمیں شرط ہے۔ کہ انسان ان انبیاء کا صادق القول۔ اور آسمانی تعلیم سے فیضیاب ہونا مان لیں اور اُنکے روحانی طبیب ہونے کا یقین کرلیں۔ جیسا ڈاکٹروں۔ وکیلوں۔ صرافوں اور عام رہست بازوں کا ڈاکٹر وکیل۔ وصراف۔ وراست باز ہونا مان لیتے ہیں۔

لوگون کو یہ یقین انبیاء کی نسبت حاصل ہونا مشکل یا ناممکن نہیں

ہے۔ بلکہ [illegible] جو لوگ انبیاء کے پیرو ہیں وہ انکو ایسا ہی جانتے اور مانتے ہیں۔ اور انکی تعلیمات وبیانات کا اونکو ویسا ہی یقین وایمان حاصل ہوتا ہے۔ جیسا ڈاکٹروں کے بیان سے انکے معتقد بیمارون کو یقین ہوتا ہے۔

اور جو لوگ ہنوز انبیاء کو نہیں مانتے اور نہیں پہچانتے انکے یقین اور پہچان دو آسان وسہل الحصول ذریعہ ووسیلہ ہیں۔

اوّل یہ کہ وہ حضرات انبیاء کے لائف (حالات زندگی وسوانح عمری) میں غور وانصاف کی نگاہ کریں۔ صرف معتقدین سے نہیں مخالفین اور برخاش کرنیوالی لوگوں سے انکے حالات پوچھیں اور سُنیں۔ وہ سچی طلب سے ایسا کرینگے تو ضرور انکے حالات سے وہ یقین حاصل کرینگے۔ کہ حضرات انبیاء اعلےٰ درجہ کے راست باز صادق القول۔ دنیا کے حظوظ نفسانی وشہوات سے مجتنب تھے۔ اور کوئی غرض فاسد

نہ رکھتے تھے۔ اور خطاء و غلطی سے پاک تھے۔ خاتم المرسلین کے کسقدر ایسے حالات کا ان آیات میں ذکر ہے۔ جو بیان ہو چکے ہیں۔

دوسرا ذریعہ و وسیلہ یہ کہ وہ صاحب انبیاء کی تعلیم کیطرف غور و انصاف کی نگاہ کریں۔ اور دیکھیں کہ اس تعلیم میں انبیاء علیہم السلام ان جسمانی ڈاکٹروں۔ و صرافوں اور عام راست بازوں سے بڑھکر اپنا روحانی طبیب ہونا ثابت کر گئے ہیں۔ یا نہیں۔ وہ انصاف و غور کی نگاہ سے تعلیمات کو دیکھینگے تو اونکا روحانی طبیب و ایمانی صراف ہونا مان لینگے۔

اے حضرات انبیاء کی تعلیمات دو قسم ہیں قسم اول۔ وہ تعلیمات متعلق تمدن و معاشرت و اخلاق ہیں جنکا عقل نے ایگزمینیشن (امتحان) کر لیا۔ اور انکو اپنے قرار داد و فیصلہ کے موافق پایا یا مخالف نہ پایا۔ اور انسے بڑھکر تعلیمات تجویز کرنے کا اپنے [illegible] کہ انبیاء روحانی طبیب ہیں۔

قسم دوم۔ وہ تعلیمات ہیں جنکو عقل بذات خود پہنچ نہیں سکتی۔ پھر اس قسم کے دو حصے ہیں۔ حصہ اول وہ تعلیمات ہیں جو ایسے امور غیب سے تعلق رکھتے ہیں جنکو عقل بذات خود قبل از وقوع نہیں جان سکتی۔ مگر بعد الوقوع جان سکتی ہے اور اس ذریعہ سے انکے صدق کا امتحان کر سکتی ہے۔

یہ حصہ اول قسم دوم تعلیمات قسم اول سے بڑھکر عقل انسانی کو یقین دلاتا ہے کہ انبیاء روحانی طبیب ہیں۔ انکی ان باتوں کو بھی مان لینا چاہیئے جنکو عقل کبھی نہ پہنچ سکی اور انکا امتحان نہ کر سکے۔

حصہ دوم قسم دوم۔ وہ تعلیمات انبیاء ہیں جنکو خدا کی ذات و صفات و ارادات سے تعلق ہے۔ اور انسانی عقل کا انکی کُنہ و حقیقت تک پہنچنا ناممکن ہے

اور انکا امتحان کرنا عقل کی طاقت سے خارج ہے۔
اس حصہ دوم قسم دوم کو بھی عقل اپنی قرار داد و فیصلہ کے برخلاف اور از قسم محالات نہیں جانتے۔ صرف مجہول الکنہ اور نامعلوم الحقیقت قرار دیتی ہے۔ اور اسکے مقابلہ میں کوئی اپنی عمدہ تعلیم پیش نہیں کرسکتے۔ اور یہ بات ظاہر اور مسلم کل عقلاء ہے۔ کہ محال اور مجہول الکُنہ میں فرق ہے۔ اول سے عقل کو انکار کا حق ہے۔ دوسرے سے انکار کی گنجائش نہیں ہے۔ جس چیز کی حقیقت معلوم نہ ہو اُس سے انکار کرنا ایسا ہے۔ جیسا کوئی احمق اپنے دانا مخاطب کو کہے کہ میں تیری بات کو تو سمجھ نہیں سکتا۔ مگر اسکے جواب دو دیتا ہوں۔ جسکو کوئی عاقل پسند نہ کریگا۔
اسیوجہ سے عقل نے انبیا ر کی تعلیمات حصہ دوم قسم دوم کو جو خدا کی ذات وصفات وارادات کے متعلق ہیں بغیر امتحان اور آزمائش کے مان لیا ہے اور یہ مان لینا اسکا حق تھا۔

تمثیلات

(جنمیں نبوت عامہ کے علاوہ نبوت خاصہ محمدیہ کا ثبوت پایا جاتا ہے)
صاحبان۔ ! میں اسوقت خاصکر حضرت خاتم الرسالت کے دین اسلام کیطرف سے وکیل ہو کر کھڑا ہوں اور اُن ہی کی نبوت اور انکے دین کی حقانیت ثابت کرنا چاہتا ہوں۔ لہذا میں ان ہی حضرت کی تعلیمات قسم اول اور حصہ اول قسم دوم کی چند تمثیلات بیان کرونگا۔ ان ہی تمثیلات پر سامعین اور انبیا علیہم السلام کی اس قسم کی تعلیمات کا قیاس کرسکتے ہیں۔ کیونکہ جملہ انبیاء کی شان واحد ہے اور ان تمثیلات کے حق اور عقل انسانی کے مطابق وموافق ہونے سے انکو یقین حاصل ہوسکتا ہے کہ حصہ دوم قسم دوم تعلیمات انبیاء علیہم السلام جس کی کُنہ وحقیقت کو

عقل نہیں پہنچتی۔ نیز حق اور نفس الامر کے مطابق ہوگا۔

پس واضح ہو کہ منجملہ تعلیمات قسم اول ایک حکم حرمت خمر (شراب) ہے۔ جسکو ہمارے نبی اُمّی نے (فداہ ابی و امی) ایسے وقت میں بالہام و تعلیم الہی صادر فرمایا ہو جبوقت ملک عرب تاریکی سے پر تھا۔ نہ علوم عقلیہ فلسفہ وغیرہ کا سم و اثر تھا۔ نہ کیمسٹری (علم کیمیا) کا نام ونشان نہ طب یونان۔ یا یوروپ کا چرچا۔ ان لوگوں کو کچھ معلوم نہ تھا کہ شراب خانہ خراب میں کیا کیا روحانی وجسمانی برائیاں وخرابیاں میں ایسی تاریک وقت میں اس سراپا نور نے اس شراب کی نسبت یہ حکم الہی پہنچایا اُور لوگ

ویسئلونک عن الخمر والمیسر قل فیھما اثم کبیر ومنافع للناس واثمھما اکبر من نفعھما (بقرہ ع ۲۷)

تجھ سے شراب اور جُوئے کا حکم پوچھتے ہیں۔ تو کہدے کہ ان دونوں میں بڑا گناہ بھی ہے۔ اور نفع بھی ہے۔ پھر نفع کی نسبت ان کا گناہ (یعنے نقصان) بہت بڑھ کر ہے۔"

صاحبان! میں شراب کے نفع اور نقصانوں کا تفصیلی بیان اور پھر انکا باہم موازنہ کروں تو میرے پاس وقت نہیں۔ لہذا کچھ مختصراً کہتا ہوں کہ اس شراب کے مجوز۔ اور حامی اسکے منافع یہ بیان کرتے ہیں۔ کہ اگر وہ قلت اور اعتدال سے پی جائے تو دل میں سرور پیدا کرتی ہے۔ اور جسم میں اصلی حرارت اور اس سے خون و گوشت پیدا ہوکر بدن فربہ ہو جاتا ہے۔ اور جسم میں طاقت بڑہتی ہے وغیرہ وغیرہ اسکے مقابلہ میں بڑے بڑے حکیم وڈاکٹر وتجربہ کار یہ دعوے کرتے ہیں۔ کہ یہ شراب۔ خانہ خراب اصلی حرارت کو کم کردیتی ہے۔ غذا بدن بالکل نہیں ہوسکتی کہ اس سے خون اور گوشت پیدا ہو۔ ہاں بدن میں چربی پیدا کرتی ہے جس سے بدنکی طاقت کم ہوجاتی ہے۔ اور جو اس سے اصلی حرارت پیدا ہونے کا خیال ہے وہ غلط

ہے۔ یہ صرف حرکات دل کو زیادہ کر دیتی ہے جس سے آخر دل تھک کر کمزور ہو جاتا ہے
گرمی پیدا کرنے میں چاء اس سے بہتر ہے۔ اور کمزور کو طاقت دینے میں دودھ اس سے
مفید تر۔ یہ معدہ کو اور جگر کو ضعیف کرتی ہے۔ اس سے اشتہا اور قوت با
کم ہو جاتی ہے۔ ورم جگر اور استسقا یرقان وغیرہ امراض پیدا کرتی ہے۔ یہ دل کے
اندر پہنچ جائے تو فوراً ہلاکت کی موجب ہو جاتی ہے۔ دماغ و اعصاب کو ضعف و
کمزور کر دیتی ہے جس سے رعشہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اور رفتہ رفتہ بدن بالکل بیکار
ہو جاتا ہے۔

روحانی حکیم اور ایمانی ڈاکٹر خاتم الرسل و سید البشر نے ان سب منافع و
مضار کا موازنہ کرنے میں طبی اور طبعی بحث سے کام نہیں لیا۔ اور نہ ہی اس قسم
کی ابحاث نبی کا منصب ہے۔ بلکہ بجائے اس بحث کے مختصر الفاظ سے یہ فرد یا کہ
اسکے نفع سے اسکے نقصانات بدرجہا بڑھ کر ہیں۔ جسپر روشن دلیل جو کسی کے اختلاف
کا محل نہ ہو سکے یہ ہے کہ اسکے جملہ وہمی و خیالی یا واقعی منافع کے مقابلہ میں ایک نقصان
زوال عقل ہمیں ایسا ہے کہ وہ سب منافع کو ملیامیٹ کر دیتا ہے۔ انسان
عقل ہی سے انسان ہے۔ جب انسان کی عقل قایم نہیں رہتی تو وہ کسی نافع چیز کا
نفع نہیں اوٹھا سکتا۔ اور شراب کو کمی اور اعتدال سے پینا نہ ہر ایک سے ہوتا ہی
اور نہ ہو سکتا ہے۔ بہت لوگ شراب پیتے پیتے نشہ میں آجاتے ہیں۔ اور جب
نشہ میں آتے ہیں تو پھر وہ اس حد قلت و اعتدال سے (جو بقول مجوزین ان
خیالی یا واقعی منافع کی شرط و مدار ہے) باہر ہو جاتے ہیں۔ تو ان میں سرور کی جگہ
بیہوشی اور از خود رفتگی پیدا ہوتی ہے۔ نیا خون اور گوشت پیدا ہونے کی جگہ
(اگر اسکو فرض اور تسلیم ہی کر لیا جاوے) پہلا اور موجود گوشت و بدن ہی معرض نقصان
و ہلاکت میں پڑ جاتا ہے۔ کسی کا چھت یا دیوار سے گر کے سر پھوٹ جاتا ہے۔

کسی کا ہاتھ پاؤں ٹوٹ جاتا ہے۔ کوئی ناگہانی موت کے صدمہ سے ہلاک ہوجاتا ہے وعلے ہذالقیاس۔

یہ اسکے جسمانی نقصان ہیں۔ رہے اخلاق اور روحانی نقصان سو جسمانی نقصانوں سے بڑھ کر ہیں۔ بے ہوشی میں انسان ہر قسم کے گناہ قتل ناحق زنا۔ وغیرہ جرائم کا مرتکب ہوتا ہے۔ سرکاری رپورٹیں انگلینڈ وغیرہ مغربی بلاد کے جہاں شراب کی کثرت ہے۔ ملاحظہ کرو تو اسکی کیفیت معلوم ہو۔

انگلستان میں ۱۸۹۰ء میں بیس لاکھ آدمی بیہوشی کے جرم میں گرفتار ہوئے اکثر لوگ شراب کے نشہ میں خودکشی کے مرتکب ہوئے۔ لنڈن میں فی لاکھ ۸۷ جرمنی میں ۱۷۰۔ فرانس میں ۴۰۲۔ روس میں ۲۰۶۔ اس نشہ کے سبب خودکشی کے مرتکب ہوئے۔

امریکہ میں منجملہ ۱۰۰-۹۰ مجرم ایسے نکلتے ہیں۔ جو صرف نشہ کے سبب مرتکب جرم ہوتے ہیں۔ اور منجملہ ۱۰۰ قاتلوں کے ۵۰ ایسے نکلتے ہیں جو شراب کے نشہ میں قتل کے مرتکب ہوتے ہیں۔

ایک چیف جسٹس انگلستان کا قول ہے۔ کہ اگر شراب نوشی حکماً مسدود کردیجائے تو انگلستان میں دس جیلخانوں میں سے نو کو توڑ کر ایک جیلخانہ رکھنا کافی ہو۔

یہ اسکے وہ اخلاقی نقصان ہیں جسکو تمدن اور مخلوقات سے تعلق ہے۔ اب اسکا وہ روحانی نقصان جسکو خالق سے تعلق ہے سنو۔ جب انسان شراب پی کر بیہوش ہوجاتا ہے تو خدا کی یاد اور عبادت سے (جو اسکی پیدائش کا اصلی مقصود ہے) غافل ہو جاتا ہے۔ اور اگر بسبب عادت نشہ کی بیہوشی میں خدا کو یاد کرنا چاہتا ہے۔ تو یہ نہیں جانتا کہ اسکے مُنہ سے کیا نکلتا ہے۔ خدا کی تعریف

یا اوس کی مذمت۔ اس روحانیت کے فوت ہونے سے اسکی انسانیت ہی جاتی رہی۔ وہ انسان کہاں رہا جس نے اپنے محسن خدا کو بھلا دیا۔ یا تعریف کی جگہ اسکو مذمت سے یاد کیا۔

ان جسمانی اور اخلاقی اور روحانی نقصانوں کی نظر سے اس روحانی حکیم اور ایمانی ڈاکٹر نے پہلی بار سابق الذکر حکم کہ "اس شراب کے نقصان اسکے منافع سے بڑھ کر ہیں"۔ فرمایا جسے اوّل درجہ کے عقلمندوں اور روحانیوں نے اُسکے منافع ومضامین موازنہ کر کے یہ سمجھ لیا۔ کہ خدا تعالےٰ شراب نوشی کو پسند نہیں کرتا۔ اور وہ اپنے بندوں کے نقصان کی نظر سے اس فعل سے خوش نہیں ہے۔ اور اس شراب کو (جو بسبب عادت نہ بحکم شریعت وہ پیتے تھے) اُنہوں نے چھوڑ دیا۔ اور جب اس حکم کے حامی اور اس شراب کے مخالف اعلےٰ درجہ کے عقلمندوں اور روحانیوں کی ایک پارٹی پیدا ہوگئی۔ تو اس روحانی حکیم اور ایمانی ڈاکٹر نے دوم اوسط درجہ کے عقلمندوں کی فہمائش کے لئے اس متوسط عنوان سے یہ حکم صادر فرمایا

یا یہا الذین اٰمنوا لا تقربوا الصّلوٰة وانتم سکاریٰ۔ حتی تعلموا ما تقولون۔ (نساء ع ۷۔)	کہ اے ایمان والو جب تم نشہ کی حالت میں ہو تو نماز کے نزدیک نہ جاؤ۔ جب تک تم جان نہ لو کہ کیا

کہتے ہو۔ جسمیں شراب کا روحانی نقصان بیان کیا ہے۔ اور یہ فرمایا کہ یہ شراب تم کو ہماری یاد اور تعریف سے مانع ہے۔ جب تم شراب پی کر نماز پڑھو گے تو نہ جانو گے کہ تم ہماری تعریف کر رہے ہو یا مذمت۔ اس سے اوسط درجہ کے عقلمندوں۔ اور روحانیوں نے بھی سمجھ لیا۔ کہ یہ شراب تو بہت بُری چیز ہے۔ اور یہ ہمکو خدا کے دربار کے حضور سے (جو پانچ وقت تو لازمی ہے۔ اور علاوہ بر آں دوسرے وقتوں میں اختیاری) روکنے والی چیز ہے۔ خدا تعالےٰ کا یہ فرمانا ایسا ہے جیسا یہ فرمانا کہ تم

ہمارے دربار میں آنا چاہتے ہو تو شراب پینا چھوڑ دو۔ جو شراب پئے گا وہ لائق حاضری دربار نہ ہوگا۔ یہ سمجھ کر اُنہوں نے بھی شراب پینا چھوڑ دیا۔

اور جب دو پارٹیاں اعلےٰ اور اوسط کے درجہ کے عقلمندوں اور روحانیوں کے اس حکم ممانعت کے حامی اور اس شراب کے مخالف پیدا ہوگئیں۔ تو اس روحانی ڈاکٹر اور ایمانی حکیم نے بار سوم تیسرے اور ادنے درجہ کے لوگوں کے لئے یہ سختی۔ اور تیزی کا متضمن حکم صادر کیا۔ اور صاف فرمایا۔ کہ اے ایمان والو شراب

یا ایھا الذین اٰمنوا انّما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوہ لعلکم تفلحون۔ انما یرید الشیطان ان یوقع بینکم العداوۃ والبغضاء فی الخمر والمیسر ویصدّکم عن ذکر اللہ وعن الصّلوۃ فھل انتم منتھون (مائدہ۔ ع۔ ۱۲)

جوا۔ تھان۔ اور پانسے۔ ناپاک ہیں شیطانی کام ہیں۔ ان سے بچو تاکہ تم فلاح پاؤ۔ شیطان تو یہی چاہتا ہے۔ کہ شراب اور جوئے کے ذریعہ سے تم میں باہم دشمنی اور کینہ ڈالدے اور تم کو خدا کی یاد سے روک دے (اب تو) تم اس سے باز آؤ گے؟

اس حکم سے تیسری پارٹی کے بھی چھکے چھوٹ گئے۔ اور اس کے مضار ان کی سمجھ میں بھی آگئے۔ اور سب کے سب اس حکم ممانعت کے حامی بن گئے۔

حضرات۔ اکثر وقتوں اور ملکوں میں لوگوں کے (جنگی اصلاح و ریفارم مدنظر ہوتی ہے۔) تین طبقات ہوتے ہیں اعلےٰ۔ اوسط۔ ادنے۔ حکیم روحانی اور رسول ربانی نے اس عظیم الشان حکم ممانعت شراب میں جسکا عرب اور تمام دنیا سے اٹھانا بڑا مشکل امر تھا۔ ان تینوں طبقات کے لحاظ سے تین دفعہ۔ اوّل نرمی سے۔ پھر اوسط درجہ کی تنبیہ سے پھر سختی سے کام لیا۔ اور

اس میں تمام دنیا کے ریفارمروں سے بڑھ کر کامیابی کا حصہ لیا۔

اس کامیابی کے لئے ایک حکیمانہ مصلحانہ پالیسی (مصلحت) آپنے یہ اختیار فرمائی کہ اس شراب کی مقدار قلیل وکثیر سب کو یکساں حرام کر دیا۔ حتے کہ بطور دوا بھی اسکے استعمال کرنے کو حرام کر دیا۔ تب ہی یہ درجہ کامیابی آپ کو حاصل ہوا۔

قرآن کی آیات ثلثہ مذکورہ بالا میں اطلاق اور عموم لفظ خمر سے اسکی مقدار قلیل وکثیر کو حرام فرمایا۔ اور قرآن کی شرح حدیث میں جو مسلمانوں کے نزدیک وحی خفی و وحی غیر متلو کہلاتی ہے۔ اور وہ واجب العمل ہونے میں قرآن کی مانند ہے۔ صاف تصریح سے فرما دیا کہ جس شراب کا قدر کثیر نشہ پیدا کرے اوس کا قدر قلیل بھی حرام ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام [illegible]

اور ایک شخص طارق بن سوید نے دوا کے لئے شراب بنانا چاہا۔ تو ہکو بھی آپ نے منع کیا۔ اور آپ نے صاف فرمایا کہ یہ دوا نہیں بلکہ بذات خود داء یعنے مرض ہے۔

عن وائل الحضرمی ان طارق بن سوید الجعفی سأل النبی عن الخمر فنہاہ او کرہ ان یصنعہا فقال انما اصنعہا للدواء فقال انہ لیس بدواء ولکنہ داء (مسلم صفحہ ۱۶۳ جلد ۲)

اسی حکیمانہ پالیسی کی برکت ہے۔ کہ جسقدر شراب سے مذہب اسلام میں ممانعت اور روک ہے۔ دنیا کے اور کسی مذہب میں نہیں ہے۔ اور جسقدر مسلمان اس سے بچتے ہیں دنیا کے کسی مذہب کے لوگ اس سے نہیں بچتے۔

آپ کا اس شراب کی نسبت یہ فرمانا کہ یہ بذات خود بیماری ہے

دوا نہیں ہے۔ یہ سِرّ اور فلسفی رکھتا ہے۔ کہ دنیا میں دوا ایسی کوئی نہیں جسکا
بدل دوسری دوا نہ ہو۔ پھر اگر باوجود میسّر ہونے اسکے بدل کی دوا کے طور پر
اسکی اجازت دیجائے گی تو اس سے لوگ فے الجملہ اباحت اور مطلق اجازت نکالکر
اسکو عموماً استعمال کرینگے۔ اور ان سب روحانی واخلاقی امراض میں مبتلا
ہوجائینگے۔ جن کی نظر سے یہ حرام کی گئی ہے۔

یہی سِرّ اور فلسفی اسکے مقدار قلیل کے حرام ہونے کی ہے۔ اگر اسکی ایک
قطرہ کی اجازت دیجاتی تو اس سے فے الجملہ اباحت اور مطلق اجازت نکال کر
یہ مطلق مباح سمجھی جاتی۔ ؎ بہ نیم بیضہ چو سلطان ظلم روا دارد * زنند لشکریانش ہزار مرغ بسیخ *
چیف جسٹس سابق الذکر یا اور دنیا کے عقلمند جس ممانعت عام شراب
کی خواہش رکھتے ہیں۔ وہ اسلام ہی کے اس حکم سے ہوئی۔ اور ہو سکتی ہے۔ یہ کیسی
اور نیز جب سے حکم [illegible] یورپ وغیرہ ممالک میں شراب کی ممانعت و
انسداد کے لئے ٹمپریس سوسائٹیاں قائم ہوئی ہیں۔ وہ بھی اسلام ہی کی تعلیم
مذکور کا اثر و فیض و برکت ہے۔ اور جو بہ نسبت سابق اب یوروپ میں شراب
کی کمی ہوگئی ہے۔ یہ بھی اسی اسلام کی برکت ہے۔ اگر یوروپ والے ریفارمر
اس حکم اسلام کی پوری تقلید اختیار کریں۔ اور اس ام الخبائث کی قدر کثیر و قلیل کو
ممنوع قرار دیں۔ اور دوا کے طور پر بھی اسکا استعمال کرنا ناجائز سمجھیں۔ تو پھر دیکھ لیں
کہ وہ اس تعلیم محمدی سے کیا نفع اوٹھاتے ہیں۔

یوروپ اور خاصکر انگلینڈ لیورپول وغیرہ میں جو اسوقت اسلام کا
ستارہ چمک رہا اور لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا نعرہ بلند ہو رہا ہے
یہ بھی اس تعلیم محمدی کی برکات و آثار سے ہے۔ لورپول کے شیخ الاسلام عبداللہ
کوئیلیم کو پہلے پہل میلان اسلام کی طرف اسیوجہ سے ہوا۔ کہ وہ ٹمپرنس سوسائٹی

کے ممبر اور انسداد و ممانعت شراب کے حامی تھے۔ اُنھوں نے اسلام میں اس شراب کی ممانعت کا حکم ایسا پایا۔ کہ کسی دوسرے مذہب میں ایسا نہ پایا جس سے انکے دل میں اسلام کی عظمت نے گھر بنا لیا۔ پھر اور اسباب ہدائت و محبت اسلام نے انکے دلمیں اسلام کو جما دیا۔

اس امر کی دلیل کہ جیسے اسلام میں شراب کی ممانعت ہے کسی اور مذہب میں نہیں ہے محتاج بیان نہیں ہے۔ تاہم ناواقف لوگوں کی آگاہی کے لیے بیان کیا جاتا ہے، کہ گو توریت میں شراب اور شرابیوں کی ممانعت اور مذمت کہیں مطلق اور کہیں بقید قدرشہ آور اور قید محل دخول دبیت المقدس) وارد ہے۔ مگر ساتھ ہی اسکی بعض انبیاء علیہم السلام حضرت نوح و حضرت لوط کا شراب پینا بھی اسمیں مذکور ہے (دیکھو پیدائش $\frac{9}{21 و 22}$ اور پیدائش $\frac{19}{13}$ وغیرہ) جس نے اس ممانعت و مذمت کی عظمت اور جلالت کو کم کر دیا ہے۔ بلکہ کان لم یکن بنا دیا۔ [illegible] نہیں دیا گیا۔

انجیل میں تو شراب کی ممانعت صاف طور پر کہیں نہیں آئی۔ بلکہ برعکس اسکے انجیلی مسیح کا دعوت قانائی جلیل میں معجزہ سے شراب بنا دینا پایا جاتا ہے۔ ہاں انجیل کے حواشی پولوس کے خطوط اول قرنتی اور نامہ طیطس کے اور نامہ طیطاؤس وغیرہ میں شرابی کی مذمت وارد ہے۔ مگر ساتھ ہی اس کے پولوس مسیح کی یہ تعلیم ہے کہ ”باہر سے انسان کے پیٹ میں جانے والی کوئی چیز انسان کو ناپاک[1] نہیں کرتی“۔ اور پاکوں کے لئے سب کچھ پاک[3] ہے جو اس مذمت کے

[1] صفحہ ۲۱۴ نمبر ۷ جلد ۱۷۔ اشاعۃ السنہ ملاحظہ ہو۔

[2] صفحہ ۲۱۱ نمبر ۷ جلد ۱۷۔ اشاعۃ السنہ ملاحظہ ہو۔

[3] نامہ طیطس باب اول آیت ۱۵۔ ملاحظہ ہو۔

شان کو ہلکا کر رہی ہے یہی وجہ ہے کہ عیسائی مذہب میں اس حکم خطوط پولوس کی تعمیل نہیں ہوئی۔ مقدس پادریوں میں بھی اس شراب کی روک نہیں۔ چہ جائے عوام الناس اور نہیں تو انکے مذہبی شعار عشاء ربانی میں تو شراب ضرور چکھ لی جاتی ہے۔[ع]

ہندؤں اور بدھ کے مذہب میں بھی شراب کی ممانعت ہے۔ مگر نہ اس شد و مد سے اور نہ اس تفصیل و توسیع سے کہ اسکا قدر قلیل بھی حرام۔ دوا کے لئے بھی وہ ناجائز اور اسکے متعلق[ل] دس آدمی مورد لعنت ہوتے ہیں۔ بنانے والا۔ بیچنے والا۔ پینے والا۔ پلانے والا۔ اٹھا کر لے جانے والا۔ وغیرہ وغیرہ۔

الغرض یہ ممانعت خمر اس توسیع و تعمیم کے ساتھ ایسا حکم ہے کہ اوسکو اسلام ہی کے برکات خاصہ سے شمار کرنا انصاف ہے۔ اور یہ حکم آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر بڑی قوی اور روشن دلیل ہے۔

از انجملہ حکم حرمت خنزیر ہے۔ یہ حکم بھی اوس دانائے علیم نے اس تاریکی کے وقت میں بالہام الٰہی صادر فرمایا۔ جب کہ اس موذی اور بے غیرت جانور کے گوشت کی جسم انسان اور اخلاق میں بد اثر پیدا کرنے والی برائیاں اہل عرب تو کیطرف ہے۔ دیگر بلاد کے لوگوں پر مخفی تہیں۔

صدہا سال اس حکم سے ایک ہزار سے زائد عرصہ کے بعد یوروپ کے ڈاکٹروں کی تحقیق و تفتیش سے ثابت ہوا ہے۔ کہ اس جانور کا گوشت انسانی جسم کی صحت کے لئے مضر ہے۔ اسکی ایک انچ میں کئی ہزار کیڑہ ہوتا ہے۔ جو خوردبینوں سے مشاہدہ میں آتا ہے

ل ایک حدیث میں ہے لعن رسول اللہ صلعم فی الخمر عشرۃ عاصرھا ومعتصرھا وشاربھا وحاملھا والمحمولۃ الیہ وساقیھا وبایعھا واکل ثمنھا والمشتری لھا والمشتری لہ رواہ الترمذی (مشکوۃ صفحہ ۲۴۳) ترجمہ آنحضرت نے شراب کے متعلق دس آدمیوں کو لعنت کی ہے[۱] اسکو نکالنے والا۔[۲] نکلوانے والا۔[۳] پینے والا۔[۴] اٹھا کر لیجانیوالا جسکی طرف اٹھا کر لیجاویں۔[۶] پلانے والا۔[۷] بیچنے والا۔[۸] اسکا دام کھانے والا[۹] خریدنے والا۔[۱۰] جسکے واسطے خرید کریں۔

ع۔ صفحہ ۲۱۵ نمبر ۷ جلد ۱۷ اشاعت السنہ ملاحظہ ہو۔

اسی نظر سے یورپ میں (جہاں ہر ایک مکان کے متعلق اس خبیث جانور کے لئے ایک تنہائی جگہ رکھی جاتی ہے۔) اب سنٔور کا کھانا بھی پہلے کی نسبت کم ہو گیا ہے۔ جیسا کہ شراب کا پینا۔

اُن ڈاکٹروں پر اسکا جسمانی نقصان ظاہر ہوا ہے۔ اور اِسکے روحانی نقصان یہ ہیں کہ یہ جانور ایک درندہ سوذی ہے۔ اور نجاسات کھانے اور نجاسات میں آلودہ رہنے والا۔ اور منجملہ عام حیوانات کے ایک یہی بڑا بے غیرت ہے۔ اَور حیوانات اپنے مطلوب مادہ پر دوسرے حیوانات کا مقابلہ اور غیرت کرتے ہیں۔ اس غیرت سے خالی ہے تو صرف یہی ایک حیوان ہے۔

اور یہ عام قاعدہ ہے کہ انسان جیسی غذا کھاتا ہے ویسا ہی اثر اسکے طبیعت اور اخلاق پر پیدا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو لوگ اس جانور کا گوشت کھانے کے [illegible] سے پرہیز کرنیوالوں میں ہوتی ہے۔ انمیں جسقدر زیادہ اسکا گوشت کھانے کے عادی ہیں اوسیقدر اور زیادہ تر بے غیرت ہوتے ہیں۔ ایک کی جورو کو دوسرا ہاتھ میں ہاتھ ڈالکر خلوت میں لیجائے تو وہ غیرت نہیں کرتا۔

ان جسمانی اور اخلاقی کے اثر کی نظر سے اوس روحانی حکیم نے اس خبیث جانور کو حرام کیا۔ اور اوسکی نسبت یہ حکم آسمانی پہنچایا۔ تو کہدے میں اس وحی (متلو) میں جو میری طرف ہوئی ہے کسی کھانے والے پر کوئی چیز (جنکو تم حرام بنا رہے ہو) حرام نہیں پاتا۔ بجز اسکے کہ مردار ہو (جو ذبح کے بغیر مرجائے) یا خون بہتا ہوا یا خنزیر کیونکہ یہ نجس ہے۔

قل لا اجد فی ما اوحی الیّ محرما علی طاعم یطعمہ الا ان یکون میتۃ او دما مسفوحا او لحم خنزیر فانہ رجس (انعام - ع - ۱۸)

ہر چند خنزیر کی حرمت عہد عتیق کی کتاب احبار ۱۱/۷و۸ وغیرہ میں ہو چکی تھی۔ مگر عہد جدید میں وہ حرمت مشتبہ و ملتبس ہو کر گویا منسوخ ہو گئی تھی۔ انجیل اسکی حرمت کی تسلیم و تقریر سے ساکت رہی۔ بلکہ اس عام اصول کہ "جو چیز منہ میں جاتی ہر آدمی کو ناپاک نہیں کرتی"۔ (متی ۱۵/۱۱ وغیرہ) اور اس حکم ناسخ الشریعت سے کہ "شریعت یوحنا تک تھی" (لوقا ۱۶/۱۶) اسکی اباحت و اجازت کی طرف مشعر ہوئی اور اسکے حواشی نامہ ہائے پولوس نے اس توسیع و تعمیم کے ساتھ کہ "پاک لوگوں کے لئے سب کچھ پاک ہے۔ پر ناپاکوں اور بے ایمانوں کے لئے کچھ پاک نہیں" (طیطس ۱/۱۵) اس خنزیر کو حلال اور مباح ٹھرایا۔ اور پاک قرار دیا ما سوا اس حکم توریت کے ساتھ اور احکام شریعت توریت کو بھی منسوخ کر دیا۔ (عبرانی ۱۹/۱۵ و گلتی ۲/۱۳) تو وہ حکم توریت مشتبہ یا منسوخ سمجھا گیا۔ اور یہ خبیث جانور عیسائیوں میں ایسا حلال و طیب قرار پایا جیسا کہ [illegible] خاتم الرسل اور اونکی آسمانی کتاب (قرآن) نے (جو پہلی کتابوں پر رقیب اور مہیمن ہونے کا منصب رکھتی ہے۔) اس حکم حرمت کے بیان کا اہتمام کیا۔ اور متعدد مقامات میں اسکی حرمت کو ظاہر فرمایا۔ جسکو اب بہت عیسائیوں نے بھی مان لیا ہے اور اس خبیث جانور کے جسمانی نقصان کا تجربہ و مشاہدہ کرکے اُسکی ممانعت میں کوشش کر رہے ہیں۔

از انجملہ حکم حرمت زنا ہے۔ یہ حکم بھی اس روحانی حکیم اور روحانی طبیب نے اس وقت میں بالہام الٰہی فرمایا۔ جسوقت ملک عرب میں زنا کی کثرت اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ شہوت پرست لوگ اپنے باپ کی منکوحہ (ما) کو بھی نہ چھوڑتے تھے۔ اور اوسکو اپنے باپ کی جائداد سمجھ کر اپنے کام میں لاتے تھے۔

اور دوسرے ملکوں میں بھی زنا کی کثرت تھی۔ اور اس سے روکنے والی کوئی تدبیر کسی کے پاس نہ تھی۔ ایسے وقت میں اس روحانی حکیم یہ حکم آسمانی بھیجا یا۔

لا تقربوا الزنا انہ کان فاحشۃ و ساء سبیلا (بنی اسرائیل۔ ع ۴۔)

زنا کے نزدیک نہ جاؤ یعنے اوسکے اسباب اور وسائل سے بھی اپنے آپ کو بچاؤ۔ یہ زنا بڑی بے حیائی اور بُری راہ ہے۔ (جس سے تمدن اور اخلاق اور روحانیت سب کو صدمہ پہنچتا ہے۔)

پھر اس حکم کی تفسیر اور ان اسباب وسائل کی تفصیل میں فرمایا۔

(۱) قل للمؤمنین یغضوا من ابصارھم ویحفظوا فروجھم ذلک ازکی لھم ان اللہ خبیر بما یصنعون وقل للمؤمنات یغضضن من ابصارھن ویحفظن فروجھن ولا یبدین زینتھن الا ما ظھر منھا ولیضربن بخمرھن علی جیوبھن ولا یبدین زینتھن الا لبعولتھن او اباءھن او اباء بعولتھن او ابناءھن او ابناء بعولتھن او اخوانھن او بنی اخوانھن او بنی اخواتھن او نساءھن او ما ملکت ایمانھن او التابعین غیر اولی الاربۃ من الرجال او الطفل

(۱) مومنوں کو کہدے کہ اپنی آنکھوں کو (اجنبی عورتوں کی نگاہ کرنے سے) بند رکھیں اور (اس ذریعہ سے) اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں (جو ان کی پاکیزگی کا وسیلہ ہے) خدا کو خبر ہے جو وہ کرتے ہیں۔ (اجنبی عورتوں کو دیکھتے ہیں خواہ اور وسائل زنا میں مبتلا ہیں۔) اور مومنہ عورتوں کو بھی کہدے کہ وہ اپنی آنکھوں کو (اجنبی مردوں کی طرف نگاہ کرنے سے بند رکھیں۔ اور (اس ذریعہ سے) اپنی شرمگاہوں کو محفوظ رکھیں۔ اور زینت (کا لباس یا محل) کھلا نہ رکھیں۔ مگر جو مجبوراً کھلا رہے (جیسے اوپر کی چادر یا برقعہ یا

الذین لم یظھروا علی عورات النساء ولا یضربن بارجلھن لیعلم ما یخفین من زینتھن وتوبوا الی اللہ جمیعًا ایہ المؤمنون لعلکم تفلحون (نور- ع - ۴-)

کام کرنے کے وقت منہ - یا چلنے کے وقت پاؤں -) اور وہ اپنی اوڑھنیاں (سر سے) اپنے گریبانوں تک لٹکا رکھیں اور اپنی زینت (کا لباس) بجز خاوندوں یا اپنے باپوں یا انکے باپوں یا اپنے بیٹوں یا انکے بیٹوں یا اپنے بھائیوں یا انکے اور بھتیجوں کے بیٹوں کے یا اپنی دولت کی (عورتوں کے یا اپنے زرخریدوں کے یا اون (زنانہ خصائل) مردوں کے جو عورتوں کی حاجت نہیں رکھتے - یا ان بچوں کے جو ہنوز عورتوں کے محل شرم اور انکی خاص ڈیوٹی پر اطلاع نہیں رکھتے - کسی پر ظاہر نہ کریں - اور نہ زمین پر (پاؤں مارین جس سے انکے پاؤں کی چھپی زینت (خلخال وغیرہ) ظاہر ہو -

(۲) یانساء النبی لستن کاحد من النساء ان اتقیتن فلا تخضعن بالقول فیطمع الذی فی قلبہ مرض وقلن قولا معروفا - وقرن فی بیوتکن ولا تبرجن تبرج الجاھلیۃ الاولی (احزاب - ع - ۴-)

(۲) اے پیغمبر کی بیویاں تم عام نادان عورتوں کی سی نہیں ہو - تم خدا سے ڈرنے والی ہو تو (اجنبی مرد سے) لچک اور پیار کی بات نہ کرو (اس سے) بیمار دل والے طمع کرینگے اور دستور کے موافق بات کیا کرو - اور گھروں میں ٹھری رہو - نادانی کے زمانہ والوں کی طرح اپنی زینت (اجنبی مردوں) کو نہ دکھاؤ

(۳) یاایھا النبی قل لازواجک وبناتک ونساء المؤمنین یدنین علیھن من جلابیبھن ذلک ادنی ان یعرفن فلا یؤذین (احزاب ع ۴)

(۳) اے نبی اپنی بیبیوں اور تمام مسلمانوں کی بیبیوں کو کہدو کہ اپنے منہ پر چادریں لٹکا لیں - اس سے وہ پہچانی جائیں گی (کہ وہ پردہ نشین

اور عفیفہ ہیں) (اور ان کو بے حرمتی کی) تکلیف نہ پہنچے گی۔

(۴) والقواعد من النساء التی لا یرجون نکاحاً فلیس علیھن جناح ان یضعن ثیابھن غیر متبرجات بزینة (نور - ع -)

(۴) اور جو بڑھیا عورتیں (خاص ڈیوٹی) سے ہٹ بیٹھی ہوں اور وہ نکاح کی امید نہ رکھتی ہوں۔ اُن پر گناہ نہیں ہے کہ وہ اوپر والی چادر اُتاریں وہ (بھی) زینت کا (محل یا لباس زیور وغیرہ) ظاہر نہ کریں (کیونکہ بن ٹھن کر زینت و سنگار سے بوڑھیا بھی جوان معلوم ہوتی ہے۔ اور وہ شدت کے حریصوں کی محل طمع ہو جاتی ہے۔)

اس تفصیل سے بڑھکر ان اسباب و وسایل کی تفصیل اس روحانی حکیم اور ایمانی طبیب صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں ہے جو وحی خفی اور وحی غیر متلو کہلاتی ہے۔ اور وہ بھی بالہام الٰہی فرمائی گئی ہے*

(۱) عن ابی ھریرة قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعلی یا علی لا تتبع النظرة النظرة فان لک الاولی ولیست لک الاخرة (احمد والترمذی)

(۱) ایک حدیث میں سید محفوظین امام الائمۃ الطاہرین علی مرتضیٰ کو آپنے فرمایا ہے۔ اے علی ایک نظر کے بعد (جو اتفاقاً کسی عورت پر پڑ جائے) دوسری نظر (قصد و ارادہ سے) نہ کر کیونکہ پہلی تو (اتفاقی ہونے کی وجہ سے) تیری ہو چکی دوسری تیرا حق نہیں۔

(۲) کان فضل بن عباس ردیف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجاءت امرأة من خثعم فجعل الفضل ینظر الیھا وتنظر الیہ وجعل

(۲) ایک حدیث میں ہے کہ آپنے اپنے اہلبیت کو ایک اور رکن فضل بن عباس کو ایک جوان عورت کیطرف نگاہ کرتے دیکھا۔ تو آپ نے ہاتھ سے

* یہ احادیث مشکوٰۃ میں صفحہ ۲۶۰ سے ۲۶۴ تک منقول ہیں

النبی یصرف وجہ الفضل الی الشق الآخر الحدیث (بخاری ص۲۰۵ وغیرہ)

انکا منہ اس طرف سے پھیر کر دوسری طرف کر دیا۔ اور فرمایا کہ میں نے جوان مرد کو جوان عورت کی طرف نظر کرتے دیکھا تو مجھے شیطان کے فتنہ کا خوف پیدا ہوا۔

(۳) عن ام سلمۃ انہا کانت عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ومیمونۃ اذ اقبل ابن ام مکتوم فدخل علیہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احتجبا منہ فقلت یا رسول اللہ الیس ھو اعمی لا یبصرنا فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افعمیاوان انتما الستما تبصرانہ (احمد و ترمذی ابو داؤد)

(۳) ایک حدیث میں ہے کہ آپ نے اپنے ازواج مطہرات ام سلمہ اور میمونہ عنہ کو ایک نابینا (ابن ام مکتوم) سے پردہ نہ کرنے اور یہ عذر کرنے پر کہ وہ اندھا ہے یہ فرمایا کہ کیا تم بھی اندھیاں ہو کیا تم اسکو نہیں دیکھتیں۔؟

(۴) عن جابر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا لا یبیتن رجل عند امرأۃ ثیب الا ان یکون ناکحا او ذا محرم (مسلم)

(۴) ایک حدیث میں ہے۔ کوئی مرد کسی عورت کے پاس (تنہائی میں) شب باش نہ ہو۔ بجز اس کے کہ وہ اسکا شوہر ہو یا ذی رحم جو اُسپر حرام کیا گیا ہو۔ (جیسے بھائی وغیرہ)

(۵) عن جابر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا تلجوا علی المغیبات فان الشیطان یجری مجری الدم (ترمذی)

(۵) ایک حدیث میں ہے ان عورتوں کے گھر میں داخل نہ ہو جنکے خاوند گھر میں نہ ہوں کیونکہ شیطان تم میں ایسا چلتا ہے جیسے بدن میں خون۔

(۶) عن عقبہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایاکم والدخول علی المغیبات

(۶) ایک اور حدیث میں ہے (اجنبی) عورتوں کے پاس جانے سے بچو کسی نے

فقال رجل یا رسول اللہ ارأیت الحمو قال الحمو الموت ۔
(بخاری و مسلم)

عرض کیا کہ دیور کا حکم (بھاوج کے پاس جانے کی بابت) فرمائیے آپ نے فرمایا کہ دیور تو موت ہے (یعنے اسکو تو بھاوج کے ساتھ خلوت کرنا ہلاکت ایمان و اخلاق کا موجب ہے۔ کیونکہ بھاوجن اور سالیوں سے نادان بے تکلف ہوجاتے ہیں اور فتنہ میں مبتلا ہو جاتے ہیں)

(۷) عن عمر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا یخلون رجل بامرأة الا کان ثالثهما الشیطان (ترمذی)

(۷) ایک حدیث میں ہے کوئی مرد کسی (اجنبی) عورت سے خلوت میں نہیں ہوتا۔ مگر ان میں تیسرا شیطان ہوتا ہے۔

(۸) عن ابن مسعود قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تباشر المرأة المرأة فتنعتها لزوجها کانه ینظر الیها ۔
(بخاری و مسلم)

(۸) ایک حدیث میں ہے۔ کوئی عورت دوسری عورت کے سامنے اپنا تمام جسم نہ کھولے وہ اسکا حال اپنے خاوند سے بیان کرے گی۔ تو وہ سُنکر گویا اسکو دیکھتا ہوگا۔

(۹) لا ینظر الرجل الی عورة الرجل ولا المرأة الی عورة المرأة ولا یفضی الرجل الی الرجل فی ثوب واحد ولا تفضی المرأة الی المرأة فی ثوب واحد (مسلم)

(۹) ایک حدیث میں ہے کہ ایک مرد دوسرے مرد کے محل ستر کو نہ دیکھے اور ایک عورت دوسری عورت کی ستر گاہ کو نہ دیکھے۔ اور نہ وہ (ننگے بدن) ایک کپڑے میں سوویں۔

(۱۰) عن ام سلمة ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان عندها وفی البیت

(۱۰) ایک حدیث میں ہے کہ ایک شخص ہیت نام ہیجڑا ام سلمہ کے بھائی

مخنّث فقال لعبد اللہ بن ابی امیّۃ اخی ام سلمۃ یا عبد اللہ ان فتح اللہ علیکم غدًا الطائف فانی ادلک علی ابنۃ غیلان فانہا تقبل باربع وتدبر بثمان فقال النبیّ صلی اللہ علیہ وسلم لا یدخلن ھؤلاء علیکم (بخاری ومسلم)

عبد اللہ سے کہہ رہا تھا کہ کل کو طائف فتح ہوگا۔ تو میں تجھے ایک عورت غیلان کی بیٹی کا پتہ بتاؤنگا۔ جس کے پیٹ کے چار بل آگے سے نظر آتے ہیں۔ اور آٹھ (دونو جانب کے) پیچھے سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ سُنکر فرمایا کہ ایسے لوگ تمہارے گھر میں داخل نہ ہوا کریں۔

(۱۱) عن النبیّ صلی اللہ علیہ وسلم ما من مسلم ینظر الی محاسن امرأۃ اوّل مرۃ ثم یغض بصرہ [illegible] الا احدث اللہ لہ عبادۃ یجد حلاوتہا (احمد)

(۱۱) ایک حدیث میں ہے۔ کہ جس مرد مسلمان کی کسی عورت کی خوبصورتی [illegible] سے پردہ اسکو بند کرلے یا پھیر لے تو خدا (اُسکے بدلے) ایسی عبادت عطا فرمائے گا جس سے وہ حلاوت پائیگا۔

(۱۲) ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لعن اللہ الناظر والمنظور الیہ (بیہقی)

(۱۲) ایک حدیث میں ہے۔ جو مرد کسی اجنبی عورت کو دیکھے یعنے اُسکے حسن و جمال سے نظر کو نہ بچاوے) یا کوئی عورت اجنبی مرد کو اپنا آپ دکھائے تو ان دونو پر لعنت پڑتی ہے۔

(۱۳) قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یخلون رجل بامرأۃ ولا تسافر امرأۃ الا ومعہا محرم۔ (بخاری ومسلم)

(۱۳) ایک حدیث میں ہے۔ کوئی مرد کسی (اجنبی) عورت سے خلوت کرے اور نہ کوئی عورت بلا (رفاقت) اپنے محرم (مرد) کے سفر کرے۔

(۱۴۲) العینان زناهما النظر والاذنان زناهما الاستماع واللسان زناه الکلام والید زناها البطش والرجل زناها الخطی والقلب یهوی ویتمنی والفرج یصدق ذلك ویکذبه (مسلم)

(۱۴۲) ایک حدیث میں ہے آنکھوں کا زنا اجنبی عورت کو دیکھنا ہے جس سے (برا خیال پیدا ہو) کانوں کا زنا اسکی باتیں سننا ہے (جس سے اسکی رغبت پیدا ہو) ہاتھوں کا زنا اسکو ہاتھ لگانا ہے۔ پاؤں کا زنا اسکی طرف چل کر جانا ہے۔ دل کا زنا یہ ہے کہ وہ اسکی خواہش اور آرزو کرے۔ شرمگاہ ان سب اقسام زنا کو سچا کرتا ہے۔ اگر وقوع میں آگیا۔ یا جھوٹا کرتا ہے اگر وہ ان سب سے تائب ہو گیا۔

صاحبان! ان سب وسائل و اسباب کو روکنا انسداد زنا کے لیئے ایسی لازمی شرط ہے [illegible]

جوان مرد جوان عورت کی خوبصورتی کو دیکھے۔ اور اس سے پیار و محبت کی باتیں کرے۔ ہاتھ سے ہاتھ ملاوے خلوت میں اسکے پاس جاوے اکیلی کے ساتھ سفر کرے۔ بوسہ و کنار کی نوبت بھی آجائے۔ تو پھر اسکا زنا سے بچ جانا ایسا ہے جیسا شکاری جانور کے آگے شکار کو چھوڑ کر اس سے یہ امید رکھنا کہ وہ اسکو ترس کھا کر چھوڑ دے گا۔ یا شدت کے بھوکے کے منہ میں تر نوالہ ڈالکر یہ خیال کر لینا کہ وہ اسکو پیٹ کے اندر نہ جانے دیگا۔ یا موم کی بتی کو چراغ کے سامنے رکھنا۔ اور یہ طمع کرنا کہ وہ اسکو نہ پگلائیگا۔

حضرات! زنا جب واقعہ ہوتا ہے۔ اسکے پہلے یہی وسائل مقدمات پیدا ہو جاتے ہیں۔ تو زنا کی نوبت آجاتی ہے۔

نظر تو ایک سخت بلا و آفت ہے۔ غائبانہ حسن و جمال کی باتیں سننا بھی

فتنہ پیدا کر دیتا ہے۔ چنانچہ کہا گیا ہے ؎

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد ٭ بسا کیں دولت از گفتار خیزد
در آید جلوہ حسن از رہ گوش ٭ زجاں آرام برُبائد نہ دل ہوش

عورت یا مرد خواہ کیسے ہی عفیف و پاک نظر و صاف دل ہوں۔ وہ جیسے آنکھ اور کان کو غیر محل کی نظر و سماع سے بچانے کے وقت زنا سے مامون ہو سکتے ہیں ویسے اجنبی کے حُسن و جمال کیطرف نگاہ کرنے اور اسکی دل کش باتیں سننے سے مامون نہیں ہو سکتے۔ وہ جیسے اپنی تنہائی میں اس آفت سے بے خوف ہوتے ہیں۔ ویسے اجنبی کے ساتھ خلوت اور سفر کرنے کے وقت بے خوف نہیں ہوتے۔

اسیوجہ سے کہا گیا ہے۔ ؎ مشو بر زن ایمن کہ زن پارسا است ٭ کہ خر بستہ بہ گرچہ دزد آشنا است ٭

یہی وجہ ہے کہ جس قوم میں نظر اور خلوت اور اختلاط اجنبیوں سے بچنے بچانے کی رسم ہے۔ اس قوم میں زنا بہت قلت سے وقوع میں آتا ہے۔ اور جس قوم میں کھلم کھلا دید و شنید اور باہمی خلوت و رفتار و بوس و کنار کی رسم جاری ہے۔ اس قوم میں زنا عیب ہی نہیں رہا۔ بلکہ ایک وصف کمال بن گیا ہو انکے نزدیک زنا معیوب وہ ہے جو جبر سے ہو۔ اور اسی کی کچھ سزا بھی ہے۔ باہمی رضامندی* سے جو چاہے شوق سے زنا کرے۔ اسکی نہ کچھ پروا ہے نہ سزا۔

* جو لوگ رضامندی طرفین سے زنا کو جائز سمجھتے ہیں۔ وہ اسکے جواز پر یہ دلیل پیش کرتے ہیں۔ کہ اسمیں کوئی حرج و نقصان نہیں۔ بلکہ جانبین کا فائدہ ہے۔ کہ وہ اپنا دل خوش اور حاجت پوری کر لیتے ہیں۔
اس دلیل کا جواب یہ ہے کہ اگر انسانی فعل نکاح وغیرہ سے غرض

[illegible]

لہذا جو ریفارمر زنا کو بند کرنا چاہے اسکا فرض ہے کہ وہ ان سب اسباب و وسائل کو جو مقدمات زنا ہیں بند کرے۔ اور سختی سے روک دے اور اسکے وقوع پر سزا بھی سخت تجویز کرے۔ ان وسائل کو روکنے اور درصورت وقوع اسکے سخت سزا تجویز کرنے کے بغیر زنا کے انسداد کی تمنا اور خیال سودای محال ہے۔

بقیہ حاشیہ صفحہ (۳۳۴)

مقصود صرف دل کو خوش کرنا۔ اور حاجت پوری کرنا ہوتا تو انسان اور حیوان میں کچھ فرق نہ ہوتا۔ یہ کام تو طبعی طور پر حیوان بھی کرتے ہیں۔ انسان کو اپنی انسانیت اور اپنی انسانی صفات کی (جبکی تشریح اس مضمون میں شروع توضیح میں بصفحہ ۲۵۹ وغیرہ ہو چکی ہے) نظر ولحاظ سے اس نکاح سے مقصود علاوہ حاجت روائی خاص کے یہ ہوتا ہے کہ وہ عورت جس سے وہ حاجت روائی کرتا ہے۔ اس سے مخصوص رہے۔ کوئی دوسرا شخص اس غرض سے اسکی طرف [illegible] کرے اور اس [illegible] تین لوازم ایسے نتائج ہیں جو [illegible] کی صورت میں مفقود ہوتے ہیں۔ اوّل یہ کہ تمام زندگی میں امور تمدنی میں زوجین ایک دوسرے کو مددگار رہیں۔ دوم یہ کہ بعد مفارقت وموت احد الفریقین ایک دوسرے کا وارث بنے۔ سوم۔ یہ کہ دونو کے فعل (مباشرت) سے جو فریق ثالث (اولاد) پیدا ہو اسکا مربی وکفیل تربیت۔ اوّلاً باپ ہو۔ پھر اسکی وفات کے بعد اسکے ورثاء واقارب۔ اور اسکا مال ہو۔ یہ تینوں لوازم یا نتائج زنا کی صورت میں کسی خاص معاہدہ یا التزام سے وقوع میں آ بھی جائیں تو انکا اعتبار نہیں۔ کیونکہ کوئی ملکی یا مذہبی قانون ایسا نہیں ہے جو انکو لازم کر دے۔ اور ہر ایک زانی پر اسکی مزنیہ اور اولاد کے یہ دایمی حقوق قایم کر دے۔ زانی زنا کر کے عورت مزنیہ سے جدا ہو جاتے ہیں۔ اور پھر وہ نہیں

بقیہ حاشیہ بر صفحہ (۳۴۶)

اسی وجہ سے اور ان ہی عواقب و نتائج کی نظر سے اس روحانی حکیم نے زنا کے اسباب و وسائل مذکورہ بالا کو بند کیا۔ اور سختی سے روک دیا۔ اور اسکے وقوع پر اس سزا کو تجویز کیا کہ جو مرد یا عورت اپنا جوڑہ موجود ہونے کے ساتھ زنا کا مرتکب ہو وہ جان سے مار دیا جائے[۱]۔ اور جو مرد مجرد یا رنڈوا یا عورت رانڈ یا بے شوہر ہونے کی حالت میں مرتکب زنا ہو اسکو سو درہ دکوڑے) مارے جاویں جسکا نتیجہ یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ جس ملک میں یا قوم اہل اسلام میں یہ اسلامی احکام

بقیہ حاشیہ صفحہ (۳۳۵)

جانتے کہ وہ عورت کہاں ہے۔ اور اسکے پیٹ میں اسکا نطفہ قرار پایا ہے یا نہیں۔ اور اگر وہ قرار پایا۔ اور وجود میں آیا تو اوسکا مربی و کفیل کون ہے۔ جس سے انواع مظالم اور تمدنی و اخلاقی روحانی حرج و نقصانات پیدا ہوتے ہیں۔

اس اصول و اغراض نکاح سے یہ بھی واضح اور ثابت ہو گیا۔ کہ جو لوگ رسم معہود کے برخلاف خفیہ یا کچھ وقت کے لیئے نکاح یا تن بخشی کرا لیتے ہیں وہ بھی نکاح نہیں بلکہ زنا ہے جو چھپی دوستی میں داخل ہے۔ جس سے آیات "ولا متخذی اخدان" "ولا متخذات اخدان" میں ممانعت وارد ہے کیونکہ وہ لوازم نکاح سے معرا ہے اور یہ قاعدہ کل عقلا کا مسلم ہے الشئ اذا ثبت ثبت بلوازمہ یعنے جب کوئی چیز وجود پذیر ہوتی ہے تو وہ اپنے لوازم کے ساتھ وجود پذیر ہوتی ہے۔ کوئی چیز بدون لوازم وجود پذیر نہیں ہوتی ؎

حاشیہ صفحہ (۳۳۶)

[۱] شائد بعض زنا کو برا جاننے والے بھی اس سزا کو بے رحمی کی سزا اور قدر واجبی سے زائد خیال کریں۔

انکے خیال کا جواب یہ ہے کہ زنا کے بدلے جان سے مار دینا بے رحمی نہیں بلکہ عین رحم ہے۔ زنا سے کئی خون ہوتے ہیں۔ جو عورتیں علانیہ زنا نہیں بلکہ خفیہ کراتی ہیں وہ بہت سے حمل ساقط کراتی ہیں۔ اور جنکا یہ زنا پیشہ مقرر ہے۔ وہ

جاری ہیں جیسے افغانستان وغیرہ اسلامی حکومتیں۔ اسمیں زنا بہت ہی قلت کے ساتھ وقوع میں آتا ہے۔ اور جہاں یہ احکام جاری نہیں وہاں زنا کی وہ کثرت ہے کہ اسکے مقابلہ میں زنا سے بچنا ایسا عیب سمجھا جاتا ہے۔ جیسے مرد کیلئے ہیجڑا ہونا وہاں نکاح کرنے والے معمولی ہیز بنڈ (خصم) کہلاتے ہیں۔ اور زنا کرنے والے سوئیٹ ہیز بنڈ یعنے میٹھو اور پیارے خصم وہاں لائق وفائق ممتاز وہی عورت سمجھی جاتی ہے جسکے بہت سے سوئیٹ ہیز بنڈ (پیارے یار) ہوں۔٭

یہ حکم بھی ہے اس توسیع واہتمام سد وسائل کے ساتھ اسلام ہی کا خاصہ ہے اور حسن معاشرت اور انتظام تمدن واستحکام اخلاق کے لئے اس حکم کو تجویز کرنا نبوت محمدیہ کے اعلے وروشن اعلام سے ہے۔ ہر چند اور مذاہب یہودیت ونصرانیت وغیرہ میں بھی زنا سے منع کیا گیا ہے مگر جو توسیع اہتمام اس کے وسائل واسباب کے روکنے لئے اسلام نے کیا ہے وہ کسی دوسرے مذہب میں نہیں پایا جاتا۔

توریت میں کتاب خروج واستثنا کے احکام عشرہ میں زنا کی ممانعت وارد ہے۔ اور کتاب امثال باب ۶۔ آیت ۲۴ و ۲۵ وغیرہ میں آنکھ کان بچانے کی طرف بھی اشارہ پایا جاتا ہے۔ اور زنا کی سزا قتل بھی اسمیں وارد ہے

بقیہ حاشیہ صفحہ (۳۳۲)

کثرت زنا سے اس لائق نہیں رہتیں کہ انکے رحم میں استقرار حمل ہو۔ اور اس طور سے وہ ہزاروں جانیں تلف کرتی ہیں۔

لہذا ایک زانی کو (اگر وہ صاحب زوج ہو کر زنا کرے) جان سے مار دینا ہزاروں جانوں کو تلف ہونے سے بچانا ہے۔ پھر وہ بے رحمی ہوئی۔ یا عین رحم۔ انصاف کرو۔ ا ٭

مگر اس تفصیل و تشریح سے سد وسائل و اسباب اسمیں کہاں ہے۔ جو قرآن اور حدیث میں پایا جاتا ہے۔

انجیل میں نظر سے منع تو کیا گیا ہے۔ مگر اس قید کے ساتھ کہ وہ شہوت سے ہو۔ چنانچہ متی باب ۵۔ آیت ۲۷۔ میں ہے تم سن چکے ہو اگلوں سے کیا گیا تو زنا مگر۔ ۲۸ میں تم کو کہتا ہوں کہ جو کوئی شہوت سے کسی عورت پر نگاہ کرے وہ اپنے دل میں اسکے ساتھ زنا کر چکا۔

اس قید شہوت سے وسائل زنا کو روک نہ ہوئی بلکہ ایسی اجازت عام نکل آئی کہ جو بدنیت چاہے نیک نیتی کے بہانہ سے بیگانی عورتوں کو دیکھے اور زنا کا مرتکب ہو۔

اور پولوس اور پطرس حواری نے تو نیک نیتی سے بوسہ کی بھی اجازت دیدی ہے۔ چنانچہ خط رومیوں کے باب ۱۶۔ آیت ۱۶۔ اوّل قرنتیوں کے باب ۱۶۔ آیت ۲۰۔ اور دوم قرنتیوں کی باب ۱۳۔ آیت ۱۲۔ اور نامہ اوّل پطرس کے باب ۵۔ آیت ۱۴۔ میں صاف اجازت و ہدایت ہے کہ تم آپس میں پاک بوسہ لیکے اور محبت کا بوسہ لیکر ایک دوسرے کو سلام کرو۔

اور اس حکم پر مسیائوں کے زن و مرد کا شرقاً و غرباً عمل ہے۔ اور اجنبی مرد و عورتوں میں بوسہ کی رسم جاری ہے۔

اب حاضرین و سامعین اس حکم کا اس حکم قرآن و حدیث سے کہ اپنی نگاہوں کو غیر محل سے بند رکھیں۔ اور ایک نظر اتفاقی بعد دوسری نظر نہ کریں۔ موازنہ کر کی داد انصاف دیں۔ اور کہیں احتیاط اور سد باب زنا کس حکم میں پایا جاتا ہے اس سوال کا جواب امید ہے یہی ملیگا کہ اسلام کے حکم مذکور میں۔

اس مقام میں افسوس کے ساتھ ان بعض مغربی تعلیم یافتہ مسلمانوں کا

ذکر کیا جاتا ہے جو انگلینڈ سے ہو کر آتے ہیں یا انگلینڈ کے حالات سُنکر اسکی تقلید اختیار کر کے اسلام کی موجودہ تعلیم مذکور اور پردہ سسٹم کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اور اپنی پردہ نشین بیبیون کا پردہ اٹھا کر اونکو کُھلے منہ بگھی میں بٹھا کر ہوا خوری کو لے نکلتے ہیں۔ وہ اس حکم کے فلاسفی کو جو بیان ہوی غور و انصاف کی نگاہوں سے دیکھیں اور اپنے خیال کو واپس لیں۔ اور اگر انکے اونچے مکانوں کی کھڑکیوں کے رستہ سے تازہ ہوا پہنچنے کی بابت یوروپ سے ممانعت کا حکم آچکا ہے اور انکو ہوا خوری کے لئے بیبیوں کو باہر لیجانا ناگزیر ہے۔ تو وہ آبادی کی حدود تک گاڑیوں کی کھڑکیاں بند رکھا کریں۔ پھر میدان غیر آباد میں جا کر کھڑکیاں کھولکر اُنکو تازہ ہوا کھلاویں۔

انکے مقابلہ میں بعض جنٹلمین ہند و تعریف کے ساتھ لائق ذکر ہیں جو مغربی تعلیم میں ترقی کرتے ہیں اور اعلی [illegible] تک پہنچتے ہیں تو اپنی مستورات کو اپنی رسم قدیم بے پردگی کے برخلاف پردہ میں بٹھاتے ہیں۔ اور اس رسم میں حکم اسلام کے پیروی کرتے ہیں۔

صاحبان اس حکم نظر و خلوت سے جو محرم مردوں بھائی وغیرہ کو اسلام نے مستثنے کیا ہے تو اس کی وجہ یا (فلاسفی) یہ ہے کہ بُرا خیال اور نفسانی طمع اسی عورت کی نسبت مرد کے دل میں یا برعکس پیدا ہوتے ہیں جسکا جائز طور پر نکاح میں آجانا ممکن ہوتا اور کبھی اسکے خیال میں آتا ہے۔ اور جہاں جائز نکاح کا خیال تک نہیں آتا۔ بلکہ یقین ہو جاتا ہے کہ یہ عورت یا مرد کبھی نکاح میں نہ آئیں گے۔ وہاں وہ یقین اس خیال اور نفسانی طمع سے مانع ہو جاتا ہے۔ اور چونکہ اسلام نے اور ایسا ہی اور مذاہب دنیا نے محارم کو نکاح میں لانا ممنوع قرار دیا ہے۔ لہذا کسی کے (جو کوئی مذہب رکھتا ہو) دل میں محارم

کی نسبت بُرا خیال نہیں گذرتا۔ اسیوجہ سے انکی نظر و خلوت سے منع نہیں کیا گیا اور اوسکو جائز اور اس عام حکم ممانعت سے مستثنےٰ قرار دیا گیا ہے۔

غیر مذہب کی عورتوں سے اور ہیجڑوں سے (باوجودیکہ وہ بذات خود محل فتنہ نہیں ہوتے) کیوں پردہ و احتیاط کا حکم دیا گیا ہے۔

صاحبان! اسکی فلاسفی یہ ہے۔ کہ وہ ان ہدایات و احکام اسلام سے واقف نہیں ہوتیں۔ اور نہ ان اخلاق سے جو اسلام نے سکھائے ہیں متخلق ہوتی ہیں۔ لہٰذا وہ عفیف اور شریف عورتوں کی مواضع زینت کو دیکھیں گے تو ان کی حکائت اجنبی مردوں کے پاس کرینگے۔ اور اجنبی مردوں کے ناجائز حالات ان اشراف عورتوں کے پاس پہنچائینگے۔ اور یہ امر موجب فتنہ اور فساد ہو گا۔ اس احتیاطی حکم اسلام سے ثابت و مفہوم ہوتا ہے کہ فاسقہ و بدکار عورتیں گو مسلمان کہلائیں جیسے بازاری نشستیں کسبیاں [illegible] ان سے بھی شریف عورتوں کو پردہ کرنا مناسب ہے۔

تمثیلات قسم اوّل سے یہی تین مثالیں کافی ہیں۔ حاضرین و سامعین ان ہی تمثیلات پر بقیہ احکام قسم اوّل کو قیاس کرسکتے ہیں۔ اور یقیناً جان سکتے ہیں کہ جملہ احکام اسلام جو قسم اوّل سے ہیں اسطور پر اپنے اندر اسرار و فلاسفے رکھتے ہیں۔

میں دعوے سے کہتا ہوں کہ اسلام میں جسقدر احکام قسم اوّل جوڈیشل (دیوانی فوجداری) پولیٹکل (متعلق انتظام و سیاست ملکی) مارل (اخلاقی) وغیرہ فرمائے گئے ہیں۔ اور ازانجملہ بعض احکام بطور تمثیل اشاعۃ السنہ جلد ۲ کے نمبر ۸ و ۹ میں بیان ہوئے ہیں۔ وہ سب کے سب اسیطرح کے اسرار رکھتے ہیں جو چاہے وقتاً فوقتاً دریافت و سوال کرے اور اسکا جواب لے۔

تمثیلات حصّہ دوم قسم دوم

اب ہم بعض تمثیلات حصہ دوم قسم دوم بیان کرتے ہیں جنکو خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم والبشر نے قبل از وقوع بیان فرمایا۔ اور بعد الوقوع انکو موافق بیان و ارشاد آنحضرت کے لوگوں نے دیکھ لیا۔ اور بعض کو ابتک دیکھا جاتا ہے۔

از انجملہ ایک یہہ مثال ہے جسکو ابتک دیکھا جاتا ہے۔ اور اب بھی اُسکا تجربہ ہو رہا ہے۔ آپ کا بالہام الٰہی نمبر ۲۳ وغیرہ پڑہکر فرمانا ہے۔ کہ آدمی اور جن سب ملکر قرآن کی مثل نہ بنا سکینگے جسکی تفصیل سابق میں بحث ۳ ہو چکی ہے۔ اور اسیوجہ سے اسمقام اس تفصیل کی ضرورت باقی نہیں رہی۔

وازانجملہ آنحضرت کا حفاظت قرآن کی نسبت یہ پیشگوئی کرنا۔ اور

۱۔ انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون (حجر۔ ع ۱)	خدا تعالیٰ کی طرف سے بیان ہے کہ ہم نے قرآن اتارا۔ اور ہم ہی اسکے محافظ

ونگہبان ہیں۔ اسکی تصدیق بھی کس و ناکس کو ہو چکی ہے۔ اور اب بھی ہو سکتی ہے۔ اور یہ پیشگوئی تجربہ و مشاہدہ آچکی ہے۔ اسلام میں یہود و نصارے کی طرح متعدد فرقے اور مختلف ہواءنفس اور خواہشیں پیدا ہو گئی ہیں۔ مگر قرآن کے ایک لفظ یا شوشہ کو کوئی بدل نہیں سکا۔ یہہ لاکھوں سینوں میں محفوظ ہے اور بے شمار صحیفوں میں بغیر کمی بیشی کے مسطور ہے۔

اسکے مقابلہ میں دوسرے مذاہب یہود و نصارے کی کتابیں محفوظ نظر نہیں آتیں۔ اور دنیا بھر میں پائی نہیں جاتیں۔ اس امر کی تفصیل بھی ہمارے مضمون "عصمت انبیاء" میں صفحہ ۲ وغیرہ نمبر ۷ جلد ۱۷ میں ہو چکی ہے۔ لہذا اسمقام میں اس تفصیل کی ضرورت باقی نہیں رہی۔

(۳) واز انجملہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا مکّہ کی نسبت (ایسی حالت قلت سازو سامان و انصار و اعوان میں جسکی نظر سے فتح مکّہ کا گمان نہو سکتا تھا) پیشگوئی کرنا۔ اور خدا تعالے کا یہ

انا فتحنا لك فتحا مبینا (فتح ع۔۱)

فرمان پہنچا ہے تا کہ "ہمنے تجھے کھلی فتح دیدی"۔

صاحبان!۔ یہ پیشگوئی آپ نے ایسے وقت میں کی کہ آپ بڑی قلت اور دشمنوں کی نظر میں بری مذلت کی حالت میں تھے۔ آپ کُل پندرہ سو آدمیوں کی جمعیت سے مدینہ سے کعبہ کی زیارت کو نکلے۔ کفار قریش (جن کے ساتھ بہت سے قبائل عرب بنی قارہ بنی لیس وغیرہ شامل ہوگئے تھے۔ اور وہ شمار میں اس کثرت کو پہنچے ہوئے تھے۔ کہ اس کثرت کے بھروسے بے فکر ہو کر اپنی بیویاں بچے بھی ساتھ لے کر نکلے تھے۔) بمقام حدیبیہ (جو مکّہ کے قریب تھا۔) آکر آپ کو یا [illegible] کے جنگ کو مستعد ہوگئے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اسوقت اُن کا مقابلہ نہ کرسکے۔ اور کفار مکّہ کی اس جابرانہ شرط پر کہ آپ زیارت کعبہ اس سال نہ کریں۔ سال آئندہ کو کریں۔ اور ایسی ہی اور شرطوں پر جنمیں بظاہر مسلمانوں کی ہیٹی اور صریح اہانت ہوتی تھی مصالحت پر راضی ہوگئے۔ حضرت عمر جیسے جری اور تیز اصحاب مودبانہ یہ عرض کرنے لگے۔ کہ ہم اپنے دین کی کیوں ہیٹی کراویں۔ اور کیوں اپنی جانوں کو دین پر قربان نہ کریں۔ مگر آنحضرت نے اُسوقت صلح ہی کرنیکو مصلحت سمجھا۔ اور کفا کی اُن جابرانہ شروط کو مان لیا۔ اور حضرت عمر کو فرمایا کہ "تم جانتے ہو میں خدا کا رسول ہوں۔ میں اسکا گناہ نہیں کرتا"۔ (یعنے اس صلح کو قبول کرنے میں اور ان شروط کو مان لینے میں) جس پر حضرت عمر کو بھی اپنی اس جراٴت پر افسوس ہوا۔ اور اُنہوں نے اس جراٴت کے کفارہ میں کئی اعمال

صالحہ کئے۔ ایسی قلت اور دشمنوں کی نظروں میں مذلت کے وقت میں آپ نے وہ پیشگوئی کی۔ جو فتح مکہ کے سال پورے ہوئے۔ جب آپ نے انہی اقوام کی مقابلہ میں بارہ ہزار کی جمعیت سے چڑہائی کی۔ اور بحسب شہادت پیشگوئی مذکور فتح پائی۔ یہ حالات صحیح بخاری کے صفحہ ۲۸۸ - ۵۹۸ - ۶۰۰ - ۶۱۲ وغیرہ میں اور دیگر کتب تواریخ میں بیان ہوئے ہیں۔

اقوام غیر کے لوگ ان تفاصیل کو نہ مانیں۔ تو اس قدر کے تسلیم کرنے میں انکو بھی شک و انکار کی گنجائش نہیں ہے۔ کہ آنحضرت قلت وضعف کے سبب مکہ سے نکالے گئے تھے۔ پھر اسی حالت قلت و غربت و ہجرت میں آپنے یہ پیشگوئی کی۔ اور اسکے مطابق مکہ پر فتح پائی۔

اسقدر کی اقوام غیر کی کتب تواریخ بھی تصدیق کرتی ہیں۔ اور انکو اس سے شک و انکار کی اجازت نہیں دیتیں۔

(۴) اور ایکدفعہ آنحضرت نے روم کی فارس پر چند سال کے بعد غالب ہونے کی پیشگوئی کرنا ہے۔ اور بالہام الٰہی فرمانا۔ کہ (اب تو) رومی فارس کے مقابلہ میں مغلوب ہو گئے ہیں۔ مگر چندہی سال کے بعد (جن کی میعاد تین سے نو تک ہے۔) وہ ان پر غالب آئیں گے۔

> غلبت الروم فی ادنی الارض
> وھم من بعد غلبھم سیغلبون
> (روم - ع ۱)

صاحبان! یہ پیشگوئی بھی آنحضرت نے ایسے وقت میں کی تھی جبکہ فارس نے روم پر کروفر شان وشوکت سے فتح پائی تھی۔ اور اسوقت کوئی دلیل اور نشانی اس امر کی کہ روم کو سات سال کے عرصے میں فارس پر فتح نصیب ہوگی۔ بجز الہام الٰہی آپ کے پاس نہ تھی۔ اور نہ اس زمانے میں ایک

ملک کے پولٹیکل اندرونی حالات دوسرے دور دراز کے ملکوں میں پہنچنے کی وسائیل (اخبارات ٹیلیگراف ڈاک وغیرہ) موجود تھے جواب موجود ہیں۔ اور نہ آنحضرت اور آپ کے جماعت اصحاب واحباب اس قسم کا علم ومعلومات رکھتے تھے۔ جن کی نظر سے کوئی کہہ سکے۔ کہ آپ نے اندرونی حالات دونو سلطنتوں سے قیاس اور اندازہ کر کے یہ پیشگوئی کی تھی جسکی میعاد بھی نوسال تک مقرر کردی تھی۔

یہ پیشگوئی آپ نے محض الہام الٰہی سے کی۔ اور اس پیشگوئی کے ساتویں سال روم کو فارس پر فتح نصیب ہوئی۔

جس دن روم کو شکست اور فارس کو فتح ہوئی تھی اس دن مکہ کے مشرکوں نے جو فارسی مجوسیوں کی بت پرستی میں شریک اور بھائی تھے۔ بڑی خوشی منائی اور مسلمانوں کو یہ بات کہی کہ آج ہمارے بھائیوں بت پرست فارسیوں کو رومیوں پر جو تمہارے اہل کتاب بھائی ہیں فتح حاصل ہوئی کل کو تم لوگ ہم سے لڑوگے تو ہم بھی تمپر فتح اور غلبہ پائینگے۔ ان کی یہ باتیں سُنکر مسلمانوں کو بڑا رنج وافسوس ہوا جبپر قرآن کی اس آئت کا نزول ہوا۔

قرآن کی یہ پیشگوئی سُنکر حضرت ابو بکر نکلے اور کفار قریش کو بولے۔ کہ تم خوشیاں نہ مناؤ۔ خدا کی قسم ہے رومی فارسیوں پر غالب ہوجائینگے۔ ہمارے بنی نے ہم کو اس امر کی بشارت دیدی ہے۔

اُبی بن خلف رئیس المشرکین بولا تم (اے ابو بکر) جھوٹ کہتے ہو۔ آپ نے فرمایا تو (اے دشمن خدا) جھوٹا ہے۔ اس نے کہا اے ابو بکر تو ایک میعاد مقرر کردے میں اُسپر شرط لگاونگا۔ آپ نے لفظ بضع (چند) کی ادنے حد کی نظر سے تین سال کی میعاد مقرر کردی۔ اور جھوٹے سے دس اونٹ لے لینے کی شرط مان لی۔ پھر

جب آپ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس جاکر یہ عرض کی تو آپ نے اس خیال سے کہ لفظ بضع کا اطلاق (عرب میں) تین سے نو تک ہوتا ہے۔ (و بقول اصمعی دس تک) حضرت ابوبکر سے فرمایا کہ آپ جائیں اور میعاد کو بڑھائیں۔ اور اس کے ساتھ شرط اونٹ کی بھی زیادہ کردیں۔ آپ گئے اور زیادتی میعاد کے خواہشگار ہوئے۔ تو ابی بن خلف بولا کہ اَب تو دعوے سے پچتایا ہے۔ آپنے کہا میں اپنے دعوے سے نہیں پچتایا۔ میں صرف میعاد زیادہ کرنا چاہتا ہوں پس آپ نے میعاد نو سال تک اور بقول بعض سات سال تک مقرر کی۔ اور اونٹ شرط کے سو تک بڑھا دئے۔ پھر جب ساتواں سال ہوا۔ تو روم نے فارس پر غلبہ پایا۔ اس عرصے میں ابی بن خلف فوت ہو چکا تھا۔ مگر حضرت ابوبکر نے شرط کے سو اونٹ اسکے وارثوں سے لے لئے۔ آنحضرت نے انکو یہ حکم دیا۔ کہ وہ ان اونٹوں کو خیرات کر دیں۔ یعنے اپنے کام میں نہ لاویں۔ جسکی وجہ علمائے اسلام یہ بیان کرتے ہیں کہ وہ ایک قسم کے قمار سے حاصل ہوئے تھے۔ گو اسوقت قمار کی صریح ممانعت نہ ہوئی تھی۔ یہ حالات اسلامی تفاسیر تفسیر معالم التنزیل میں اور تفسیر بیضاوی میں بصفحہ ۲ ۵ ۱ جلد ۲ ہے۔ اور تفسیر کشاف میں بصفحہ ۱۰۸۷ جلد ۲ بیان ہوئے ہیں۔ اور کتب حدیث تاریخ بخاری اور افراد دارقطنی۔ اور دلائل النبوۃ ابی نعیم۔ اور شعب الایمان بیہقی میں۔ اور جامع ترمذی میں بصفحہ ۶۸ جلد ۲

والآیۃ من دلائل النبوۃ لانہا اخبار عن الغیب۔ (تفسیر بیضاوی صفحہ ۱۵۲۔ جلد ۲۔)	بیضاوی میں ہے کہ یہ آیت آنحضرت کی نبوت کی دلیل ہے۔ کیونکہ اس میں غیب سے خبر دینا پایا جاتا ہے۔
وھذہ الآیۃ من الآیات البینۃ الشاھدۃ علی صحۃ النبوۃ وان القران	کشاف میں ہے یہ آیت آنحضرت کی نبوت پر صاف گواہ ہے۔ اور اسپر کہ

قرآن خدا کی طرف سے ہے۔ کیونکہ اس میں علم غیب کی خبر پائی جاتی ہے جسکو بجز خدا کوئی نہیں جانتا۔	من عند اللہ لانہا انباء عن الغیب الذی لا یعلمہ الا اللہ (کشاف صفحہ ۱۰۰۸۔ جلد ۲۔)

ان تفاصیل کو بھی اقوام غیر کے لوگ نہ مانیں۔ تو اس قدر انکو ضرور ماننا پڑے گا کہ قرآن میں ایسے وقت میں جبکہ رومی مغلوب تھے چند سال کی میعاد کے اندر جو نو سے متجاوز نہ ہو۔ ان کے غالب ہونے کی خبر دی۔ اور وہ میعاد کے اندر پوری ہو گئی۔

اگر وہ میعاد کے اندر پوری نہ ہوتی۔ تو قرآن کے مخالف جو کثرت سے تھے اسکی شہرت کرتے۔ اور وہ تواریخ مخالفین میں منقول ہوتی۔ کسی مخالف نے اسکے برخلاف عدم وقوع کا دعویٰ نہیں کیا۔ تو گویا ان سب نے اس پیشگوئی کا اپنے وقت پر وقوع مان لیا۔

اس پیشگوئی سے متعلق ایک یہ امر لائق ذکر و بیان ہے کہ قرآن میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس پیشگوئی کی وہ خاص میعاد سات سال کی جس میں وہ واقعہ ہوئی۔ کیوں مقرر و معین نفرمائی جس سے پورا اعجاز متصور تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سات سال کی میعاد دو کی میعاد تھی۔ اسکو ایسے لفظ بضع (چند) سے تعبیر کیا جس سے سچے طور پر اسکے قریب ہونے کا خیال بھی پیدا ہوتا تھا۔ اور ایک امر بعید کو قریب بتانے سے دوستوں کو امید اور دشمنوں کو خوف پیدا ہوتا ہے۔ تین برس کے بعد دوستوں مسلمانوں کو امید خوشی شروع ہو گئی۔ کہ اب روم کو فتح ہوتی ہے۔ اور دشمنوں کو خوف و فکر ہو گیا۔ کہ دیکھئے ہم آج جھوٹے ہوتے ہیں یا کل ہوتے ہیں۔ سات سال پہلے سے مقرر کئے جاتے تو مسلمان دست درازی مدت سے متفکر ہوتے۔ کہ دیکھئے کب سات برس گذرتے ہیں۔ اور وہ دن (فتح کے)

نظر آتے ہیں۔ اور کافر بے فکر ہو جاتے۔ کہ سات برس تو دور ہیں۔ ایک رات کا فاصلہ ہو۔ تو بھی بلا سے نہ ڈرنا چاہیئے۔ ع ترس از بلا کہ چو شب در میان است*

لہذا سات برس کی میعاد خاص نہ بتائی گئی۔ بلکہ لفظ بضع بول کر ایسے طور سے میعاد بتائی گئی۔ جسکی تین برس کے بعد ہر وقت دوستوں کو توقع اور دشمنوں کو خوف رہے۔ لفظ بضع کے سوا اگر عرب میں کوئی ایسا لفظ ہوتا۔ جسکا اطلاق تین سے سات تک ہوتا تو وہی لفظ اختیار کیا جاتا۔ جس سے اور بھی قرب مفہوم ہوتا۔ مگر ایسا لفظ اور کوئی نہ تھا۔

یہ وجہ اسلامی تفسیروں فتح البیان و تفسیر کبیر وغیرہ میں بیان کی ہے۔ اور تفسیر کبیر میں ایک یہ وجہ بھی بیان کی ہے۔ کہ مدت خاص معین کرنے میں احتمال تھا کہ مخالفین اس واقعہ کے وقت وقوع میں اختلاف ڈال دیتے۔ اور اسکی نسبت جھوٹی خبریں مشہور کر [illegible] انکار کرنا ممکن تھا کسی واقعہ کے وقوع کے بعد جس کی خاص میعاد نہ بتائی جائے، کسی مخالف کو بھی انکار اور شبہ کی گنجائش نہیں ہوتی۔

(۵) واز انجملہ۔ آپ کی یہ پیشگوئی ہے۔ کہ خدا تعالے نے آپ کی حفاظت اپنے ذمہ لی۔ اور یہ بات فرما دی ہے۔ کہ خدا تجھے لوگوں سے بچائیگا

والله یعصمک من الناس (پ۶ سورہ ۵ ع۱۰) یعنے کوئی دشمن آپ کی جان کو نقصان نہ پہنچائے گا۔

آنحضرت اوائل میں اپنی حفاظت کے لئے پہرہ رکھوایا کرتے۔ جیسے اسوقت کے سلاطین باڈی گارڈ (حفاظت جان کا پہرہ) رکھواتے ہیں جب یہ آیت اتری تو آپ نے پہرہ اٹھوا دیا۔ اور صاف فرمایا کہ اب اللہ تعالے نے میری حفاظت کو اپنے ذمے لے لیا۔ یہ حال جامع ترمذی کی کتاب التفسیر میں بصفحہ ۱۴۶

جلد ۲ بیان ہوا ہے۔ اور ایسا ہی تفاسیر اسلام معالم تفسیر کبیر۔ بیضاوی وغیرہ میں ہے
اور اسکی تصدیق آنحضرت کے زمانہ میں کئی دفعہ ہو چکی ہے۔

ایک دفعہ آنحضرت اپنے ایک سفر میں اپنے اصحاب سے علیحدہ ہو کر ایک درخت کے نیچے سوئے تھے۔ آنکھ کھلی تو کیا دیکھتے ہیں۔ کہ ایک مشہور بڑا بہادر جنگلی (دعثور نام) تلوار کھینچے ہوئے آپ کے سامنے کھڑا۔ اور یہ کہہ رہا ہے۔ کہ بتا تجھے مجھسے کون بچاویگا۔ آپ نے فرمایا اللہ۔ اس کہنے پر اُسکے ہاتھ سے تلوار گر گئی اور آپ نے اٹھالی۔ اور اس سے پوچھا بتا اب تجھے مجھسے کون بچائے گا۔ اس نے کہا کوئی نہیں۔ تب آنحضرت نے اس سے درگذر کیا۔ اور یہ امر اس شخص کے اسلام کا باعث ہوا۔ وہ صاف بول اٹھا اشھد ان لا الٰہ الا اللہ و اشھد انك رسول اللہ

ایک دفعہ آنحضرت کو خیبر کی یہودی عورت نے بکری کے گوشت میں زہر ڈالکر کھلادی جس سے آپ کے ساتھی بشر بن براء شہید ہو گئے۔ پر آپ کی جان خدا تعالےٰ نے بچالی۔

یہ حالات اور ایسے ہی اور بہت سے حالات صحیح بخاری وغیرہ کتب حدیث میں منقول ہیں۔ اور بعض اشاعۃ السنہ جلد دوم کے نمبر ۱۱ میں بھی تفصیل مرقوم ہیں۔ طالب تفصیل ان کتابوں کو ملاحظہ کریں۔

قرآن مجید میں اس قسم کی پیشگوییاں اور بہت ہیں۔ مگر بنظر اختصار ان ہی پانچ کی نقل و بیان پر اکتفا کیا گیا۔

کتب احادیث میں اس قسم کے واقعات جن کی نسبت آنحضرت نے پیشگوئیاں کیں۔ اور وہ آنحضرت کے زمانے میں اور اس کے بعد آپکے ارشاد کے موافق وقوع میں آگئیں۔ بہت کثرت سے پائی جاتی ہیں۔ از انجملہ

سولہ واقعات کی تفصیل اس اشاعۃ السنہ نمبر ۱۱ جلد ۲ میں دیکھو۔[۱]

[۱] اسمقام میں ان واقعات کا خلاصہ نقل کیا جاتا ہے۔

(۱) جسدن حبشہ (ابی سینیا) کا بادشاہ حبشہ میں فوت ہوا۔ اسیدن آنحضرت نے اسکے فوت ہونے کی خبر دی اور اسپر غائبانہ نماز جنازہ پڑہی۔ (با وجودیکہ حبشہ سے مدینہ میں ایک دن کے اندر خبر پہنچنے کی کوئی سبیل (تار برقی وغیرہ) ان دنوں موجود نہ تھی۔ اور اس خبر کی انہی دنوں میں تصدیق ہو گئی۔

(۲) کفار مکہ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اقربا و بنی ہاشم و بنی مطلب سے لین دین وغیرہ معاملات ترک کرنے کا باہم معاہدہ کیا۔ اور اس مضمون کا ایک وثیقہ لکھ کر کعبہ کے اندر چھت میں لٹکا دیا۔ اور تین سال اسپر عملدرآمد رہا۔ بنی ہاشم و بنی مطلب کعبہ چھوڑ کر ایک میدان میں جا بسے۔ آخر خدا تعالےٰ نے اس وثیقہ پر ایک کیڑا مسلط کیا [illegible] صرف خدا کے نام کو اسمیں رہنے دیا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بالہام الٰہی اسپر اطلاع پائی۔ اور اس حال کی اپنے چچا ابو طالب کو خبر دی۔ ابو طالب نے کفار قریش سے یہ شرط مانکر کہ اگر یہ خبر جھوٹی نکلے۔ تو میں اپنے بھتیجے کو تمہارے حوالے کر دونگا۔ وہ وثیقہ کھلوا کر دیکھا۔ تو اسکو ویسا ہی پایا۔ جس پر قوم قریش نادم ہوئے اور بنی ہاشم اور بنی مطلب اپنے مکہ کے گھروں میں آ بسے۔

(۳) آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے عدی بن حاتم سے کہا۔ کہ اگر تو زندہ رہا تو دیکھے گا۔ کہ اکیلی عورت حیرہ سے (کوفے کے قریب تھا) کعبہ تک چلی جائے گی۔ جو بجز خدا کسی سے نہ ڈرے گی۔ عدی نے اسوقت دل میں کہا کہ بنی طی کے ڈاکو و بدمعاش کہاں چلے جائینگے۔ پھر۔ اس خبر کا وقوع بچشم خود دیکھ لیا۔ اور اسکو تصدیق کیا۔

صاحبان! - آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا اس قسم کے واقعات کے متعلق جنکو انسان اپنی عقل اور حواس وغیرہ معمولی اسباب سے پہنچ نہیں سکتا - صدہا پیشگویاں کرنا - اوران سب کی سب پیشگوئیوں کا موافق بیان آنحضرت کے سچا نکلنا

بقیہ صفحہ (۳۴۹)

(۴) آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرقہ خوارج سے ایک شخص کی خبر دی جسکے بازو سے نیچے ایک ہاتھ نہ ہوگا - اور اس بازو کی ایسی صورت ہوگی جیسے عورت کا پستان ہوتا ہے - ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں لڑنے والوں کی لاشوں میں ایسا شخص پایا -

(۵) آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد اپنے اہلبیت میں سے سب سے پہلے حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی موت کی خبر دی جو ویسی ہی وقوع میں آئی -

(۶) [illegible] ازواج مطہرات میں سے سب سے پہلے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی موت کی خبر دی جو ویسی ہی وقوع میں آئی -

(۷) آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک دور کی لڑائی میں چار شخصوں کی بترتیب فوت ہونے کی خبر دی - تو اس کے موافق وقوع کی خبر آگئی *

(۸) ایک لڑائی میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک بہادر مسلمان لڑنے والے کے دوزخی ہونے کی خبر دی اسکی تصدیق اسوقت یوں ہوگئی کہ اُسنے بہت سے زخم کھا کر خودکشی کرلی - جو بحکم اسلام دوزخی ہونے کا ایک سبب ہے *

(۹) آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے سبب دو جماعت مسلمانوں میں صلح واقعہ ہونے کی خبر دی - جسکی تصدیق یوں ہوئی کہ امیر معاویہ اور اسکے مقابل لشکر میں صلح ہوگئی -

(۱۰) آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمار کے باغیوں کے ہاتھ سے

بقیہ حاشیہ بر صفحہ (۳۵۱)

تجربہ کرنے والوں کو یقین دلاتا ہے۔ کہ آنحضرت ادراک حقایق کے معمولی اسباب علم کے علاوہ الہام الٰہی بھی ذریعہ رکھتے تھے۔ جسکے وسیلے سے آپ یہ پیشگویاں کرتے۔ اور ان میں صادق نکلتے۔ ان پیشگویوں کی بہت سے لوگوں نے مشاہدہ کر کے تصدیق کی۔

قتل کئے جانے کی خبر دی جو وقوع میں آگئی۔

(۱۱) آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے یزید وغیرہ کا ظالمانہ امرا و بنی امیہ کی انکی صفت و حالت کے بیان سے خبر دی تھی۔ جو ویسی ہی وقوع میں آگئی۔

(۱۲) ایک عیسائی کے مرتد ہو جانے پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے خبر دی تھی کہ جب یہ مریگا۔ اور دفن کیا جائے گا۔ تو زمین اسکو باہر پھینک دے گی۔ چنانچہ ایسا ہی وقوع میں آیا۔

(۱۳) آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حجاز سے ایک آگ نکلنے کی خبر دی تھی جس سے بصری (شہر) میں اونٹوں کی گردنوں پر روشنی پڑے۔ یہ آگ ۶۵۴ھ ہجری میں ظاہر ہوئی۔ اور کتب تواریخ میں اسکی تصدیق موجود ہے۔

(۱۴) آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے معراج میں بیت المقدس تک رات میں جانے کی کفار مکہ کو خبر دی۔ تو انہوں نے آپ سے ایسی چیزوں کے پتہ پوچھے جو رات کے وقت آپ کو نظر نہ آئیں تھیں۔ جس پر خدا تعالے نے بیت المقدس کا قدرتی فوٹو آپ کے سامنے رکھدیا۔ جس سے آپنے جو کچھ کفار مکہ نے پوچھا۔ بتایا اور درست نکلا۔

(۱۵) آپنے ترکی کافروں سے مسلمانوں کے مقابلہ کی خبر دی۔ اور اسکے تفصیل حالات بتائے۔ جو ۶۵۶ھ ہجری میں پوری ہوئی۔

(نقل شفا قاضی عیاض صفحہ ۲۰۳)

(تفہیمات شیعہ جز ۲ صفحہ ۳۵۲)

اُن پیشگوئیوں کی شہادت سے آپ خدا کی طرف سے ملہم رسول تسلیم کئے جاتے تھے۔ اور اب تک بھی تسلیم کئے جاتے ہیں۔

اس مقام میں شائد نئے تعلیم یافتہ یہ اعتراض کریں کہ اس قسم کی پیشگوئیاں قدیم سے۔ اور اسوقت علم جفر۔ رمل۔ جوتشی نجوم والے۔ اور مسمریزسٹ (مسمریزم جاننے والے۔ اور انکا عمل کرنے والا) سائنٹیفک میں (سائنس جاننے والے) سپرچوئلسٹ (روحانیات کی تسخیر و حاضرات کا علم و عمل رکھنے والے) کرتے ہیں

بقیہ حاشیہ صفحہ (۳۵۱)

(۱۶۱) آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے دجال موعود کی خبر دی۔ جسکو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے وقت میں ایک جماعت نے مشرقی جزیرے میں دیکھا اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے انکے بیان پر اپنی اس خبر کے صدق کا اظہار واثبات فرمایا۔

صاحبان! یہ حالات اگرچہ اکثر روایتی اور کتابی حالات ہیں جنکو ان کتابوں کے ماننے والے ہی مانتے ہیں۔ مگر بعض ان میں ایسے ہیں۔ جن کو ان کتابوں کے منکر بھی (اگر وہ انصاف کریں۔ یعنے ان خبروں کو ان کتابوں میں دیکھیں۔ پھر ان کا وقوع خارجاً۔ اور تواریخ کی شہادت سے دریافت کریں) تصدیق و تسلیم کر سکتے ہیں۔

علاوہ بریں ہم ایسے لوگوں کے لئے آنحضرت کا زندہ اور دائمی معجزہ آپکی تعلیم قسم اوّل بیان کر چکے ہیں جسکا امتحان و مشاہدہ ہر وقت ان کے لئے ممکن اور حاصل ہے۔ اس تعلیم کے ساتھ ایسے واقعات اور روایات کتابی کا پیش کرنے کی بھی گنجائش ہے۔ اور ہمارا حق ہے۔

اور وہ سچی نکلتی ہیں۔ کیا وہ بھی ملہم اور رسول کہلانے کے مستحق ہیں؟

اسکا جواب یہ ہے۔ کہ یہ لوگ اپنی پیشگویوں کی نسبت خود معترف ہیں کہ وہ معمولی اسباب وعلوم کے ذریعے سے ہوتے ہیں۔ جنکی تعمیل میں کبھی غلطی بھی ہو جاتی ہے۔ اور اسوجہ سے انکے بعض پیشگویاں غلط بھی نکلتی ہیں۔ یہ امر نہ کسی کے انکار کا محل ہے۔ نہ لائق بحث وثبوت۔ برخلاف ان پیشگویوں کے جو انبیاء علیہم السلام کر گئے ہیں۔ انمیں سے ایک بھی جھوٹی نہیں نکلتی۔ اور جس شخص کی منجملہ لاکھ پیشگویوں کے ایک پیشگوئی بھی جھوٹی نکلے وہ خدا کی طرف سے ملہم اور رسول نہیں ہے۔ یہی صدق وکذب انبیاء علیہم السلام کی پیشگویوں اور ان علوم کے جاننے والوں کی پیشگویون میں فارق ہے۔ جو شخص اس فارق کو تسلیم نہ کرے وہ کم سے کم آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ایک پیشگوئی کو جو بسند صحیح آپ سے ثابت ہو اور باینہمہ وہ سچی نہ نکلی ہو بیان کرے۔ اور اسکا صادق ہونا باطل کر دکھائے؟

اس قسم کی تمثیلات وتنظائر حصہ اول قسم دوم اور تمثیلات وتنظائر قسم اول نے جنکا انسانی عقل نے امتحان کر لیا اور ان کے متعلق تعلیمات انبیاء کو حق اور مطابق واقعہ پایا۔ اور اپنے اندر اس سے بڑھ کر۔ بلکہ اسکی مثل تعلیمات کا حوصلہ نہ پایا۔ تو انسانی عقل کو یقین ہو گیا۔ کہ جس حصہ دوم قسم دوم تعلیمات انبیاء کا امتحان انسانی عقل سے ناممکن اور اوسکی طاقت سے خارج ہے اس حصہ میں بھی انبیاء مصیب اور حق پر ہیں۔ اور وہ روحانی ڈاکٹر اور ایمانی طبیب ہیں انکی ایسی باتوں کو بھی مان لینا چاہیئے۔ جو انسانی عقل میں نہ آئیں۔ جیسے جسمانی ڈاکٹروں حکیموں صرافوں کی ایسی باتوں کو تمام لوگ مان لیتے ہیں۔ جنکے سمجھنے کی اونکو استعداد نہیں ہوتی۔

یہی ہمارا دعوے تھا۔ جو صفحہ ۷۸ وغیرہ میں ہمنے کیا۔ اور خدا کے فضل

اور تعریف سے اسکا کافی ثبوت دیدیا۔ الحمد للہ علی ذلک۔

صاحبان! ۔ اسی حصہ دوم قسم دوم تعلیمات انبیاء نے جمہور اہل مذاہب کے دلوں میں مذاہب کی عظمت کو قائم رکھا ہے۔ اور اسی کا قبول کرنا اور مان لینا کمال تسلیم وتصدیق کہلاتا ہے۔ جس سے دنیا میں مذہب کی بناء قایم ہے۔ اور قائم رہے گی۔ صرف حصہ اول قسم دوم یا قسم اول تعلیمات کو اُنکا امتحان کر لینے اور موافق عقل ومطابق واقعہ پانے کے بعد مان لینا بڑی بہادری اور کمال تسلیم و پیروی نہیں ہے۔ بلکہ سچ پوچھو۔ تو اس قسم کی تعلیمات کو سمجھ لینے کے بعد مان لینا اور اُن کی پیروی کرنا۔ درحقیقت اپنے عقل کی پیروی کرنا ہے۔ جو سیلف گورنمنٹ (اپنی سرکار) کی پیروی کہلاتی ہے۔ اور وہ اوپشنل (اختیاری) پیروی ہوتی ہے۔ جب کسی بات کی عقل نے اجازت دی تو پیروی کی۔ اور جب کسی بات کو عقل نہ پہنچی تو اس نے اپنے متبوع کو سلام کیا۔ اور اس کی پیروی سے دست بردار ہو گئے۔

یہی وجہ ہے۔ کہ جو لوگ صرف تعلیمات مذاہب کی قسم اول اور حصہ اول قسم دوم کی پیروی کرتے ہیں وہ مذاہب کے پورے پابند نہیں ہیں۔ وہ جس بات کو اپنی عقل کے موافق نہیں پاتے۔ اسکو بعضے صریح انکار سے اور بعضے تاویل سے رد کر دیتے ہیں۔ اور انکا مذہب بہت شارٹ (مختصر) اور چھوٹا ہوا مذہب ہوتا ہے۔ ایسا مذہب دیرپا نہیں ہوتا۔ اور جلد جلد بدلتا رہتا ہے۔ اور اسکا اثر ونتیجہ وہ ہرگز ظاہر نہیں ہوتا۔ جو بانیان مذہب یعنے خدا تعالے اور اسکے رسولوں کو مذہب سے مدنظر ہوتا ہے۔ اور جو کچھ ظاہر ہوتا ہے وہ برائے نام بہت ہی کم ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ قاعدہ ہے۔ کہ انسان اپنے ہم مرتبہ اور اپنے برابر کی ایسی پیروی نہیں کرتا جیسی اپنے سے برتر کی پیروی کرتا ہے۔ اور اپنے

سے برتر ہونے کا اعتقاد انبیاء کی نسبت اسی حصّہ دوم قسم دوم تعلیمات سے پیدا ہوسکتا ہے۔ جنکو انسانی عقل پہنچ نہیں سکتی۔ اسوجہ سے خداتعالے نے ان بندوں کی جو حصہ دوم قسم دوم کی آیات کو (جو اسلام میں متشابہات کہلاتی ہیں) بلا تاویل مان لیتے ہیں۔ تعریف کی اور ان کے صاحب عقل ہونے کی شہادت دی ہے۔ اور اس حصّے میں تاویل کرنے والوں کی مذمت کی ہے۔ اور انکے دل کی کجی ظاہر فرمائی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے۔ اللہ وہ ہے جس نے تجھ پر

وھو الذی انزل الیك الکتاب منه اٰیات محکمات ھن ام الکتاب واخر متشابھات فاما الذین فی قلوبھم زیغ فیتبعون ما تشابه منه ابتغاء الفتنة وابتغاء تاویله وما یعلم تاویله الا الله والراسخون فی العلم یقولون اٰمنا به کل من عند ربنا وما یذکر الا اولوا الالباب (آل عمران - ع ۱-)

یہ کتاب اتاری ہے جس کی بعض آیات واضح المراد ہیں۔ (جنکو ہر کوئی سمجھ سکتا ہے) اور بعض متشابہات ہیں (جنکی حقیقت وکیفیت کو کوئی نہیں سمجھ سکتا ہے) جنکے دلوں میں کجی ہے وہ ان متشابہات کے درپے ہوتے ہیں گمراہی اور اسکی تاویل چاہنے کو۔ حالانکہ انکی تاویل بجز خدا کوئی نہیں جانتا۔ اور جو علم (وایمان) میں مضبوط ہیں وہ کہتے ہیں۔ ہمنے سب کو مانا ہے۔ یہ سب آیات خدا کی طرف سے ہیں۔ اسبات کو وہی سمجھتے اور مانتے ہیں جو صاحبان عقل ہیں۔

قرآن کی شارح حدیث نبوی میں صاف تصریح آچکی ہے۔ کہ جو لوگ

واذا رایتم الذین یتبعون ما تشابه منه فاولئك الذین سماھم الله فاحذروھم متفق علیه (مشکوۃ صن۲)

متشابہات کے پیچھے لگتے ہیں۔ یعنے انکو پھیر پھار کر اپنی خواہش کے موافق کرتے ہیں۔ وہ کجی والے ہیں۔ جنکا

نام خدا نے کبھی دل لے رکھا ہے۔

ایسے لوگ مذہب میں ایسے ہوتے ہیں جیسے کوئی لامذہب۔ اور وہ تعلیمات قسم اول و حصہ اول قسم دوم میں بھی جو چاہتے ہیں تاویل کرکے انکو ٹلا دیتے ہیں بلکہ جملہ احکام مذہبی کو ہنسی میں اڑاتے ہیں۔ مسلمان کہلاتے ہیں۔ مگر نماز کو ایک حرکت خلاف وضع فطرت سمجھتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ کہ سر کو نیچے اور چوتڑوں کو اونچا کرنا کیسی نامعقول حرکت ہے۔ ایسے لوگ لنڈن کا حج تو کر آتے ہیں مگر کعبہ کی زیارت اور حرم شریف کے طواف کو فضول سمجھتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ اس چوکھونٹے گھر کے اردگرد پھرنے سے کیا ہوتا ہے۔ کیا گدھے اور اونٹ اسکے گرد نہیں پھرتے۔ وعلی ہذالقیاس۔

ان کے ان خیالات و مقالات کا منشاء و منبع یہی ہے۔ کہ انہوں نے مذہب کے ہادیوں کو ایک معمولی انسان سمجھا ہے اور انکی تعلیمات کو انسانی عقل کی معمولی تعلیمات۔ اور جو امر انکا مافوق العقل اور غیر معمولی معلوم ہوا اسکو انہوں نے پھیر پھار کر اور اسمیں تاویلات بہم پہنچا کر معمولی بنا لیا۔ اسطور سے مذہب کو انہوں نے معمولی عقل انسانی کا نتیجہ قرار دیا۔ اور اوسکی تعلیمات کو مافوق العقل ہونے سے نیچے درجے میں لاکر انکے ہادیوں کو اپنے مساوی درجے کا ایک عقلمند یا ریفارمر بنا لیا۔ اسوجہ سے ان کے دلوں میں مذہب کی عظمت کا سکہ نہ جما اور اسکی تعلیمات کا اثر دائمی و لازمی ان پر نہ ہوا۔

وہ کبھی نیک عمل کو (جسکے نیک ہونے کی عقل نے شہادت دی) عمل میں لاتے ہیں۔ یا کسی بدعمل سے (جسکو عقل برا کہے) بچتے ہیں۔ تو نہ کسی قسم کے طمع ثواب یا خوف مواخذہ اخروی سے۔ بلکہ صرف اس خیال سے کہ عقل اس کی اچھے یا برے ہونے کی ہدائت کرتی ہے۔ اور ان کے نیچر کا یہ مقتضا ہے۔ کہ وہ

اسمیں عقل کا اتباع کریں۔ پھر جب انکی عقل عکس کی مجوز ہو جاتی ہے یعنے اس نیک کو بد اور بد کو نیک قرار دیتی ہے تو انکے نیچر کا مقتضا بھی بدل جاتا ہے۔ اور اس عمل کا عکس ان سے ظہور میں آتا ہے۔ غرض انکا مذہب اور انکا ایمان تزلزل کی حالت میں رہتا ہے تجویز عقل کے بدلنے سے وہ بھی بدلتا رہتا ہے۔ اور جملہ حقوق الہی و بندگان الہی کے پورا کرنیمیں بھی انکا یہی حال رہتا ہے۔

ان کے مقابلہ میں جو لوگ تعلیمات حصہ دوم قسم دوم کی نسبت کامل یقین اور ایمان رکھتے ہیں اور انکو تعلیمات قسم اوّل اور حصہ اوّل قسم دوم کی شہادت اور نظر سے بغیر کسی جدید امتحان اور تحقیق کے مان لیتے ہیں۔ وہ اپنے مذہب میں بڑے پکے اور ثابت قدم رہتے ہیں۔ وہ اپنے مذہب کی ہر بات اور ہدائت کو اگرچہ انمیں سے بعض کی حقیقت انکی سمجھ میں نہ بھی آئے بدل مانتے ہیں۔ اور نامعلوم الحقیقت والکیفیت باتوں کو مافوق العقل سمجھ کر [illegible] ہیں۔ اور وہ اپنی تمام مدت العمر کے لئے مذہب کی پابندی کو شرط نجات اور ایسا موجب ابدی حیات سمجھ لیتے ہیں جیسے جیتے جی بہشت میں جا بسنا۔ اور ان احکام اور ہدایات کی مخالفت و انکار کو مانع نجات اور ایسا موجب ہلاکت دائمی جان لیتے ہیں جیسے جیتے جی آگ میں پڑ کر جل جانا۔

اسکی فلاسفی یہ ہے کہ قسم دوم حصہ دوم تعلیمات مذہب نے انکو جزا و سزاء کے تفاصل بہشت اور دوزخ کی نعیم و آلام کا یقین دلا دیا ہے۔ اور اس عالم دنیاوی اور اسکے ظاہری اسباب و وسائل کے علاوہ دوسرے عوالم برزخ اور حشر و نشر اور اسکے اسباب و وسائل (ملائکہ وغیرہ) کا اعتقاد انکے دلوں میں ایسا جما دیا ہے جیسے ظاہری اور معمولی اسباب کا پہلی قسم کے لوگوں کو ہے۔ وہ نیک کام کو عمل میں لاتے یا بُری کام سے پرہیز کرتے ہیں۔ تو اخروی ثواب کی امید اور مواخذہ کے خوف سے کرتے ہیں۔ جو ہر وقت انکا دامنگیر رہتا ہے۔ اور کبھی انکو بدلنے نہیں دیتا۔ جبتک کہ

وہ زندہ رہیں اور مذہب کو نہ چھوڑ دیں۔ انکے اس خوف وطمع کی خدا تعالیٰ آیات منقولہ

یدعون ربھم خوفا وطمعا۔ (السجدہ ع ۲) یرجون رحمتہ ویخافون عذابہ (بنی اسرائیل ع ۵)	حاشیہ میں تعریف کرتا ہے اور اس پر خوشی ظاہر فرماتا ہے۔

الحق مذہب دنیا میں انہی لوگوں کے وجود سے قایم ہے۔ یہی لوگ خدا کے حقوق پہچانتے اور ادا کرتے ہیں۔ اور یہی بندوں کے اور ابنائے جنس کے حقوق کے محافظ ہوتے۔ ان ہی کے وجود سے دین کا قیام ہی۔ ان ہی سی تمدن وحسن معاشرت کا نظام وابستہ ہے۔ اللھم ربنا اجعلنا منھم آمین ثم آمین۔

توضیح ختم ہوئی۔ جس سی تشریح سابق ولاحق کی بخوبی وضاحت ہو گئی اور یہ بات حاضرین وسامعین پر کھل گئی ہے۔ کہ جس نبوت عامہ اور خاصہ محمدیہ کا آیات قرآنی نے ثبوت دیا تھا۔ اُسکے ثبوت پر انسان کیحالت اور انسان کے متعلق قانون قدرت بھی شاہد ناطق [illegible] کو ثابت کر رہی ہی اور انبیاء علیہم السلام خصوصًا خاتم الرسل علیہ التحیۃ والاکرام نے وہ ضرورت پوری کر دکھائی ہے۔ وللہ الحمد۔

پانچویں سوال کا جواب

(۱) لقد من اللہ علی المؤمنین اذ بعث فیھم رسولا من انفسھم یتلوا علیھم آیاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضلال مبین (آل عمران ع ۱۱)	(۱) اللہ نے مومنوں پر احسان کیا جب کہ انہیں انہی میں سی رسول بھیجا جو قرآن کی آیتیں اُنپر پڑہتا ہی اور انکو کتاب اور گیان (دانائی) کی باتیں سکھاتا ہی۔ بیشک وہ اس سی پہلے صریح گمراہی میں تھے۔
(۲) علمہ شدید القوی ذو مرۃ (النجم ع ۱)	(۲) یہ قرآن اس (امی) کو بڑے مضبوط قوت والے زور آور نے سکھایا ہے۔
(۳) الرحمن علم القرآن (الرحمن ع ۱)	

(۴) لا تحرك به لسانك لتعجل به ان علينا جمعه وقرانه فاذا قرأناه فاتبع قرانه ثم ان علينا بيانه (القيمة ع-۱)

(۳) یہ قرآن (اسکو خدا) رحمن نے سکھایا ہی

(۴) (جب یہ قرآن تیری سامنے جبرائیل پڑہے تو اسکے ساتھ ساتھ) تو اپنی زبان کو نہ ہلا۔ ہمارے ذمے ہے تیرے سینے میں اسکو جمع کرنا۔ اور تیری زبان سی پڑہوا دینا۔ پھر جب ہم (جبرائیل کے ذریعہ) پڑہیں تو تو اسکے پیچھے پیچھے چل (یعنی چپکا رہ۔ اور سنتا جا) پھر ہمارے ذمے ہی اوسکو تیری زبان سے کہلوا دینا۔

(۵) وقد اتيناك من لدنا ذكرا من اعرض عنه فانه يحمل يوم القيامة وزرا۔ (طه - ع)

(۵) ہمنے تجھے اپنی پاس سی ذکر (قرآن اور تمام دانائی کی باتیں) عطا کیا ہے۔ جو اس سے منہ موڑیگا وہ قیامت کو بوجھ اٹھا کر لائیگا۔

(۶) يرفع الله الذين امنوا منكم والذين اوتوا العلم درجات (مجادلہ ع-۱)

(۶) خدا تم میں سی ایمان والوں اور اُن لوگوں کے جو علم دیئے گئے ہیں۔ درجے بلند کرے گا۔

(۷) هل يستوى الذين يعلمون والذين لا يعلمون انما يتذكر اولوا الالباب (زمر ع-۱)

(۷) کیا جاننے والی اور بے علم برابر ہونگے وہی نصیحت پذیر ہوتے ہیں جو عقل والے ہیں۔

(۸) انما يخشى الله من عباده العلمٰٓؤا (فاطر ع ۳)

(۸) خدا سے وہی ڈرتے ہیں جو جاننے والی ہیں۔

(۹) قالوا لو كنا نسمع او نعقل ما كنا فى اصحاب السعير (الملک - ع ۱)

(۹) دوزخ والے کہینگے ہم (علم کی باتیں) سُنتے اور سکھتے اور جان لیتے۔ تو دوزخ والو نمیں ہوتے

(۱۰) الذين يتبعون النبى الامى الذى يجدونه مكتوبا عندهم فى التورىٰة والانجيل يامرهم بالمعروف وينهاهم عن المنكر ويحل لهم الطيبات و

(۱۰) وہ لوگ جو ایسے نبی کی پیروی کرتی ہیں (اور اس سی گیان کی باتیں سیکھتے ہیں) جو بظاہر کسی کی شاگردی سے لکھا پڑھا نہیں ہی۔ اُسکے ذکر کو توریت اور انجیل

ویحرم علیھم الخبائث ویضع عنھم اصرھم والاغلال التی کانت علیھم فالذین اٰمنوابہ وعزروہ ونصروہ واتبعوالنور الذی انزل معہ اولئک ھم المفلحون - قل یایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعًا الذین لہ ملک السمٰوت والارض - لا الٰہ الا ھو یحیی ویمیت فاٰمنوا باللہ ورسولہ النبی الامی الذین یومن باللہ وکلماتہ واتبعوہ لعلکم تھتدون (اعراف ۱۹و۲۰)

میں پاتے ہیں - وہ انکو اچھے کاموں کا حکم دیتا ہے - اور بُری باتوں سے روکتا ہی ستھری چیزیں ان پر حلال کرتا ہے - اور خبیث چیزوں کو حرام بتاتا ہے - اور اُن سے (بد رسموں اور گناہوں کے) بوجھ اور طوق اتارتا ہے پس جو لوگ اوسکو مانتے ہیں اور اُسکی توقیر اور مدد کرتے ہیں اور اس نور کی پیروی کرتے ہیں جو اسکے ساتھ اتارا گیا ہے - وہ لوگ نجات پانیوالے ہیں - تو کہدے اے لوگو! میں تم سب کیطرف اس خدا کا رسول ہو کر آیا ہوں جسکی تمام آسمانوں اور زمین میں بادشاہت ہے - اسکے سوا کوئی پرستش کے لائق نہیں ہی - وہی زندہ کرتا ہے اور وہی مارتا ہے - سو خدا اور اسکے امی رسول کو جو خدا اور اسکے کلمات پر یقین رکھتا ہی مانو اور اُسکی پیروی کرو تاکہ راہ پاؤ -

(تشریح)

صاحبان! - یہ جلسہ چونکہ جلسہ مذاہب ہے اور مذہب ہی کے متعلق اسکو بحث ہے چنانچہ شروع تمہید میں بیان ہو چکا ہے - لہذا علم سے جسکے وسائل و ذرائع سی سوال پنجم ہوا ہے مذہبی اور دینی علم ہی مراد سوال ہے - اور اسی علم دینی و مذہبی کی تاکید و ترغیب کی متضمن آیات عشرہ نقل کیگئی ہیں -

پہلی آیت میں یہہ ارشاد ہوا ہے - کہ علم جس سی دین اور مذہب معلوم ہوتا ہی اسکا ذریعہ صرف انبیاء ہیں - جن میں سے ایک نبی اور آخری نبی محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہیں جنھوں نے علوم دین کی منبع و معدن کتاب آسمانی قرآن کی تعلیم دی - اور اسکے ساتھ وہ دانائی کی باتیں سکھائیں جو احادیث نبویہ کہلاتی ہیں -

آیت نمبر ۲ و ۳ میں یہ ارشاد ہوا ہے۔ کہ یہ قرآن آنحضرت کو خدا نے سکھایا ہے آنحضرت کا اُمّی ہوکر ایسا کلام پیش کرنا جسکے مقابلہ سے بلغاء و فصحاء عرب عاجز آگئے (چنانچہ تشریح دوم میں بصفحہ ۳۰۴ بیان ہو چکا ہے) آپکے الہام اس سے تعلیم پانے پر روشن دلیل ہے۔

آیت نمبر ۴ میں اس کیفیت کا بیان ہے کہ خدا تعالےٰ نے کیونکر آپ کو یہ قرآن سکھایا۔ اور اُمّی ہوکر آپنے کیونکر سیکھ لیا۔

آیت نمبر ۵ میں یہ ارشاد ہوا ہے کہ یہ علم لدنی (خدا کے پاس والا) کہلاتا ہی جو ظاہری طور پر لوگوں سے پڑہنے پڑہانے اور تعلیم پانے کا محتاج نہیں ہوتا۔

اسکی نظیر ایک اور آیت ہی جسمیں ایک اور ملہم من اللہ (حضرت خضر علیہ السلام) کا حال بیان فرمایا ہے۔ اٰتینٰہ رحمۃ من عندنا و علمنٰہ من لدنا علمًا یعنے ہمنے انکو اپنے پاس سے رحمت عطا کی اور اپنے پاس سے علم سکھایا یعنی کسی دوسری سے انہوں نے نہیں سیکھا۔

آیت نمبر ۶ و ۷ و ۸ و ۹ میں اس آسمانی و لدنی علم سیکھنے سکھانے کی دوسروں کو ترغیب پائی جاتی ہے۔ اور یہ خبر دیگئی ہے کہ جو لوگ آسمانی اور لدنی علم کو انبیاء علیہم السلام سے نہ سیکھینگے۔ وہ راہ نجات نہ پائینگے۔ اور شرف عقل و درجات۔ و خدا کی خشیت اور قرب سے محروم رہینگے۔ اور آخر دوزخیوں میں داخل ہونگے۔

صاحبان! یہ علم لدنی اور آسمانی حضرات انبیاء کی حیات میں ان سے سیکھا جاتا ہے، اور اُنکے بعد اُنکے اصحاب و احباب اہل علم سے اور اُنکے بعد اُنکے ہمصحبتوں اور شاگردوں سے وعلیٰ ہذا القیاس یہ سلسلہ تعلیم و تعلم چلا آیا ہے۔ اور اسوقت تک موجود ہے۔ جو لوگ اپنی مذہبی و دینی تعلیم کو اس سلسلہ سے ملاتے اور اس تعلیم آسمانی سے فیض پاتے ہیں وہ راہ راست پر چلے جاتے ہیں۔ اور جو اس سلسلے کو چھوڑ کر کسی دوسرے کی عقل یا اپنی تجویز کردہ

باتوں کو (جو انبیا علیہم السلام سے نہیں پہنچتیں) دستور العمل و ماخذ تعلیم بناتے ہیں۔ وہ سیدھے رستہ سے بہک جاتے ہیں۔

یہ علم لدنی (آسمانی جو انبیا علیہم السلام کو سکھایا گیا۔ اور ان سے انکے شاگردوں اور شاگردان شاگردوں نے سیکھا ہی۔ وہ علم شریعت و احکام شریعت ہی اور جو لدنی کہ انبیاء کے شاگردوں اور کامل اتباع کو (جو اولیاء اللہ کہلاتے ہیں) بلاواسطہ غیر خدا کی طرف سے سکھایا جاتا ہے (جیسا کہ حضرت خضر کو جو باتفاق جمہور علمائے اسلام نبی نہ تھے صرف ولی تھے سکھایا گیا ہی۔ اور وہ قرآن و حدیث میں بہ تفصیل* مذکور ہوا ہے) وہ علم شریعت و احکام شریعت کا ماخذ نہیں ہوتا اور کسی ولی پیرو نبی کو نہیں پہنچتا۔ کہ اس علم لدنی سے جو خدا تعالے نے اسکو سکھایا ہو۔ احکام شریعت نکالے۔ اور اس سے تجدید احکام دین کرے۔ بلکہ وہ علم صرف اس شریعت کے اسرار ظاہر کرتا ہی جس شریعت کا وہ ولی صاحب علم لدنی تابع ہوتا ہی۔ یا بعض ایسے حقائق کو ظاہر کرتا ہے جیکے متعلق [illegible] وقوع میں آیا ہی۔ اور

* قرآن میں حضرت خضر کے تین علوم لدنی کا جو خدا نے انکو سکھائے ذکر ہے۔ ایک یہ کہ انہوں نے ایک کشتی کی ایک تختی اکھاڑ دی۔ پھر اسکی حقیقت یہ ظاہر کی کہ ایک بادشاہ ظالم ابھی کشتیوں کو بیگار کے طور پکڑنیوالا تھا۔ میں نے خدا کے الہام سے اسکو معیوب کر دیا۔ تا کہ وہ بیگار میں پکڑے نہ جائے۔ دوسرا۲ یہ کہ ایک لڑکا شریر اور ماں باپ کو گمراہ کرنیوالا تھا۔ میں نے خدا کے الہام سے اسکو مار ڈالا۔ کہ وہ زندہ رہکر ماں باپ کو گمراہ نہ کرے۔ تیسرا۳ یہ کہ۔ ایک دیوار کے نیچے خزانہ مدفون تھا۔ اور وہ دیوار گرنے والی تھی۔ اور اس کے مستحق دو یتیم لڑکے تھے۔ میں نے اس دیوار کو قائم کر دیا۔ کہ وہ گر نہ جائے۔ یہاں تک کہ وہ لڑکے جوان ہو کر اپنا خزانہ لے لیں +

ان تینوں علوم میں جو کچھ حضرت خضر پر ظاہر ہوا۔ وہ شرعی احکام غریبوں کا مال ضائع نہ کرنے اور مسلمانوں کو کفر سے بچانیکا مؤید ہوا۔ اور نہ شریعت کا مخالف اور نہ نئے احکام کا مثبت اور نہ وہ بذات خود مستقل حکم شریعت قرار دیا گیا ہی۔ جس پر دوسرا بجز خضر علیہ السلام عمل کرنیکا مامور یا مجاز ہوا ہو۔

ایک ولی پیرو نبی کا یہ فرض ہوتا ہے۔ اور اسپر یہ امر واجب ہے کہ وہ ہر ایک امر کو جو علم لدنی سے اُسپر کُھلے اپنے نبی کی شریعت پر پیش کرے۔ اور اگر وہ اس شریعت کے احکام کی اور حقایق شرعیہ کی شرح و تائید کرے۔ تو وہ اسکو منجانب اللہ سمجھے اور اگر وہ اُنکا خلاف ظاہر کرے یا تجدید احکام کا مشعر ہو۔ تو وہ اسکو وسوسہ شیطانی قرار دیکر اُسپر لاحول پڑھے۔

یہ علم لدنی خدا کی طرف سے اتباع انبیاء سے ان نورانی سینوں میں داخل کیا جاتا ہے، اور ان رحمانی بزرگوں کے شرف صحبت و فیض و برکت سے حاصل ہوتا ہے۔ جو دنیا اور حظوظ دنیا سے بے رغبتی کرتے ہیں۔ اور سفر آخرت کے لئے ہمیشہ اور ہر وقت مستعد رہتے ہیں۔ اور مکارم اخلاق سے مجسم ہوتے ہیں۔ اور اپنی صحبت کی برکت اور اخلاق کے اثر سے دوسروں کو اخلاق مجسم بنا دیتے ہیں۔ وہ دنیا کی زندگی اور لذات کی طمع نہیں رکھتے۔ اور یاد خدا کے بغیر زیادہ کلام نہیں کرتے۔ وہ عبادت میں مشغول رہتے ہیں۔ اور پھر [illegible] پہلے اسکے منتظر رہتے ہیں۔ دشمنوں سے حُسن خلق سے پیش آتے ہیں۔ کسی پر لعن وطعن نہیں کرتے لوگ انکی زبان اور ہاتھ سے امن میں رہتے ہیں۔ جھوٹ اور بدگوئی انکے پاس نہیں جاتے۔ ان کی اس حالت کی نظر سے جب کوئی انکو دیکھتا ہے تو اُسکو خدا یاد آجاتا ہے۔ جنکا ذکر احادیث ذیل میں پایا جاتا ہے (۱) ایک حدیث میں ہے۔ آنحضرت نے یہ قول خداوندی پڑھا۔ کہ جب کو خدا تعالے ہدائیت کرنا چاہتا ہے اسکا سینہ فراخ کر دیتا ہے۔ اور اسکی تفسیر میں آپنے کہا کہ جب نور سینے میں داخل ہوتا ہے. تو وہ سینہ فراخ ہو جاتا ہے۔ کسی نے عرض کیا کہ اسکی کوئی علامت بھی ہے آپنے فرمایا ہاں (وہ یہ ہے) دنیا سے

(۱) عن ابن مسعود قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فمن یرد اللہ ان یھدیہ یشرح صدرہ للاسلام فقال رسول اللہ النور اذا دخل الصدر انفسخ فقیل یا رسول اللہ ھل لتلک من علم یعرف بہ قال نعم

التجافی عن دار الغرور والانابۃ الی دار الخلود والاستعداد للموت قبل نزولہ (مشکوۃ صفحہ ۴۲۸)

جو دھوکے کا گھر ہے۔ دور ہونا اور آخرت کیطرف جو ہمیشگی کا گھر ہے متوجہ ہونا اور موت سے پہلے اسکی تیاری کرنا۔

(۲) وعن ابی مسعود وابی خلاد ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا رأیتم العبد یعطی زھدًا فی الدنیا وقلۃ منطق فاقتربوا منہ فانہ یلقی الحکمۃ رواھما البیہقی فی شعب الایمان (مشکوۃ صفحہ ۴۲۸)

(۲) ایک حدیث میں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم کسی بندہ خدا کو دیکھو کہ وہ دنیا میں بے رغبتی اور کم سخنی دیا گیا ہے تو اُسکا قرب (وصحبت) اختیار کرو۔ کیونکہ اُسکو خدا کی طرف سے حکمت عطا کیگئی ہے۔

(۳) وعن اسماء بنت یزید انہا سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول الا انبئکم بخیارکم قالوا بلی یا رسول اللہ قال خیارکم الذین اذا رأوا ذکر اللہ رواہ ابن ماجہ (مشکوۃ صفحہ ۴۱۹)

(۳) ایک حدیث میں ہے آنحضرت نے فرمایا کیا میں تمہیں اچھے لوگوں کا پتہ نہ دوں۔ لوگوں نے عرض کیا (ہاں یا رسول اللہ) آنحضرت نے فرمایا اچھے وہ لوگ ہیں کہ جب انکو دیکھیں تو خدا یاد آجاوے یعنی انکے اخلاق واطوار وتبتل الی اللہ وانکسار کے مشاہدہ سے۔

(۴) عن عبد اللہ عمرو قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان من خیارکم احسنکم اخلاقا متفق علیہ (مشکوۃ صفحہ ۴۳۳)

(۴) ایک حدیث میں ہے تم سب میں اچھا وہ ہے جسکے اخلاق اچھے ہوں۔

(۵) عن ابی ھریرۃ قال رسول اللہ صلعم اکمل المومنین ایمانًا احسنکم اخلاقًا رواہ ابو داؤد (مشکوۃ صفحہ ۴۳۴)

(۵) ایک حدیث میں ہے تمام مومنوں میں سے کامل مومن وہ ہے جسکے اخلاق اچھے ہوں۔

(۶) عن ابی ھریرۃ قال رسول اللہ صلعم ان اللہ تبارک وتعالی قال وما یزال

(۶) ایک حدیث میں آنحضرت نے حدیث قدسی نقل فرمائی ہے کہ خدا تعالی کا ارشاد ہے کہ میرا بندہ مجھ سے نوافل کے ساتھ قرب حاصل کرتا ہے۔

عبدی یتقرب الی بالنوافل حتی احببتہ فاذا احببتہ کنت سمعہ الذی یسمع بہ وبصرہ الذی یبصر بہ ویدہ التی یبطش بھا ورجلہ التی یمشی بھا وان سألنی لاعطینہ الحدیث رواہ البخاری (مشکوٰۃ ص۱۸۱)

(۷) عن عبد اللہ بن بسر قال جاء اعرابی فقال یا رسول اللہ ای الاعمال افضل قال ان تفارق الدنیا ولسانک رطب من ذکر اللہ رواہ احمد (مشکوٰۃ ص۱۹۰)

(۸) عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلعم لا تکثروا الکلام بغیر ذکر اللہ فان کثرۃ الکلام بغیر ذکر اللہ قسوۃ للقلب وان ابعد الناس عن اللہ القلب القاسی رواہ الترمذی (مشکوٰۃ ص[illegible])

(۹) عن ابی سعید قال ان رسول اللہ صلعم سئل ای العباد افضل وارفع درجۃ عند اللہ یوم القیمۃ قال الذاکرون اللہ کثیرا والذاکرات رواہ احمد (مشکوٰۃ ص۱۹۰)

(۱۰) وعن عائشۃ قالت سألت رسول اللہ صلعم عن ھذہ الایۃ والذین یؤتون ما اتوا وقلوبھم وجلۃ اھم الذین یشربون الخمر ویسرقون قال لا یا بنت الصدیق ولکن الذین یصومون ویصلون ویتصدقون وھم یخافون ان لا یقبل منھم اولئک یسارعون فی الخیرات رواہ الترمذی (مشکوٰۃ ص۴۴۹)

یہانتک کہ میں اسکو پیار کرتا ہوں پھر جب وہ میرا پیارا ہو جاتا ہے تو اسکے کان جن سے وہ سنتا ہے اور آنکھ جس سے وہ دیکھتا ہے اور ہاتھ جس سے وہ پکڑتا ہے اور پاؤں جس سے وہ چلتا ہے میں ہو جاتا ہوں۔* اور جب وہ مجھ سے مانگتا ہے تو میں عطا کرتا ہوں۔

(۷) ایک حدیث میں آیا ہے کہ آپنے فرمایا سب عملوں سے افضل یہ ہے کہ تو دنیا کو ایسی حالت میں چھوڑے کہ تیری زبان خدا کے ذکر سے تر ہو۔

(۸) ایک حدیث میں ہے خدا کے ذکر کے بغیر بہت نہ بولا کرو اس سے دل سخت ہو جاتا ہے۔ اور خدا سے دور وہی ہے جو سخت دل ہو۔

(۹) ایک [illegible] بندوں سے افضل اور درجہ میں بلند وہ لوگ ہیں جو خدا کی یاد میں لگے رہتے ہیں۔

(۱۰) ایک حدیث میں ہے کہ حضرت عائشہ نے آنحضرت سے اس آیت کا جس میں بیان ہے کہ وہ لوگ کرتے ہیں جو کرتے اور انکے دل ڈرتے ہیں مطلب پوچھا کہ کیا اس سے شراب خور اور چور مراد ہیں آپنے فرمایا نہیں اے صدیق کی بیٹی اس آیت میں وہ لوگ مراد ہیں جو نمازیں پڑھتی ہیں اور روزہ رکھتی ہیں اور پھر ڈرتے رہتے ہیں کہ دیکھیں یہ مقبول ہوتی ہیں یا نہیں یہی لوگ ہیں جو نیکیوں میں جلدی

* اسکے دو لازمی نتیجے ہیں ایک یہ کہ اسکے کان آنکھ ہاتھ پاؤں اللہ تعالی رضا کی تابع ہو جاتے ہیں۔ دوسرا یہ کہ اسکے ان اعضا سے وہ کام (باذن اللہ) ہونے لگتے ہیں جو عام لوگوں کے اعضا انسانی طاقت سے نہیں کر سکتے۔ بلکہ وہ خدا کے کام ہوتے ہیں جیسے غیر معمولی بعد سے دیکھ لینا۔ یا سن لینا۔ یا ایک مٹھی بھر کنکروں سے تمام لشکر مخالفوں کی آنکھیں بھر دینا اور اندھی کر دینا۔

کر رہے ہیں۔

(۱) وعن ابن مسعود قال قال رسول اللہ صلعم لیس المؤمن بالطعان ولا باللعان ولا الفاحش ولا البذی رواہ الترمذی (مشکوٰۃ ص۴۱۳)

(۲) وعن عائشۃ ان رسول اللہ صلعم قال ان من شر الناس یوم القیمۃ من ترکہ الناس اتقاء فحشہ رواہ البخاری ومسلم (مشکوٰۃ ص۴۱۲)

(۳) وعن صفوان بن سلیم انہ قیل لرسول اللہ صلعم ان یکون المؤمن جبانا قال نعم فقیل لہ ان یکون المؤمن بخیلا قال نعم فقیل لہ ان یکون المؤمن کذابا قال لا رواہ مالک (مشکوٰۃ ص۴۱۴)

(۱) ایک حدیث ہے کہ آنحضرت نے فرمایا کہ مومن طعنہ دینے والا لعنت کرنیوالا فحش بکنے والا بدگوئی کرنیوالا نہیں ہوتا۔

(۲) ایک حدیث میں ہے آنحضرت نے فرمایا قیامت کے دن سب سے برا وہ نکلیگا جسکو لوگ اُسکی فحش گوئی سے بچنے کیلئے چھوڑ رکھیں۔

(۳) ایک حدیث میں ہے آنحضرت سے کسی نے پوچھا کیا مومن بزدل ہوتا ہے فرمایا ہاں ہوتا ہے پھر پوچھا مومن مال کا سخت پیار (دیا حریص) ہوتا ہے فرمایا ہاں ہوتا ہے (یعنے اُن عیوب کا وہ محل ہوجاتا ہے) پھر پوچھا مومن بڑا جھوٹا ہوتا ہے فرمایا نہیں یعنے جھوٹ بولنا اور کذاب کہلانا مومن کی شان نہیں ہے۔

(۴) عن عبد اللہ [illegible] المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ رواہ البخاری (مشکوٰۃ ص۱۲)

(۴) ایک حدیث میں ہے [illegible] نے فرمایا ہے مسلمان وہی ہے جسکی زبان اور ہاتھ سے مسلمان بچے رہیں یعنے نہ کسیکو زبان سے برا کہے نہ ہاتھ سے تکلیف دے۔

صاحبان! جو لوگ ان اخلاق میں کامل ہوتے ہیں وہی اس علم لدنی کے محل ہوتے ہیں۔ اور ہر قسم کے لوگ امت محمدیہ میں دنیا میں ہر زمانہ میں پائے گئے ہیں اور اب بھی موجود ہیں اور ہمیشہ قیامت تک رہینگے۔ گو بعض ملکوں یا شہروں میں ہمکو نظر نہ آئیں اس علم لدنی کے محل وہ لوگ نہیں ہوسکتے جو ہر تحریر اور تقریر میں جھوٹ بولیں بڑے جھوٹے اشتہار دیں اپنی ولایت وکمالات والہامات ظاہر کریں ہزارہا پیشگوئیاں اور آسمانی نشان دکھانے کے مدعی ہوں اور ایک بھی نہ دکھا سکیں جو شخص انکے دعوے کو نہ مانیں اُسکو گالیاں دیں کوسیں اور موت یا بیماری وخواری پہنچانیکی دھمکیاں دیں۔ بازاری گالیاں حرامزادہ۔ بدذات وغیرہ۔ انکا تکیہ کلام ہو۔ مال مردم خوری انکا شیوہ خاص ہو اپنی کتابوں کی اشاعت کیلئے لوگوں سے ہزارہا روپیہ چندہ کرا کے یا قیمت کے طور پر لیں۔ اور اس روپیہ سے بیویوں کا زیور۔ اور لباس بنادیں۔ اور بادام روغن میں پکے دو دو روپیہ سیر بھر شخ کے چاول خرید کر پلاؤ و متنجن اڑا دیں اور

ان کتابوں کے چھاپنے کا نام نہ لیں۔ نوافل تہجد تو کجا پانچوں وقت خصوصاً فجر کی نماز وجماعت میں التزام کے ساتھ نہ مل سکیں۔ ہزارہا روپیہ کی ملک کا دعوے کریں اور آمدنی کا اقرار کریں۔ اور ادائے فریضہ حج کا نام نہ لیں۔ بولنے لگیں تو گھنٹوں بکتے چلے جاویں۔ نماز شروع کریں تو ضعف دماغ کے عذر سے قل ھواللہ احد۔ اور انا اعطینٰک الکوثر پر اکتفا کریں۔ وظایف واوراد شبا روزی کجا نمازوں کے بعد تینتیس تینتیس بار سبحان والحمد للہ واللہ اکبر کہنا نصیب نہ ہو۔ اور حرامزادہ۔ بدذات وغیرہ گالیوں کا وظیفہ جس تعداد سے چاہو انکی زبانوں سے لو۔ اور انکی تصانیف میں دیکھ لو۔٭

ایسے اخلاق وعادات کے لوگوں کا مورد علم لدنی ہونا ایسا محال ہے جیسے سوئی کے ناکے سے اونٹ کا نکل جانا محال ہے ایسے ہوکر علم لدنی کے مدعی بھی ہر زمانہ میں ہو[illegible] ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کے حق میں سابق اہل علم لدنی یہہ کہہ گئے ہیں۔ شعر

اے بسا ابلیس آدم روے ہست ۔ پس بہر دستے نباید داد دست
کار شیطاں مے کند نامش ولی ۔ گر ولی این است لعنت بر ولی
حرف درویشاں بدزدد مرد دوں ۔ تا بخواند بر سلیمے زاں فسوں
زانکہ صیاد آورد بانگ صفیر ۔ تا بگیرد مرغ را آں مرغ گیر

اور آیت نمبر ۱۰ میں ارشاد ہے کہ ان علوم دینی ومعارف مذہبی کا آسمانی

٭ تیرہویں صدی کے نمبر ۱۰ اور چودہویں صدی کو مجدد حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کیطرف اشارہ ہے جنمیں حالات مذکورہ بلاکم وبیش پائے جاتے ہیں جو لوگ تفصیل ودلیل کا طالب وشایق ہو وہ اشاعۃ السنہ جلد ۱۳ لغایت جلد ۱۵ بابت سنہ ۱۸۹۰ء لغایت سنہ ۱۸۹۲ء ملاحظہ کریں۔ اور علاوہ براں ہمسے اور تحریری ثبوت لیں۔ انکی دستخطی تحریریں ہمارے پاس موجود ہیں۔

معلموں اور علم لدنی کے استاذوں سے نہ صرف سیکھ لینا کافی اور نجات کا وسیلہ وافی ہے۔ بلکہ ان علوم و معارف میں انکا عملاً اتباع کرنا بھی نجات کی شرط ہی۔ اور آخری نبی امی محمد رسول اللہ صلعم کا اتباع جنکے نبی اور واجب الاتباع ہونیکا ثبوت قرآن کی آیات سابق الذکر نے دیدیا ہے خصوصیت کے ساتھ سب پر خواہ کسی نبی کی ماننے والے اور کسی کتاب کے پیرو ہوں فرض ہی۔ ان مذاہب کے اتباع تو کجا ان مذاہب کے اصل بانی حضرت موسے اور حضرت عیسے وغیرہما اگر اسوقت اس دنیا میں اور پشت زمین پر موجود ہوتے تو وہ بھی آپ ہی کی پیروی کرتے۔ اس نظر سے آنحضرت فرما گئی ہیں۔ کہ اگر موسے علیہ السلام زندہ ہوتے تو انکو بھی میری پیروی کے بغیر چارہ کی گنجائش نہ ہوتی *

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لو کان موسی حیا ما وسعہ الا اتباعی رواہ احمد (مشکوٰۃ صہ ۳۲)

آنحضرت کے اس دعوے کی دلیل آپ کی وہ تعلیم ہے جسکی شرح بضمن توضیح ہو چکی ہی۔

اب میں اس خطبہ کو ختم کرتا ہوں اور خدا تعالے سے دعا مانگتا ہوں کہ وہ اسکو قبول کرے اور اس سے عمل [illegible] اور [illegible] آمین ثم آمین

راقم

ابو سعید محمد حسین ایڈیٹر رسالہ اشاعۃ السنۃ لاہور

* بعض روایات میں حضرت عیسٰی کا ذکر بھی آیا ہی جس سے اس زمانہ کے جھوٹے مدعی علم لدنی حضرت عیسے کی موت نکالکر اپنے آپ کو مسیح موعود بنا بیٹھے ہیں اور مسیح کا کام کوئی کرکے نہیں دکھاتے بلکہ اسکا عکس دکھارہے ہیں حضرت مسیح خدا کے حکم سے مردوں کو زندہ کرتی تھے یہ زندوں کو مار رہے ہیں وہ خدا کے حکم سے بیماروں کو اچھا کرتے تھے یہ خود دائمی مریض رہتے ہیں حضرت مسیح آینگے تو لوگوں کو زر و مال دینگے یہ لوگوں کے مال زر اور انواع حیلوں سے چھین رہے ہیں انکے خیال کا ابطال یہ ہے کہ اگر وہ روایت صحیح ہے تو اسکے معنی یہ ہیں کہ اگر حضرت عیسے اس دنیا میں اور پشت زمین پر بکیفیات متعارف دنیوی جسمیں کھانا پینا وغیرہ لوازم پائے جاتے ہیں زندہ ہوتے تو وہ میرا اتباع کرتے اس معنی سے حضرت مسیح کی اس حیات کی جو آسمان پر ہے نفی نہیں ہوتی *

بقیہ مضمون

عیسائیوں باہمی جنگ مقدس پر اسلامی رائے

(جو جلد ۱۶ کے نمبر ۱۱ میں ناتمام رہا تھا)
(تتمہ کلام مسٹر اکبر مسیح توحیدی عیسائی)

میں بھی مستعمل [illegible] - تو سمجھ [illegible] خدا [illegible] مسیح [illegible] دیکھو خدا کو رحیم و عادل کہتے ہیں - انسان کو بھی کہتے ہیں - لیکن انسان کے رحم و عدل اور خدا کے رحم و عدل میں زمین و آسمان کا تفاوت ہے - دراصل جو الفاظ خدا کے ساتھ غیر محدود معنے رکھتے ہیں - دوسرے کے ساتھ محدود معنے ادا کرتے ہیں - آیات ذیل کو اس قسم استعمال کا نمونہ سمجھو - مقدس یوحنا مسیح کے حق میں ایک جگہ لکھتے ہیں - تو سب کچھ جانتا ہے - (یوحنا ب ۱۶/۲۱) دوسری جگہ بعینہ وہی الفاظ ایمان داروں کی نسبت یوں لکھتے ہیں - تم سب کچھ جانتے ہو - (۱ خط ب ۲/۲) پھر تیسری جگہ بجنسہ وہی الفاظ خدا کی نسبت یوں لکھتے ہیں - خدا سب کچھ جانتا ہے (۱ خط ۳/۱)

اب کون کہے گا کہ خدا ہمہ دان مسیح ہمہ دان اور ایماندار بھی ہمہ دان ہیں؟ خدا کی ہمہ دانی غیر محدود ہے - دوسروں کے محدود الفاظ ایک ہی ہیں - پر معنے محدود و مختلف مسیح کی الوہیت پر بحث کرتے وقت ہمارے بھائیوں کو بڑا لحاظ رکھنا چاہیے اور دیکھو صفحہ ۱۹۱ نمبر

نوٹ - اس صفحہ کی اصل عبارت رسالہ اشاعۃ السنہ نمبر ۱ جلد ۱۶ بصفحہ ۳۱۴ میں گنی جا چکی ہے -

ازانجملہ تیرہواں مقام یوحنا۔ (۵/۲۱) ہے جسمیں یہ بیان ہے کہ جسطرح باپ مردوں کو اٹھاتا ہے۔ اور جلاتا ہے۔ بیٹا بھی جنہیں چاہتا ہے جلاتا ہے۔ جکو مسٹر آتھم نے فہرست ۲۵ مئی ۱۸۹۳ء میں پیش کیا ہے۔ اور اسکی تائید میں مکاشفات (۱/۸) متی (۲۸/۱۸) مرقس (۱/۲۷) یوحنا۔ (۳/۳۱ و ۳۵) (۱۶/۱۵) فلپی (۳/۲۱) عبرانی (۷/۲۵) اول پطرس (۳/۲۲) کو گن سنایا۔ اور ان حوالجات سے یہ نکالا کہ مسیح قادر مطلق ہے۔

ان حوالجات میں سے صرف مکاشفات (۱/۸) میں مسیح کا قادر مطلق ہونا بیان ہوا ہے۔ سو اسکا حال ناظرین رسالہ اشاعۃ السنہ نمبر ۱۰ جلد ۱۶ میں صفحہ ۳۱۱ سے ۳۱۶ تک دیکھ چکے ہیں۔ باقی حوالجات میں سے کم سے کم ایک بھی ایسا نہیں ہے۔ جس سے حضرت مسیح کا خدا یا قادر مطلق ہونا ثابت ہو۔ بلکہ برعکس اسکے یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ حضرت مسیح نہ خدا تھے نہ قادر مطلق۔ اور جو قدرت اور طاقت وہ رکھتے تھے۔ خدا کی طرف سے وہ دی گئی تھی۔ وہ انکی ذاتی [illegible] محدود و مخصوص تھی نہ غیر محدود و وسیع۔

یوحنا (۵/۱۹) کے بعد آئت ۲۲ میں صاف بیان ہے کہ اسنے ساری عدالت بیٹے کو سونپ دی ہے۔ اور آیت ۲۷ میں ہے۔ بلکہ اسے اختیار دیا ہے۔ کہ عدالت کرے۔ اور آیت ۳۰ میں ہے۔ میں آپ سے کچھ نہیں کرسکتا۔ یہ الفاظ صاف ناطق ہیں کہ آپ بذات خود کچھ قدرت نہیں رکھتے۔ چہ جائے قدرت مطلق۔ آپ میں جو کچھ قدرت ہے خدا داد ہے و محدود۔ متی (۲۸/۱۸) کے یہ الفاظ ہیں۔ اور یسوع نے پاس آکر اون سے کہا کہ آسمان و زمین کا سارا اختیار مجھے دیا گیا۔ اسمیں صاف بیان ہے کہ وہ اختیار انکو ازخود حاصل اور ذاتی نہ تھا بلکہ غیر یعنے خدا کی طرف سے دیا ہوا تھا۔ سو بھی زمین و آسمان میں محدود۔

افسوس ایسی صریح عبارات سے عیسائی انکا خدا و قادر مطلق ہونا نکالتے ہیں۔ اور

فہم و انصاف سے کام نہیں لیتے۔

مرقس (۱/۲۷) میں صرف ناپاک روحوں کو نکالنے کی خاص قدرت مسیح بیان ہوئی ہے۔ نہ قدرت مطلق۔ اور یہ قدرت خاص بھی بشہادت حوالجات آئندہ و گذشتہ بصفحہ ۳۳۱ وغیرہ جلد ۱۶۔ خدا کی طرف سے دی ہوئی تھی۔ نہ مسیح کی ذاتی قدرت۔

یوحنا (۳/۳۵) کے یہ الفاظ ہیں۔ باپ بیٹے کو پیار کرتا ہے۔ اور سب چیزیں اسکے ہاتھ میں دی ہیں۔ یہ بھی صاف بیان ہے۔ کہ وہ چیزیں خدا کی دی ہوئی ہیں۔ نہ مسیح کی اپنی ذاتی۔

یوحنا (۱۶/۱۵) کے یہ الفاظ ہیں۔ سب چیزیں جو باپ کی ہیں میری ہیں۔
یہ بھی صاف بیان ہے کہ وہ چیزیں در اصل باپ کی ہیں۔ باپ نے بیٹے کو دیدیں تو اسنے اپنی بنالیں۔

فلپی (۳/۲۱) [illegible] سب کو اپنی تابع کرسکتا ہے۔ جو بشہادت حوالجات دیگر خدا کی دی ہوئی قدرت ہے۔ نہ مطلق قدرت اور نہ ذاتی۔

عبرانی (۷/۲۵) میں حضرت مسیح کے سفارشی ہونیکا ذکر ہے۔ جس سے صاف ثابت ہے کہ خدا وہ ہے۔ جسکے پاس مسیح سفارشی ہوتا ہے۔ نہ خود مسیح۔

پطرس (۳/۲۲) میں مسیح کو خدا کی دہنی طرف بیٹھنے والا۔ اور فرشتوں و حکومتوں و ریاستوں کا متبوع کہا گیا ہے۔ نہ خدا۔ ان حوالجات کو ان کے الفاظ سے ہمنے اس غرض سے نقل کیا ہے۔ اور انکے نتائج و مفاد کو بتایا کہ ڈپٹی آتھم صاحب* اور انکے ہم خیال عیسائی ان حوالجات کو پڑھ کر شرم کریں۔ اور ان حوالجات کو واپس لیں۔ اور عام ناظرین یقین کریں کہ عبداللہ آتھم اور دیگر تثلیثی عیسائی جن آیات سے اپنی مجوزہ تثلیث کے ثبوت پر استدلال کرتے ہیں۔ انسے تثلیث ہرگز ثابت نہیں ہوئی۔ بلکہ انسے استدلال کرنیوالوں کی نافہمی

* جب یہہ مضمون لکھا گیا تھا عبداللہ آتھم زندہ تھا۔

ونا انضافی ثابت ہوتی ہے۔

حضرات ناظرین ڈپٹی آتھم کی فہرست ۲۵ مئی ۱۸۹۳ء میں اس قسم کے حوالے ادھی ہیں جنمیں حضرت مسیح کو قیامت اور زندگی۔ اور خداوند اور اختیار دادہ شدہ کہا گیا ہے اور مسیح کے آگے سجدہ کرتے۔ اور مسیح سے دعا مانگنے۔ اور مسیح کی عدالت کرنے اور مسیح کے گناہ بخشنے۔ اور مسیح کے اپنے فرشتوں کو بھیجنے کا بیان ہے۔ مگر ان اوصاف مسیح سے داگروہ واقعی مسیح میں تسلیم کیجاویں) مسیح کا خدا ہونا مسٹر عبداللہ آتھم جیسے دماغ والوں کے ہی خیال میں آسکتا ہے۔ کوئی صحیح الدماغ ان صفات سے مسیح کا خدا ہونا نہیں نکال سکتا۔

اور ایسے ہی بعض مقامات عہد جدید اور ہیں۔ جنسے عیسائی تثلیث نکالتے ہیں۔ اورانکو ڈپٹی آتھم نے نقل نہیں کیا۔ اسمقام میں ہم ان سب حوالجات و مقامات سے بحث کرنا نہیں چاہتے۔ اور جسقدر حوالجات پر ہم بحث کر چکے ہیں۔ انکو کافی سے زیادہ سمجھتے ہیں۔ [illegible] ندہ مقامات کی بحث کو مغنی سمجھینگے۔ ومعہذا کوئی صاحب ان مقامات پر بحث کے شائق ہوں۔ تو انکو ہم مسٹر اکبر مسیح توحیدی عیسائی رسالہ تنقیح الوہیت مسیح کی طرف توجہ دلاتے ہیں مسٹر اکبر مسیح نے اس رسالہ[1] میں اس بحث کو پورا ادا کیا ہے۔ اور ہمکو اس سے مستغنے

---

[1] بطور تمثیل اسمقام ایک قول مسٹر اکبر مسیح کا نقل کیا جاتا ہے جسمیں سجدہ مسیح کا جواب دیا گیا ہے۔ آپ اس رسالہ کے صفحہ ۷۹ میں لکھتے ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ مسیح کے ایام خدمت میں لوگوں نے مسیح کی الٰہی پرستش کی تھی۔ اور مسیح نے انکو کبھی منع نہیں کیا۔ بلکہ اس سجدہ و پرستش کو قبول کیا۔ یہ خیال بالکل غلط ہے۔ کبھی کسی نے مسیح کی پرستش نہیں کی۔ اور نہ اسکو الٰہی سجدہ کیا۔ اگر مجوسیوں نے یا اسکے شاگردوں نے گر گر کے سجدہ کیا۔ تو یہ اس قسم کے سجدے ہرگز نہ تھے۔ جسطرح باپ کے لئے کئے جاتے ہیں یعنے مسیح کو کبھی کسی نے پوجا نہیں۔ یہ سجدہ صرف تعظیم و ادب کا سلام تھا۔ جو اس ملک کے

کر دیا۔ باینہمہ اگر اکثر ناظرین دلچسپی اور شوق ظاہر کرینگے۔ تو ہم باقیماندہ حصہ مضمون عیسائیوں کے باہمی جنگ مقدس پر اسلامی رائے میں ان مقامات پر بحث کرینگے۔

[illegible] حاشیہ صفحہ (۳۶۲)

عام رواج کے موافق بادشاہوں حاکموں اُستادوں اور دوسرے بزرگوں کو بھی کیا جاتا تھا۔ قرآن میں اسی قسم کو سجدہ کی نسبت مرقوم ہے۔ کہا فرشتوں کو سجدہ کرو آدم کو تو سجدہ میں گر پڑے۔ جس لفظ کا ترجمہ سجدہ کیا گیا ہے ΠΡΟΣΚΥΝΕΩ ہے ریوائزڈ ورشن ضمیمہ اقسام آیات نمبر ۴ میں یوں مرقوم ہے۔ متی ۲۰۲۔ وغیرہ میں لفظ ورشپ سجدہ پر یہ حاشیہ چڑھاؤ۔ کہ یونانی لفظ ایک تعظیم کے فعل کو ظاہر کرتا ہے۔ خواہ وہ انسان کے لئے ہو جیسا ۱۸-۲۶ میں خواہ خدا کے لئے۔ جیسا ۴-۱۰ میں پس یہ لفظ عام ہوا۔ جو انسان کے لئے بھی مستعمل ہوتا ہے۔ اور خدا کے لئے بھی جیسا لکھا ہے۔ ساری

جماعت [illegible]

سجدہ کیا۔ (اتواریخ ۲۹/۲۰) مگر ہمیشہ مثل اور الفاظ کے یہ بھی جب انسان کے لئے مستعمل ہوتا ہے۔ تو ایک ادنے معنے ادا کرتا ہے۔ جیسا کہ گذشتہ باب دفعہ ۶ صفحہ ۶۳ وغیرہ میں بیان کیا گیا۔

متی (۱۸/۲۶) میں خداوند مسیح نے ایک بادشاہ کی نسبت فرمایا کہ اسکے نوکر نے

گر کے اسے سجدہ کیا۔ اور کہا اے خداوند صبر کر میں تیرا سب قرض ادا کر دونگا۔

مکاشفات کا مصنف فلاڈیفا کلیسیا کے نگہبان کو مسیح کی طرف سے یوں لکھتا ہے۔

دیکھ میں ایسا کرونگا۔ کہ وے آ کے تیرے پاؤں پر سجدہ کریں۔ اور جانیں کہ میں نے

تجھے پیار کیا ہے۔ (۳/۹) مگر اس سجدہ کئے جانے کی وجہ سے نہ وہ بادشاہ اور نہ یہ نگہبان کلیسیا خدا ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ یہ کوئی الٰہی سجدہ نہ تھا۔ بلکہ انسان کیلئے روا تھا۔ یہ صرف نہایت درجہ کی تعظیم کا سلام تھا۔ پرانے عہد نامہ کے یونانی ترجمہ

[illegible] حاشیہ صفحہ (۳۶۲)

ورنہ مستقل طور پر عیسائیوں کے مقابلہ میں اُنسے وقتاً فوقتاً بحث ہوا کرے گی۔
انشاءاللہ تعالےٰ۔

اس بحث کے متعلق (جو ہمنے مقامات عہد عتیق وجدید پر کی ہے) ہم ناظرین سے

سپٹواجنیٹ میں بھی اس لفظ کا بھی استعمال ہوا ہے۔ ہم بغیر تعجب اور حیرت کے
پڑھتے ہیں۔ کہ حضرت داؤد نبی نے ساؤل بادشاہ کو کہا۔ اے میرے خداوند بادشاہ
اور اوندھے مُنہ زمین پر گر کے سجدہ کیا۔ (۱ سمو ۲۴/۸) حضرت ناتن نبی کی نسبت
لکھتا ہے۔ کہ جب وہ داؤد بادشاہ کے حضور آیا تو اُسنے بادشاہ کے حضور اپنے
مُنہ کے بل سجدہ کیا۔ (۱ سلا ۱/۲۳) اور حضرت الیاہ کی نسبت پڑھتے ہیں۔ کہ
عبدیاہ راہ میں تھا۔ اور دیکھ الیاہ اُسے ملا اُسے پہچانا۔ اور اوندھا گرا۔ اور بولا
کیا میرا خداوند الیاہ تو ہے۔ اُسنے جواب دیا میں ہی ہوں۔ جا اور اپنے خداوند سے
[illegible] الیاہ حاضر ہے [illegible] نبوخدنضر اوندھے منہ گرا۔
اور دانیل کو سجدہ کیا۔ (دانیل ۲/۴۶) پس معلوم ہوا کہ کسی نبی یا بزرگ یا بادشاہ
کے سامنے اوندھا گرنا اور سجدہ کرنا اور اُسے میرے خداوند کہنا۔ الٰہی پرستش
وعبادت کی حد تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔ اسلئے داؤد نے ساؤل کو اور ناتن نے
داؤد کو سجدہ کیا۔ اور ساؤل نے داؤد کو۔ اور داؤد نے ناتن کو۔ اور الیاہ نے
عبدیاہ کو۔ اور دانیل نے نبوخدنضر کو سجدہ کرنے سے نہیں روکا۔ اور نہ انکو خداوند
کہنے سے منع کیا۔ ہمارے مسیح کی بھی لوگوں نے اسی طرح تعظیم کی تھی۔ اور اُسنے
اُسے بلاعذر قبول کیا۔ اگر ہمارا خداوند آج ہمارے پاس آوے تو ہم بھی ضرور
اُسکی تعظیم اسیطرح بجا لاوینگے۔ الٰہی پرستش اور بندگی کے لئے اور الفاظ مخصوص
ہیں جو انجیل میں سوائے باپ کے کسی دوسرے کے حق میں مستعمل نہیں ہو سکتے مثلاً
OKBEOOai-λα7Pt ZELV-λ α7Ptla

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۷۳)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۷۵)

داد چاہتے ہیں۔ اور کادیانی اور اسکے اتباع سے دریافت کرتے ہیں کہ آیات عہد عتیق وجدید کا جواب یہ ہے۔ جو اس بحث میں ہمنے دیا ہے۔ یا وہ جو کادیانی دیا ہی۔ اسکا جواب امید ہے منصف ناظرین سے یہی ملیگا۔ کہ جواب یہی ہے جو اشاعۃ السنہ میں دیا گیا ہے۔ نہ وہ جو کادیانی دیا ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلیگا جسکا ہمنے شروع مضمون میں دعوےٰ کیا تھا۔ کہ اس مباحثہ میں کادیانی جنگ زرگری کیا ہے۔ اور اپنے عیسائی بھائیوں کے الزامات ودلایل کا کافی جواب نہ دیکر عیسائیوں کو غالب اور مسلمانوں کو مغلوب بنانا چاہا ہے۔ مگر خدا تعالےٰ نے اسلام ومسلمانوں کا مغلوب ہنا اور متمسکات عیسائیوں کا بلارد وجواب چھوڑنا پسند نہ کیا۔ اور اپنے خادم دین اشاعۃ السنہ کو موفق وموئید کیا کہ وہ انکے متمسکات کا جواب شافی دے۔ اور عیسائیوں کو ساکت ونادم کرے۔ وللہ الحمد علےٰ ذلک والمنۃ

کادیانیو! [illegible] دی۔ اور وعید شدید لعنت اللہ علی الکاذبین کے علاوہ منصف ناظرین سے بھی شرم نہ کروگے؟ خدا تعالےٰ تمکو سنبھالے اور تمہارے شر سے مسلمانوں کو بچا دے ؛

امین ثم امین

---

(۱) حاشیہ متعلقہ صفحہ (۳۷۰) یہ الفاظ بالتحقیق خدا کے لئے مستعمل ہوئے ہیں۔ کبھی ایک مقام پر بھی یہ مسیح کے حق میں نہیں لکھے گئے مسیح کے حق میں وہی الفاظ مستعمل ہوئے۔ جو عام ہیں اور انسان کیلئے مستعمل کئے جاسکتے ہیں۔ پس معلوم ہوا۔ کہ زمین پر مسیح کی الٰہی پرستش کسی نے کبھی نہیں کی۔ اسپر ایک مفصل بحث اکسفورڈ مشن کے ہفتہوار پرچہ اپیفنی میں ہو چکی ہے۔ دیکھو جلد نہم۔ نمبر ۱۱ و ۱۲ و ۱۳ و ۱۵ و ۱۶ و ۱۸۔ ۰

میرزائی رسائل اربعہ انجام آتھم وغیرہ کا جواب

تمہید

گذشتہ اشاعت میں ہم نے مرزاجی کو موقوفی جنگ کا اعلان دیدیا - اور کہدیا تھا
کہ ہم اپنے اور دیگر مسلمانوں کے خیال میں آپ کا کام تمام کرچکے ہیں - آئندہ
آپ ہمکو مخاطب نہ کرینگے تو ہم بھی آپکو مخاطب نہ کرینگے مرزاجی نے اسکو
غنیمت نہ سمجھا - اور پھر بھی ہر ایک تحریر و تصنیف میں ہمکو نشانہ بنایا - وہ تو
اپنے خیال میں ہمکو مخاطب کرنے میں - اپنا فائدہ سمجھتے ہیں - اور ہمیں اپنی کلام کی
باوقاری اور گرم بازاری کی امید رکھتے ہیں - مگر درحقیقت ہمیں انکا بڑا نقصان ہے -
انکی چالاکیوں اور کاریگریوں کی حقیقت کھولنے والا - (محض خدا کے فضل و توفیق و القا
سے نہ اپنی ذاتی لیاقت یا علمیت سے) ہمارے معاصرین علمائے میں اس خاکسار
جیسا انکے خیال میں بھی کوئی نہیں ہے - اور اس امر کا وہ انجام آتھم وغیرہ کو صفحہ ۲۴۱ و صفحہ ۲۵۱
وغیرہ تصانیف میں تصریح اظہار و اقرار کرچکے ہیں - کہ "ہمارے مخالفوں اور مکفروں کا
کا رئیس و رئیس یہی شخص ہے - باقی سب اسکی شاخیں و فروعات ہیں" با این ہمہ
ہمکو بار بار چھیڑنا اور ہم سے اپنی حقیقت کھلوانا کونسی دور اندیشی اور عقلمندی
کی بات ہے - وہ تو صاحب غرض ہیں انکے اتباع میں بھی کوئی ایسا عقلمند اور دور اندیش

نہیں ہے جو انکو یہ ضرر سمجھاوے۔ اور اس نقصان سے انکو بچاوے۔ اسدفعہ
ہمکو اُنہوں نے چھیڑا تو ہمنے مضمون خطبہ الہامیہ اور مضمون متعلق قتل لیکھرام اور اسمضمون زیر رقم میں انکی
حقیقت کو کیسا کھولا۔ فاعتبروا یا اولی الالباب لعلکم تتقون۔ وہ نہیں مانتے
اور نہ مانینگے۔ تو ہم بھی حاضر ہیں۔ اور اس شعر مرزا غالب پر مجبوراً عمل کرنیکو تیار ہیں۔

ع چھیڑ خوبوں سے چلی جائے اسد ؎ گر نہیں وصل تو حسرت ہی سہی ؎

اور یہ بھی خیال کرتے ہیں کہ اس چھیڑ چھاڑ میں صرف حسرت ہی نہ ہوگی۔ وصل بھی ہوگا۔ اور خدا تعالے سے اجر و ثواب بھی ملے گا۔

اس جنگ کی موقوفی پر ہمکو تین امر باعث ہوئے تھے جنکی نسبت آب خدا تعالے نے ہمکو طریق ارشد و سبیل احسن کا اتفاق فرمایا ہے۔ لہذا اس چھیڑ چھاڑ پر خدا تعالے سے اجر کی امید ہے۔

امر اول یہ کہ ہم مرزا جی کے تمام اصول و فروع کی بیخ کنی کر چکے تھے۔ اور وہ اپنی تصانیف جدیدہ میں ان ہی اصول و فروع کا بار بار تکرار اور اعادہ کرتے تھے (جیسے بے دیانت عطار ایک ہی عرق یا صرف پانی مختلف رنگ اور صورتوں کی بوتلوں میں ڈال کر مختلف ناموں عرق گلاب عرق نیلوفر۔ عرق بادیان کے نام سے بیچتے اور لوگوں کے مال مارتے ہیں) لہذا اُن کے رد و جواب سے تعرض کرنے کو ہم تحصیل حاصل اور ایک امر لغو و لاطائل سمجھ بیٹھے تھے۔ جو محل اجر و ثواب نہیں ہوتا۔

امر دوم۔ یہ کہ آیندہ ہمکو دوسرے مخالفین اسلام و سنت خیر الانام سے مقابلہ کی مہم درپیش تھی۔ اور میرزا جی کے جواب میں مصروف رہنا اس مقابلہ سے مانع نظر آتا تھا۔

امر سوم۔ یہ کہ میرزا جی دن بدن بدگوئی اور دشنام دہی میں ترقی کرتے جاتے

تھے۔ گویا آپ کی نبوت کے معراج کا آپ کا یہی فعل ہو گیا تھا۔ اور اس سے طبیعت میں ایک اشتعال پیدا ہوتا تھا۔ جو گو ہے انتقام لیسیر بقدر عشر عشیر یا اس سے بھی کمتر کا باعث ہو جاتا تھا۔ گو وہ ان الفاظ سے نہ تھا جو مرزا جی کے حصہ میں آئے ہوئے۔ اور ان کے رجسٹری کرائے ہوئے ہیں۔ بلکہ ایسے الفاظ سے ہوتا تھا۔ جو قوم کیطرف سے بطور خطاب اور ٹائیٹل کے انکو ملے ہوئے تھے۔ جیسے **دجال۔ کذاب۔ کافر۔ ملحد وغیرہ** اور یہ امر اپنے نفس اور اخلاق کے لئے مضر ہوتا تھا۔ اور بعض صلح پسند اور اخلاق مجسّم دوستوں پر بھی شاق اور ناگوار گذرتا تھا۔

اب خدا تعالےٰ نے ان تینوں سے امر اوّل و دوم کی نسبت تو یہ حق سوجھایا اور القا فرمایا ہے کہ اس کے رسائل کے جواب میں مثل سابق تفصیل و تطویل کو چھوڑ دو اور مختصر الفاظ میں دو حرفی جواب دیا کرو۔ اور اسکی دلیل اور تفصیل کا حوالہ و پتہ اپنی سابق تصانیف سے دیدیا کرو۔ کیونکہ وہ اب کوئی ایسی بات نہیں کہتا۔ اور نہ کہہ سکتا ہے جسکا تفصیلی اور بادلیل جواب تمہاری سابق تصانیف چار پانچ سال میں نہ دیا گیا ہو۔

اور امر سوم کی نسبت یہ ہدائیت ربانی ہوئی ہے کہ اُسکی گالیوں کی آواز سنو تو کان بند کر لو۔ اور ان کا جواب نہ بقدر عشر عشیر و نہ اقل قلیل۔ اور شرعی خطابات کافر دجال وغیرہ سے بھی اوسکو یاد نہ کرو۔ وہ تمغے قوم کی طرف سے اسکو مل چکے ہیں تمہارے بار بار ذکر کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ اور جب وہ کوئی ایسی بات کہے جسکو تمہارے محبوب و مرغوب دین سید المرسلین سے تعلق ہو۔ اور اسکے جواب میں اس محبوب کی حمائت متصور ہو تو اس کو سنو اور اس کا جواب دو۔ اور اس شاعر کے قول پر عمل کرو جو اپنے محبوب کے وُہن میں کہتا تھا۔ ؎

اصم اذا نودیت یا سمی دانتی ۔۔۔ اذا قیل لی یا عبدھا السمیع

تمہید ختم ہوئی۔ اب ان رسایل اربعہ کا اسی سلوب سے جواب دیا جاتا ہے۔ بحول اللہ وبقوتہ۔

جواب رسالہ انجام آتہم

یہ رسالہ ۳۴ صفحہ میں ہے۔ اور اسکا اصل اصول اور اعلے مقصود تو گالیان ہیں ''شیطان'۔ ملعون'۔ بے حیا'۔ بدذات فرقہ مولویان'۔ ظالم مولویو تمنے بے ایمانی کا پیالہ پیا ہے'' وغیرہ وغیرہ۔ اس اصلی مقصود کی تبعیت وطفیل میں صرف ایک یہ بات کہی ہے کہ عبداللہ آتہم مر گیا۔ جس سے میری پیشگوئی پوری اور سچی ہوئی ہے۔

میری پہلی پیشگوئی میں وقوع موت کے لئے عبداللہ آتہم کے رجوع بحق نکرنے کی شرط تھی۔ اور وہ شرط پہلے میعاد پندرہ ماہ میں پائی نہ گئی تھی کیونکہ عبداللہ آتہم میری پیشگوئی کی ہیبت سے ڈر گیا تھا۔ اور یہی اسکا حق کیطرف رجوع کرنا تھا۔ اور ڈر جانے سے قطعی موعود وموقت عذاب بھی ٹل جایا کرتا ہے۔ جیسا کہ قوم یونس علیہ السلام سے عذاب ٹل گیا تھا جسکا ذکر قرآن اور حدیث اور بیبل کی کتاب یونہ میں پایا جاتا ہے۔ اور یہ عذاب موت عبداللہ آتہم تو پہلے ہی سے مشروط بشرط عدم رجوع بحق (یعنے خوف) تھا۔ اس لئے وہ عذاب اس میعاد میں جسمین وہ ڈرتا رہا وقوع میں نہ آیا۔

دوسری پیشگوئی۔ میں نے بذریعہ اشتہارات انعام ایک ہزار تا چار ہزار یہ کردی تھی کہ اگر عبداللہ آتہم ڈر جانے سے انکار پر قسم نہ کھائے گا۔ تو بھی وہ جلد مارا جائے گا۔ جو اب اس کے فوت ہو جانے سے پوری ہو گئی۔

الجواب

حضرات! گالیوں کا جواب تو حسب ہدایت ربانی یہی دیا جاتا ہے۔ ؎

بدم گفتی و خورسندم عفاک اللہ نکو گفتی — جواب تلخ مے زیبد لب لعل شکر خارا

آپ بحسب دعوے و بزعم خود خدا کے ملہم محدث۔ مخاطب مہدی مسعود مسیح موعود رسول احمد۔ مبشر بلسان عیسیٰ بن مریم۔ خدا کے بیٹے[1] بلکہ خدا کے باپ آپ یہ گالیاں نہ دیں تو اور کون دے۔ یہ تو آپ کے منصب اور شان سے کم ہیں۔ اور اسقدر قلیل ہے آپ کے عالی درجہ کی قیمت وصول نہیں ہوئی کچھ اور بھی فرماویں اور قیمت بڑھاویں ؎

ہر دو عالم قیمت خود گفتۂ + نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

پہلی پیشگوئی کے صادق ہونے کا جواب یہ ہے۔ کہ خدا تعالےٰ کا قطعی موعود و موقت عذاب ڈر جانے سے کبھی نہیں ٹلا۔ اور حضرت یونس کی قوم سے قطعی عذاب کا صرف ڈر جانے سے ٹل جانا جو قرآن و حدیث اور یونہ کی کتاب میں پایا جانا آپنے بیان کیا ہے۔ اسمیں آپ نے راستی سے کام نہیں لیا۔ جو ایک نبی راست باز کے لئے لازمی امر ہے۔ ہمارے اس دعوے کی دلیل اور اس امر کی تفصیل اشاعۃ السنہ نمبر ۲ و ۳ و ۴ جلد ۱۶ میں صفحہ ۵۳ سے ۱۱۱ تک ۵۸ صفحہ میں ہو چکی ہے۔

آپ کا اس تفصیل سے اغماض کرنا۔ اور اپنے رد شدہ دعوے کو بلا دلیل خاکسار کے مقابلہ میں دوبارہ پیش کرنا آپ کے منصب نبوت و رسالت سے (جس کے لئے حیا و غیرت ایسی لازمی صفت ہے۔ جیسے کفر کے لئے بے غیرتی اور بے حیائی) نہایت مستبعد ہے۔ آپ اول ہمارے دلایل کا اور اپنے دلائل کے جوابات کا جواب دیں

[1] خدا کے بیٹے ہونے کا دعوی آپنے توضیح المرام کے صفحہ ۲۷ میں کیا۔ اور خدا کا باپ ہونا آپ کے اس الہام سے ثابت ہوتا ہے جو آپنے اپنے بیٹے کو کان اللہ نزل من السماء کہا ہے۔ اور وہ آپکے رسالہ انجام آتھم کے صفحہ ۶۲ وغیرہ میں منقول ہو باقی دعوے آپ کے اکثر تصانیف میں ہیں۔ احمد رسول ہونا ازالہ کے صفحہ ۶۷۳ میں ہے۔ نبی ہونا توضیح کے صفحہ ۱۸ میں۔

پھر یہ دعوے منہ سے نکالیں کہ ڈر جانے سے قطعی عذاب ٹل جایا کرتا ہے۔

آب رہا یہ امر کہ عبداللہ آتھم ڈر گیا تھا۔ اور آپ کی پیشگوئی میں موت واقع ہونیکی یہ شرط موجود تھی کہ وہ نہ ڈرے۔ سو اسکا جواب ہم رسالہ نمبر ۱۲ جلد ۱۶ کے صفحہ ۴۷ وغیرہ اور رسالہ نمبر ۴ جلد ۱۶ میں صفحہ ۱۱۱ سے ۱۱۷ تک دے چکے ہیں۔ اسکا جواب سے بھی آپکا اغماض کرنا اور پھر اسی رد شدہ بات کا اعادہ کرنا آپ کے دعوائے نبوت یا محدثیت سے مناسبت نہیں رکھتا۔ ایسا ہی آپنے جو دوسری پیشگوئی میں خبر موت عبداللہ آتھم دیدینے کا وعدہ کیا ہے۔ اسمیں بھی آپنے راستی سے جو ایک نبی یا محدث کی لوازم ذاتیہ سے ہے کام نہیں لیا۔ آپکے ان اشتہاروں میں جنکا صفحہ ۱ و ۲۔ رسالہ انجام آتھم میں آپنے اقتباس کیا ہے کہیں تصریح نہیں ہے۔ کہ اگر عبداللہ آتھم قسم سے انکار کرے گا۔ تب بھی وہ ایک خاص میعاد میں مرجائے گا۔ آپ کے اصل اشتہاروں کے ان فقرات میں جنکو آپنے نقل کیا ہے موت اور اُسکی میعاد کا ذکر نہیں۔ موت کو آپ اب اپنی طرف سے ان بریکٹوں (خطوط وحدانی میں) درج کرکے گویا ان الفاظ میں آپ موت کے معنے ڈال رہے ہیں۔

آپ سچ پوچھیں اور انصاف سے سنیں تو آپ کو معلوم ہو۔ کہ عبداللہ آتھم کی یہ موت جو میعاد ایک سال سے پہلے واقع ہوئی ہے۔ آپ کی دوسری پیشگوئی کی مکذب ہے نہ مصدق۔ کیونکہ آپنے اس پیشگوئی میں یہ کہا تہا۔ کہ اگر عبداللہ آتھم قسم کھاویگا کہ میں اس پیشگوئی کی ہیبت سے نہیں ڈرا۔ تب وہ ایک سال کے عرصہ میں مارا جائیگا۔ جسکا مفہوم مخالف یہ ہے۔ کہ قسم نہ کھانے کی صورت میں وہ مارا نہ جائیگا پھر وہ باوجود قسم نہ کہانے کے مارا گیا۔ تو اس سے اس پیشگوئی کا مضمون جھوٹا ہوا۔ نہ سچا۔ ✽

یہی باتیں آپنے اپنے خسر فرضی مرزا احمد بیگ کے فوت ہوجانے۔ اور

اپنی منکوحہ آسمانی کے شوہر ثانی کے فوت ہونیکی نسبت کہی ہیں۔ جن میں راستی وحق گوئی آپ سے چھوٹ گئی۔

ہم نے مرزا احمد بیگ کے متعلق باوجود اسکے فوت ہوجانے کے آپ کی پیشگوئی کے پوری ہونے کے ثبوت میں آپ سے ۸۵ سوالات جرح کئے ہیں۔ جو رسالہ اشاعۃ السنہ نمبر ا و ۲ جلد ۱۵ میں صفحہ ۲۵ سے صفحہ ۳۸ تک شائع ہو چکے ہیں۔ جس سے ہر صاحب فہم و انصاف کو ثابت ہوتا ہے۔ کہ وہ پیشگوئی پوری نہین ہوئی اور اگر وہ پوری ہوتی تو بھی وہ یقیناً الہامی نہ سمجھی جاتی۔

اور اپنی منکوحہ آسمانی کے شوہر ثانی کی عدم وفات پر جو آپ نے عذرات کئے ہیں۔ کہ وہ بھی ڈر گیا تھا۔ اور ڈر جانے سے عذاب ٹل جایا کرتا ہے۔ گو قطعی وغیر مشروط ہو۔ اسکا جواب رسالہ نمبر ۶ جلد ۱۶ میں صفحہ ۱۷۹ سے ۱۹۶ تک ایسا دیا گیا ہے جسمیں آپ کو جون وچرا کرنیکا حوصلہ نہیں رہا۔ پھر آپ کا اس جواب سے چشم پوشی کرنا۔ اور اپنے پرانے دعاوی کو بلا دلایل ہمارے مقابلہ میں پیش کرنا آپکے دعوے نبوت یا محدثیت کے مخالف ہے۔ جس کے لئے غیرت وحیا ایک لازمی امر ہے۔

دوسرے رسالہ کے خدا فیصلہ کا جواب

دوسرا رسالہ ۱۱ صفحہ کا ہے۔ یہ آپ نے پادریوں کے مقابلہ میں لکھا ہے۔ اسمیں اُن سے تثلیث کے حق یا ناحق ہونے پر مباہلہ کی درخواست کی ہے۔ اس کا جواب پادریوں کے ذمہ ہے۔ ہم اس کے متعلق صرف اتنا کہنا چاہتے ہیں کہ اس رسالہ میں سخت گوئی سے کام لیا ہے۔ جو ایک نبی یا محدث کی شان

سے بعید ہے۔ اور اُسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ اسکے مقابلہ میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور تمام مسلمانون کو برا کہیں گے۔ یہ بُرا کہلانے والے مزاجی ہونگے بحکم ان نصوص کے جو قرآن وحدیث میں وارد ہیں۔ اور وہ ہمارے مضمون متعلق قتل لیکھرام میں مندرج ہیں جو عنقریب نمبر ا جلد ۱۸ میں شایع ہوگا +

تیسرے رسالہ دعوت قوم (یا مباہلہ) کا جواب

یہ رسالہ ۲۸ صفحہ میں ہے۔ اور اس میں خاکسار کے حق میں بدگوئی اور دشنام دہی کے علاوہ یہ دعوٰے کیا ہے۔ کہ میں صاحب الہام ہوں مجھے اس عرصہ میں اسقدر الہام ہوئے ہیں (جنکو سات صفحہ میں نقل کیا ہے) اور کہا ہے کہ اگر علماء و مشائخ پنجاب و ہندوستان (جنمین ۴۸ علماے اور ۴۸ مشائخ وصوفیا کے نام شمار کئے ہیں) مجھے الہامی نہیں مانتے تو مجھ سے مباہلہ کر لیں۔ مگر شرط یہ ہے۔ کہ کم سے کم دس آدمی میرے مقابلہ میں آویں۔ اور یہ کہیں کہ اے خداے حلیم وخبیر ہم اس شخص کو جسکا نام غلام احمد ہے درحقیقت کذاب اور مفتری اور کافر جانتے ہیں۔ پس اگر یہ شخص درحقیقت کذاب اور مفتری اور کافر اور بے دین ہے۔ اور اسکے یہ الہام تیری طرف سے نہیں بلکہ اپنا ہی افترا ہے تو اسکو ایک سال کے اندر ہلاک کر دے۔ اور اگر یہ مفتری نہیں اور تیری طرف سے ہے۔ اور یہ الہام تیرے ہی مُنہ کی پاک باتیں ہیں۔ تو ہم پر جو اسکو کافر و کذاب سمجھتے ہیں دکھ اور ذلت سے بھرا ہوا عذاب ایک برس کے اندر نازل کر کسی کو اندھا کر دے۔ کسی کو مجذوم۔ کسی کے مال پر آفت کسی کی عزت پر وغیرہ وغیرہ۔

الجواب آپنے الفاظ اپنی دعا میں تجویز کئے ہیں۔ اور اسمیں بھی ایک برس کی

میعاد مقرر کی ہے۔ اور ایک اشتہار میں آپنے اس میعاد کی نسبت یہ دعوے کیاہے۔ کہ یہ میعاد ایک سال کی مسنون ہے۔ اسیواسطے آنحضرت نے لما حال الحول کا لفظ فرمایا ہے۔

الجواب

بدگوئی اور دشنام دہی کا جواب تو وہی ہے۔ جو رسالہ انجام آتھم کے جواب میں معروض ہوا۔ بدم گفتی الخ۔

مباہلہ کا جواب یہ ہے کہ صوفی عبدالحق غزنوی نے آپ سے مباہلہ کرنے کو قبول کیا۔ اور اس کا اشتہار دیا۔ تو اُسکے جواب میں آپنے سکوت محض اختیار فرمایا۔ مولوی غلام دستگیر صاحب قصوری نے لاہور میں پہنچکر آپ کو مباہلہ کیلئے بُلایا۔ تو آپ نے شروط ہی کی تمہید میں ان کو ٹلایا۔ اگر ان دونو صاحب سے مباہلہ کرنے میں آپ کو عذر ہے اور اُسکی کوئی معقول وجہ آپ کے پاس ہے تو بدرجہ سوم یہ خاکسار حاضر ہے۔ مگر مباہلہ میں اور خدا کے حضور میں (جو دلون کی نیّات جانتا ہے) دعامیں بہت سے قیود لگانا اور لفظوں کی آڑ میں آپ کو بچانا کچھ ضرورت نہیں رکھتا۔ آپ کا یہ دعوے ہے کہ میں ملہم اور مسلمان ہوں ہمارا یہ اعتقاد ہے کہ آپ جیسے اعتقاد اور اخلاق و اعمال والا کوئی شخص ہرگز ملہم نہیں ہوسکتا۔ ان دونو فریق کے اعتقادات کو بیان کرکے آپ صرف یہ کہدیں۔ اللھم العن الکاذب فی ھذا القول یعنے اے خدا جو اس قول یا اعتقاد میں جھوٹا ہے۔ اسپر تو لعنت کر اور آپ کا مقابل اسکے تائید میں آمین کہدے۔ (چنانچہ آنحضرت نے نصارے نجران کے مقابلہ میں تجویز کیا تھا۔ اور ایسا ہی آپ نے عیسائیوں کے مقابلے میں تجویز کیا تھا۔ اور اسکو صفحہ ۴۶ و ۴۷ میں

باقی عنقریب نمبر ۱ جلد ۱۸ میں

عذر
[illegible]